إنّ من الشعر لحكمةً وإنّ من البيان لسحراً

S-15

حیاتِ سعدی

یعنی

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح عمری

اور انکی تمام تصنیفات نظم و نثر پر ریویو

مرتبہ

خاکسار الطاف حسین متخلص بہ حالی

سنہ ۱۸۸۶ء

Checked 1987

CHECKED 1995

[illegible] پریس واقع لاہور میں چھپی

مصنف کی بے اجازت کوئی نہ چھاپے

فہرست مضامین حیات سعدی

مضمون	صفحہ	مضمون	
دیباچہ	۳ - ۸	شیخ اور شکسپیر کے کلام مین مماثلت	۷۴-۷۴
پہلا باب			
فارس اور شیراز کا حال	۹ - ۱۳	کلیات شیخ کی تفصیل	۷۵-۷۷
شیخ کے بچپن کا حال	۱۴ - ۱۵	گلستان اور بوستان	
شیخ کی تعلیم کا حال	۱۵ - ۳۱	دونو کتابونکی اجمالی تعریف	۷۷-۷۸
شیخ کی سیاحت کا حال	۳۱ - ۴۰	گلستان کی ترجیح بوستان پر	۷۸-۷۹
سفر سے وطن مین آنے اور شیراز مین رہنے کا حال۔	۴۰-۵۸	شاہنامہ مثنوی معنوی گلستان اور دیوان حافظ کا ذکر۔	۷۹
شیخ کی وفات اور اوسکے مدفن کا حال۔	۵۸-۶۲	چارون کتابون کی شہرت اور قبولیت کے جداگانہ اسباب	۸۰
دوسرا باب		گلستان کے ترجمون اور شروح اور فرہنگون کا ذکر۔	
شیخ کی شاعری کی شہرت اوسکی زندگی مین۔	۶۳-۶۷	اس بات کی وجہ کہ گلستان	
شیخ کے کلام پر لوگون کی رائین	۶۷-۷۴	نسبت غور و فکر سے ایک مدت دراز مین لکھی گئی ہے۔	۸۹-۹۱

مضمون	صفحہ	مضمون
گلستان کی ترجیح تمام اگلے		بوستان اور سکندرنامہ کا مقابلہ
اور پچھلی نثروں پر اور		بوستان اور خرابات شیخ علی
مقامات بدیعی قابوس نامہ		حزین کا مقابلہ۔
و تاریخ وصاف کا ذکر	۹۱-۹۶	گلستان اور بوستان کی وہ
تین کتابوں کا ذکر جو گلستان		خاصیتیں اور خوبیاں جنکے
کے طرز پر لکھی گئی ہیں۔	۹۶-۹۷	سبب سے دونو کتابیں مقبول
گلستان اور بہارستان جامی		خاص وعام ہوئی ہیں۔
کا مقابلہ	۹۷-۱۲۲	**غزلیات شیخ**
گلستان اور خارستان		قدما کی غزل پر شیخ کی غزل
کا مقابلہ۔	۱۰۲-۱۰۳	کی ترجیح کے وجوہ۔
گلستان اور پریشان کا مقابلہ	۱۰۴-۱۱۲	شیخ کی غزل کی وہ خصوصیتیں جو
گلستان کے اشعار اور فقرے		قدما کی غزل میں بہت کم
جو ضرب المثل ہوگئے ہیں۔	۱۱۳-۱۱۷	پائی جاتی ہیں۔
بوستان		شیخ کی غزلیات کے نمونے۔
بوستان اور شاہنامہ کا موازنہ	۱۱۹-۱۲۱	شیخ اور قدما کی غزل میں باریک
بوستان اور سکندرنامہ کا موازنہ		فرق۔
شاہنامہ اور مثنوی معنوی کے		شیخ اور اوسکے متبعین کی غزل
ساتھ۔	۱۲۱-۱۲۲	سے سوسائٹی پر کیا اثر ہوا۔

مضمون	صفحہ
قصائد وغیرہ	
شیخ سے پہلے مسلمانوں میں قصیدہ گوئی کا کیا حال تھا	۱۹۶-۲۰۰
شیخ اور قدما کے قصیدہ میں تفاوت کی وجہ -	۲۰۰-۲۰۱
شیخ قصیدہ کس غرض سے لکھتا تھا -	۲۰۲
جو غرض قصیدہ سے ہونی چاہیئے وہ قدما کے قصیدہ سی حاصل نہیں ہوتی -	۲۰۳
قصاید شیخ کے اشعار بطور نمونہ کے	۲۰۵-۲۱۲
مجموعہ صاحبیہ کے اشعار بطور نمونہ کے	۲۲۳-۲۲۴
مطائبات و ہزلیات مضحکات پر ریویو -	۲۲۵-۲۲۹
قصائد عربیہ کا ذکر -	۲۲۹-۲۳۱
مرثیہ بغداد کے اشعار -	۲۳۱-۲۳۸
خاتمہ	
شیخ کے حالات اور اوسکی عام شاعری پر اجمالی نظر	
شیخ کے قوائے جسمانی اور مذہب کا ذکر -	۲۳۸-۲۳۹
شیخ کے صوفی واعظ اور شاعر ہونے کا ذکر -	
شیخ کی خصلتیں -	۲۳۹-۲۴۰
شیخ کے کمال شاعری او سنجیدگی خیالات کے اسباب -	۲۴۰-۲۴۶
شیخ کو اور شعرا پر ترجیح دینے کے وجوہ -	۲۴۶-۲۴۹
ایران میں جو امردوں کے عشق پر شعر کی بنیاد رکھی گئی ہے اوسکے متعلق مصنف کی رائے -	۲۴۹-۲۵۶

IV

حیاتِ سعدی

حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمہ اللہ کے سوانح
عمری اور اُنکے کلیاتِ نظم و نثر پر ریویو

سنہ ۱۳۰۴ ہجری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

مشہور آدمیوں کا حال لکھنا جسکو یونانی میں بیوگرفی اور عربی میں ترجمہ یا تذکرہ کہتے ہیں کم و بیش قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ اگرچہ اُسوقت زیادہ تر بہادروں کے معرکے اور دیوتاؤں کے کرشمے لوگوں کو اکثر زبانی یاد ہوتے تھے جو مناسب موقعوں پر بیان کئے جاتے تھے۔ لیکن یہودیوں کے ہاں قدماکی سرگذشتیں لکھی بھی جاتی تھیں۔ یہودیوں کے بعد یونانیوں اور رومیوں نے اسطرف توجہ کی۔ چنانچہ یونان کے مشہور بیوگرفر پلوٹارک کی بیوگرفی جو دوسری صدی عیسوی میں لکھی گئی اُس عہد کے تذکروں میں ممتاز اور برگزیدہ ہے۔ اور عیسائیوں کے مذہبی لٹریچر میں اُس زمانہ کے اولیار۔ شہدا اور مجتہدوں کے سوانح عُمری جو کسیقدر مکمل ہیں کثرت سے موجود ہیں۔ زمانہ متوسط میں مسلمانوں کی بیوگرفی سب سے زیادہ وقعت کے قابل ہے۔ لیکن ان دونوں زمانوں میں تذکرہ لکھنے کا عام طریقہ یہ تھا کہ لوگوں کے حالات محض بطور روایت بیان کرتے تھے درایت کو اس میں کچھ دخل نہ دیتے تھے۔ اور بیان میں مُبالغہ کو زیادہ کام میں لاتے تھے مسلمانوں کی بیوگرفی میں بھی یہی عام

خاصیت تو پائی جاتی ہے۔ صرف رجال حدیث کے حالات جو محدثین نے لکھے ہیں اُن میں البتہ بہت احتیاط کی گئی ہے ہر ایک شخص کے اخلاق اور خصائل راست راست بے کم و کاست لکھے گئے ہیں اور اُن کے عیب اور خوبیاں بے پست کندہ بیان کی گئی ہیں۔ باقی علما اور شعراء وغیرہ کے تذکرے زیادہ تر لیسے نہیں ہیں۔ اور چونکہ تذکرہ نویسی کا مدار محض نقل اور روایت تھا اسلئے اُن لوگوں کے سوا جنکے حالات تاریخ میں مفصل لکھے گئے ہیں (مثلاً خلفا - سلاطین - وزرا اور سپہ سالار وغیرہ) باقی تمام اہل کمال کی حالت کا مختصر طور پر تذکرہ ہوتے ہیں - اور مشہور سے مشہور مصنف کی لائف بھی جداگانہ نہیں لکھی گئی - زمانہ حال میں یورپ کے مؤرخوں نے خاصکر سترھویں صدی سے بیوگرفی کو بے انتہا ترقی دی ہے - یہاں تک کہ تاریخ کی طرح بیوگرفی نے بھی فلسفہ کی شکل اختیار کی ہے - حال کی بیوگرفی میں اکثر مؤرخانہ تدقیق کی جاتی ہے اور واقعات سے منطقی طور پر نتائج استخراج کئے جاتے ہیں۔ مصنف کے کلام میں غوص کیا جاتا ہے اور اُسکے عیب اور خوبیاں صاف طور پر ظاہر کیجاتی ہیں - اکثر ایک ایک شخص کی لائف کئی کئی ضخیم جلدوں میں لکھی جاتی ہے -

بیوگرفی اُن بزرگوں کی ایک لازوال یادگار ہے جنہوں نے اپنی نمایاں کوششوں سے دنیا میں کمالات اور نیکیاں پھیلائی ہیں اور جو انسان کی آیندہ نسلوں کے لئے اپنی مساعی جمیلہ کے عمدہ کارنامے چھوڑ گئے ہیں - خصوصاً جو قومیں علمی ترقیات کے بعد پستی اور تنزل کی درجہ کو

پہنچ جاتی ہیں اُن کے لئے بیوگرفی ایک تازیانہ ہے جو اُنکو خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے۔ جب وہ اپنے اکابر و اسلاف کی زندگی کے حالات اور اُن کے کمالات دریافت کرتے ہیں تو اُن کی غیرت کی رگ حرکت میں آتی ہے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی عزّت اور برتری کے دوبارہ حاصل کرنیکا ارادہ اُن کے دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ دُنیا میں اکثر لوگ ایسے گزرے ہیں جنہوں نے بڑے بڑے آدمیوں کی زندگی کے حالات صرف کتابوں میں پڑھکر اپنے تئیں انسانیت کے اعلیٰ درجہ تک پہنچایا تھا چنانچہ لکھا ہے کہ لوتھر[۱] کے دل میں جو ایک غیر معمولی تحریک پیدا ہوئی اور بنجمن فرینکلین[۲] نے نہایت پست حالت سے اعلیٰ درجہ کی ترقی اور شہرت حاصل کی اسکا بڑا سبب بھی بیوگرفی کا مطالعہ تھا۔ بیوگرفی علم اخلاق کی نسبت ایک اعتبار سے زیادہ سود مند ہے۔ کیونکہ علم اخلاق سے صرف نیکی اور بدی کی ماہیت معلوم ہوتی ہے اور بیوگرفی سے اکثر نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کی نہایت زبردست تحریک دل میں پیدا ہوتی ہے۔ اور اسلاف کے ستودہ کاموں کی ریس کرنے کا شوق دامنگیر ہوتا ہے۔ انگلستان کے ایک مشہور مصنف کا قول ہے کہ "بیوگرفی چلا چلا کر اور سمندر کے طوفان کی طرح غل مچا کر یہ آواز

۱؎ لوتھر جرمنی کا رہنے والا عیسائی مذہب کا ایک مشہور مصلح اور تمام یورپ کو پوپ کے پنجہ سے نجات دینے والا ہے ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا۔ اور ۱۵۴۶ء میں فوت ہوا +

۲؎ یہ شخص امریکا کا ایک مشہور فاضل ہے جس نے سب سے اوّل علم برق کے اصول دریافت کئے ہیں ۱۷۰۶ء میں بمقام بوسٹن پیدا ہوا۔ اور ۱۷۹۰ء میں فوت ہوا +

دیتی ہے کہ جاؤ اور تم بھی ایسے ہی کام کرو۔ ہمارے ملک میں ہوگر فی کیطرف
ابتک کچھ توجہ نہیں ہوئی۔ ملک کی عام زبان یعنی اردو میں اب تک یا تو
یورپ کے بعض مشہور لوگوں کے حالات انگریزی سے ترجمہ ہوئے ہیں۔
یا ایسے لوگوں کے سوانح لکھے گئے ہیں جن کے حالات پڑھکر کوئی عمدہ تحریک
دل میں پیدا نہیں ہوتی۔ ہمارے نزدیک ہندو مسلمانوں کے اکابر و
اسلاف میں بھی ایسے بہت سے افراد نکلیں گے جنکے بڑے بڑے کام
اور اُن کے کمالات قوم کے لئے سرمایۂ افتخار ہیں اور موجودہ نسلوں
فرض ہے کہ اُن کا نام زندہ کرنے اور آئندہ نسلوں کا دل بڑھانے کے لئے
اُن کے فضائل اور کمالات دنیا میں شائع کریں۔ مگر مشکل یہ ہے کہ قدما
میں جو سب سے زیادہ مشہور ہیں اُن کے بھی مفصّل حالات دستیاب
ہونے سخت دشوار بلکہ ناممکن ہیں صرف تذکروں میں کچھ کچھ مختصر
حال درج ہے لیکن اُس سے کسی کے لائف ترتیب وار لکھنی ہرگز
ممکن نہیں ۔

ہمنے اِس خیال سے کہ شیخ **سعدی** شیرازی کا نام حد سے زیادہ
مشہور ہے شاید اُن کے مفصّل حالات بہم پہنچ جائیں۔ اُن کے سوانح عمری
لکھنے کا ارادہ کیا تھا اور اس غرض سے اکثر فارسی تذکرے جو یہاں مل سکتے
ہیں دیکھے اور انگریزی تذکرہ **سرگور اوسلی**[1] صاحب کا بھی دیکھا۔

---

[1] یہہ صاحب ۱۸۰۰ء میں جب کہ مارکوئس ولزلی صاحب گورنر جنرل تھے بطریق سیاحت
ہندوستان میں آئے تھے۔ شدہ شدہ لکھنؤ میں نواب سعادت علیخان کے ہاں

مگر ان تمام تذکروں میں زیادہ تر وہی شیخ کی مشہور نقلیں اور حکایتیں جو زبان زد خاص و عام ہیں تھوڑے تھوڑے تفاوت کے ساتھ مندرج پائیں۔ شیخ کی تصنیفات پر بھی اجمالی تعریف کے سوا کسی نے کوئی بات ایسی نہیں لکھی جس سے اُسکی کلام کی عظمت اور واقعی خوبیاں معلوم ہوں۔ اگرچہ یہ تمام باتیں مایوس کرنے والی تھیں مگر ہمنے اپنے ارادہ کو جس طرح ہو سکا پورا کیا۔ جسقدر صحیح اور معقول باتیں تذکروں سے معلوم ہو سکتی تھیں اُنکے علاوہ بعض حالات خود شیخ کی کلام سے استنباط کئے اور نیز اُس عہد کی تاریخ میں اکثر واقعات کا سُراغ لگایا اور کچھ باتیں علی بن احمد جامع کلیات شیخ کے دیباچہ سے اخذ کیں۔ اور کچھ کچھ انگریزی کتابوں سے بھی مدد لی۔ اور اس تمام معلومات کو جہاں تک ممکن تھا لائف کی صورت میں مرتّب کیا۔ اور شیخ کی تصنیفات کے بیان میں زیادہ تر اپنی ناچیز راسے اور تفحّص پر بھروسا کرکے یہ مضمون ختم کیا گیا۔ اگرچہ شیخ کی اصل سرگزشت میں جسقدر کہ وہ اب تک معلوم ہوئی ہے کوئی عظیم الشان واقعہ نہیں ہے لیکن جس ترتیب کے ساتھ اُس کی پراگندہ حال جمع کرکے اس کتاب میں لکھے گئے ہیں اور جس طریقہ سے اُسکی عمدہ تصنیفات اور پاکیزہ خیالات پر بحث کی گئی ہے اُس سے امید کیجاتی ہے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۔ نوکر ہو گئے۔ پھر گورنمنٹ کی طرف سے ایران میں سفیر مقرر ہو کر گئے۔ سفارت کے زمانہ میں ایک تذکرہ ایران کے مشہور شاعروں کا جن میں شیخ بھی شامل ہیں اُنھوں نے بہت کوشش سے لکھا تھا۔

عام ناظرین کے لئے اِسکا مُطالعہ لُطف سے خالی نہ ہوگا۔ اور خاصکر شعرا کو اس سے کسی قدر بصیرت اور نصیحت بھی حاصل ہوگی ✣

اِس کتاب کے دو باب اور ایک خاتمہ ہے **پہلے باب** میں شیخ کے سوانح عُمری کا بیان ہے اور **دوسرے باب** میں اُسکی تصنیفات کا مُفصّل ذکر ہے اور **خاتمہ** میں اُس کے عام حالات اور عام شاعری پر بالاجمال نظر کی گئی ہے۔ اگرچہ اسلام کے قدیم مُصنّفوں میں بے شمار لوگ ایسے گزرے ہیں جنکی عظمت اور جلالت کے سامنے شیخ کو کچھ رتبہ نہیں ہے۔ مگر ہمنے سب سے اوّل شیخ کا حال اسلئے لکھا ہے کہ ہندوستان میں اُس سے زیادہ کوئی مسلمان مُصنّف مقبول اور مشہور نہیں ہے اور خاصکر فارسی زبان کے شعرا میں میرے نزدیک کوئی شاعر اُس کے رُتبہ کو نہیں پہنچا۔ لیکن اگر زمانہ نے فرصت دی تو ہمارا ارادہ ہے کہ آئندہ بھی چند مشہور اور ذی وقعت مُصنّفوں کی سوانح عُمری اور اُن کی تصنیفات کا بیان جدا جدا لکھیں گے ✣

اَلسّعیُ مِنّا وَالاِتمامُ مِنَ اللہِ ط

پہلا باب

شیخ کے سوانح عمری

شیخ کی سرگزشت بیان کرنے سے پہلے اُس مردُم خیز خطّہ کا مُختصر حال لکھنا شاید بے محل نہوگا جسکی خاک سے ایسا مُفید اور مقبول مُصنّف پیدا ہوا۔ اور جہاں سے علماء و شُعرا اور جلیل القدر مُصنّفوں کی ایک جماعتِ کثیر عروج اسلام کے ہر طبقہ اور ہر صدی میں ظہور کرتی رہی ہے *

فارس اور شیراز کا حال

ایران کے جنوب مغربی حِصّہ میں خلیجِ فارس کے کنارہ پر پارسؔ[۱] ایک خطّہ ہے جسکو عرب فَارِسؔ کہتے ہیں۔ قدیم زمانہ میں تمام ایران کو پارس کہتے تھے لیکن اَب خاص اِس حصّہ کو پارس کہا جاتا ہے۔ اِس چھوٹی سی ولایت میں بہت سی قدرتی اور قدیم مصنُوعی چیزیں ایسی ہیں کہ اُس کو دُنیا کا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

---

[۱] پارس جیسا کہ فرہنگ ناصری میں لکھا ہے ہوشنگ کے بیٹے کا نام تھا۔ اُسکے نام سے قدیم زمانہ میں تمام ایران کو پارس کہتے تھے اور اہل یوروپ اب بھی تمام ایران کو اِسی لئے پرشیا یعنی پارس کہتے ہیں لیکن جب سے کہ ایران کے ہر ایک صوبہ اور ولایت کا جُدا جُدا نام رکھا گیا اُسوقت سے پارس اِس خاص ولایت کو کہنے لگے *

تقریباً آدھا ملک پہاڑی اور آدھا میدانی ہے - اور جنوبی حد پر سمندر یعنی خلیج فارس ہے - آب و ہوا کہیں نہایت گرم ہے اور کہیں نہایت سرد ہے - اکثر صحرا سرسبز و شاداب ہیں - جابجا چشمے اور ندیاں جاری ہیں - صحرای شاپور میں جو کہ شیراز کے نواح میں ہے ایک وسیع قطعہ ہے جسکا نام شِعبِ بَوّان ہے - عرب کے لوگ یہ سمجھتے تھے کہ دُنیا میں چار تفرّج گاہیں ایسی ہیں جنکا کہیں نظیر نہیں - صُغدِ سمرقند - غُوطۂ دمشق - نہرِ اُبُلّہ - اور شِعبِ بَوّان اتابک ابوبکر بن سعد زنگی جسکے عہدِ حکومت میں شیخ نے گلستان لکھی ہے ہمیشہ فخر سے کہا کرتا تھا کہ میرے ملک میں دو چیزیں ایسی ہیں جو خوف اور اطمینان کی حالت میں بادشاہوں کے لئے ناگزیر ہیں - خوف کی حالت میں قلعۂ سفید - اور اطمینان کی حالت نزہت گاہِ شِعبِ بَوّان - اکثر شعراے عرب نے اِس قطعہ کی تعریف میں قصیدے لکھے ہیں جن میں سحر سلامی شاعر کا قصیدہ جو عضد الدولہ دیلمی کی فرمایش سے لکھا گیا تھا بہت مشہور ہے - ایک اَور شاعر کہتا ہے -

اِذَا اَشْرَفَ الْمَحْزُوْنُ مِنْ رَاسِ قَلْعَةٍ ٭ عَلٰی شِعْبِ بَوَّانَ اسْتَرَاحَ مِنَ الْکُرَبِ

ترجمہ - جب غمگین آدمی قلعہ پر سے شِعبِ بَوّان کی فضا کو دیکھتا ہے تو

لہ صُغد مُعرّب سُغد نشیب کی زمین اور صغد سمرقند ایک نزہت گاہ سمرقند کے قریب تھی - غوطہ بھی نشیب کی زمین کو کہتے ہیں - اور غوطۂ دمشق ایک سیرگاہ دمشق میں تھی - اُبُلّہ بصرہ میں ایک پُرفضا مقام تھا وہاں ایک ندی تھی اُسکو نہرِ اُبُلّہ کہتے تھے یہ تینوں مقام اور شِعبِ بَوّان دُنیا کے چار بہشت سمجھے جاتے تھے ۱۲

اُسکی تمام کلفتیں دور ہوجاتی ہیں۔
فارس کے میوے عراق عجم میں جاتے ہیں۔ گرم پانی کے چشمے اور مفید کانیں فارس میں موجود ہیں۔ فارس کے آثار قدیمہ دُنیا کے اُن عجائبات میں سے ہیں جن کو اگلے زمانہ کے لوگ جن اور پری کے کام سمجھتے تھے۔ جیسے تخت جمشید۔ نقش شاپور۔ دخمۂ فریدوں۔ اور خانۂ زردشت ان کا مُفصّل حال ایران کی انگریزی تاریخوں میں مذکور ہے۔ اِنھیں آثار قدیمہ کی نسبت عُرفی شیرازی نے کہا ہے ؎

آثار پدیداست صنادید عجم را ۔ از نقش و نگار در و دیوار شکستہ

اسکے سوا اور بہت سی خصوصیتیں ایسی ہیں جن کے دیکھنے سے انسانکے قویٰ میں شگفتگی اور بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ فارس کے اکثر شہر مردم خیز سمجھے گئے ہیں۔ جیسے یزد۔ میبذ۔ گازرون فیروزآباد۔ بیضا۔ شیراز وغیرہ۔ اِن شہروں میں کثرت سے عُلماء و فضلا اور ادیب و شاعر پیدا ہوئے ہیں جن کی تصنیفات مسلمانوں میں اب تک موجود ہیں۔ خصوصاً **شیراز** جو کہ صدہا سال ایران کا پایۂ تخت رہا ہے مُسلمان ایرانیوں نے جس طرح **قم** کو دار المؤمنین اور **یزد** کو دار العُبّاد کا خطاب دیا ہے اِسی طرح **شیراز** کو دار العلم کے لقب سے مُلقب کیا ہے۔ اگرچہ شیراز کا علم و فضل زمانہ کے انقلاب اور سلطنت اسلامیہ کے تنزّل سے اب نہایت پست حالت میں ہے لیکن اُس کی موجودہ نسلوں کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قدیم بزرگی اور برتری کے نشہ میں اب تک

A۹۱۶۵۱۵۲۹۳

بدست ہیں - حاجی لطف علی خان آذر نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ شیراز کے چھوٹے بڑے جوان اور بوڑھے صحبت اور جلسوں پر فریفتہ ہیں - کسب معاش اسقدر کرتے ہیں کہ کسی کے محتاج نہ ہوں - تھوڑی سی آمدنی پر قانع رہتے ہیں اور ہمیشہ سیرگاہوں اور قہوہ خانوں میں جمع ہوتے ہیں +

شیراز کی بنیاد اسلام کے زمانہ میں پڑی ہے **محمد بن قاسم** جسنے مسلمانوں میں سب سے اوّل ہندوستان پر لشکر کشی کی ہے شیراز کا بانی ہے یہ شہر پہلی صدی ہجری کے اخیر میں ایک نہایت سرسبز و شاداب قطعۂ زمین پر آباد کیا گیا ہے - تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ شیراز کے مکانات بہت وسیع اور بازار پُر رونق ہیں اور گھر گھر نہر جاری ہے - شاید ہی کوئی مکان ایسا ہو جسمیں ایک عمدہ باغ اور نہر نہ ہو" - پھر صفاریوں[1] اور دیلمیوں[2] کے عہد میں شیراز نے اور بھی زیادہ وسعت اور رونق حاصل کی - عضد الدولہ دیلمی کے زمانہ میں اُسکی آبادی اس درجہ کو پہنچی کہ شہر میں اہل لشکر کی گنجایش نہ رہی اور شہر کے باہر ایک جدید عمارت بنائی گئی جسکا نام سوق الامیر رکھا گیا اور اُسکے بیٹے صمصام الدولہ نے اُس جدید عمارت کے گرد پختہ فصیل کھنچوائی +

شیراز کی آب و ہوا نہ زیادہ گرم ہے نہ زیادہ سرد بلکہ نہایت معتدل اور

[1] صفاریوں میں تین بادشاہ ہوئے چالیس برس اُن کی سلطنت رہی ۱۲

[2] دیلمیوں میں اٹھارہ بادشاہ ہوئے جن کی حکومت ۱۲۴ برس رہی ۱۲

خوشگوار ہے شیخ سعدی اور خواجہ حافظ اور اور اکثر پرانے اور نئے شاعروں نے شیراز کی تعریف میں اشعار اور قصیدے لکھے ہیں از انجملہ خواجہ حافظ کا یہ شعر مشہور ہے -

بدہ ساقی مئے باقی کہ در جنت نخواہی یافت + کنارِ آبِ رکناباد و گلگشتِ مصلےٰ را

شیخ علی حزین نے بارہویں صدی ہجری میں جبکہ شیراز کی رونق بالکل جا چکی تھی اسکو دیکھا ہے وہ اپنے سوانح عمری میں اسکی بہت سی تعریف کی بعد لکھتا ہے کہ "شیراز کی آب و ہوا دماغ کے ساتھ نہایت مناسبت رکھتی ہے جسقدر چاہو کتاب کے مطالعہ اور فکر و غور مضامین میں مصروف رہو کبھی جی نہ اکتائیگا"

اسمیں شک نہیں کہ شہر کا قدرتی موقع اور آب و ہوا کی خوبی اور عمارات کی لطافت و خوش اسلوبی باشندوں کے خیالات اور قوی پر عجیب اثر رکھتی ہے یہی سبب ہے کہ شیراز کے اکثر مشائخ اور علما و شعرا پاکیزہ طبع اور لطیف و ظریف ہوئے ہیں شیخ نے بھی بوستان کے دیباچہ میں اہل شیراز کو اُن تمام اشخاص پر ترجیح دی ہے جنسے وہ حالتِ سفر میں ملا تھا شیراز سے جسقدر علما و مشائخ و شعرا و مصنفین ابتدا سے اخیر تک اُٹھے ہیں اور جن کا حال مسلمانوں کے تذکروں میں جا بجا مذکور ہے اُن کی تعداد سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس شہر کی خاک علم و ہنر کے ساتھ کسیقدر مناسبت رکھتی ہے اور شیخ کے کلام کی بے نظیر شہرت اور مقبولیت سے ثابت ہے کہ شیخ کا وجود بھی شیراز کے لئے کچھ کم باعثِ افتخار نہ تھا +

شیخ کا نام - نسب - ولادت اور بچپن

اُس کا نام **شرف الدّین** اور **مُصلح** لقب اور **سعدی** تخلّص ہے
سرگور اوسلی نے اُسکی ولادت ۵۸۹ھ ہجری مُطابق ۱۱۹۳ء میں لکھی ہے
مگر تحقیق یہ ہے[1] کہ وہ سال مذکور سے بہت برسوں پہلے اتابک مُظفّر الدّین
تُکلہ بن زنگی کے عہد حکومت میں پیدا ہوا ہے - شیخ کی ولادت کے کئی
برس بعد اتابک سعد زنگی اپنے بھائی تُکلہ[2] بن زنگی کی جگہ تختِ شیراز پر مُتمکن
ہوا تھا - چونکہ شیخ نے سعد زنگی کے عہد میں شعر کہنا شروع کیا تھا - اور نیز شیخ کا
باپ عبد اللہ شیرازی سعد کے ہاں کسی خدمت پر مامور تھا اِسلئے اُس نے اپنا
تخلّص سعدی قرار دیا - شیخ کا باپ جیسا کہ اُسکے کلام سے معلوم ہوتا ہے ایک
باخدا اور متورّع آدمی تھا - شیخ کے بچپن کا حال اِس سے زیادہ معلوم نہیں کہ
نماز و روزہ کے مسائل اُسکو بہت تھوڑی عمر میں یاد کرائے گئے تھے اور

۱؎ اُسکی ولادت کا سال کسی نے نہیں لکھا صرف سالِ وفات سب نے لکھا ہے یعنی ۶۹۱ھ ہجری اور اُسکی عمر ۱۰۲ یا ۱۱۰ یا ۱۲۰ برس کی بتائی ہے پس کم سے کم عمر ماننے سے اُسکی ولادت ۵۸۹ھ ہجری میں قرار پاتی ہے لیکن اِس سے لازم آتا ہے کہ ابو الفرج ابن جوزی جو بغداد میں اُسکا جلیل القدر اُستاد تھا اُسکی وفات کے وقت جو کہ قطعاً ۵۹۷ ہجری میں ہوتی ہے شیخ کی عمر نو برس سے زیادہ نہو اور یہ بالکل خلاف واقع ہے اسی لئے اُسکی عمر ۱۰۲ برس سے زیادہ تسلیم کرنی چاہئے ۱۲

۲؎ بوستان میں تُکلہ کو شاہانِ پیشیں میں لکھا ہے حالانکہ سعدی اُسکے وقت میں پیدا ہو لیا تھا اِسکا سبب یہ ہے کہ بوستان تُکلہ سے چوتھے بادشاہ یعنی ابوبکر کے عہد میں لکھی گئی ہے پس شاہانِ پیشیں سے وُہ بادشاہ مُراد ہیں جو ابوبکر سے پہلے تھے نہ وُہ جو سعدی سے پہلے تھے ۱۲

بچپن ہی میں اُسکو عبادت شب بیداری اور تلاوتِ قرآنِ مجید کا کمال شوق تھا۔ عید اور تہواروں میں ہمیشہ باپ کے ہمراہ رہتا تھا اور کہیں آوارہ پھرنے نہ پاتا تھا۔ باپ اُسکے افعال و اقوال کی نگرانی عام باپوں کی نسبت بہت زیادہ کرتا تھا اور بے موقع بولنے پر زجر و توبیخ کرتا تھا۔ شیخ نے اپنی تربیت کا بڑا سبب اِسی باپ کی تادیب اور زجر و توبیخ کو قرار دیا ہے چنانچہ وہ بوستان میں کہتا ہے۔

ندانی کہ سعدی مکاں از چہ یافت　　　　نہ ہاموں نوشت و نہ دریا شگافت
بخُردی بخورد از بزرگاں قفا　　　　خُدا دادش اندر بزرگی صفا

لیکن شیخ کے بعض اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ باپ اُسکو کمسن چھوڑکر مرگیا تھا باپ کی وفات کے بعد غالباً شیخ کی والدہ نے اُسکو تربیت کیا ہوگا کیونکہ اُسکو کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جوانی کی حالت میں اُس کی ماں زندہ تھی۔ کئی تذکروں میں یہ لکھا ہے کہ علامہ قطب الدین شیرازی جو کہ محقق طوسی کا شاگرد رشید۔ اور ہولاکو خان کا مصاحب خاص تھا شیخ کا ماموں یا قریب کا رشتہ دار تھا مگر بعض تذکروں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اور علامہ کی باہم ایسی بے تکلفانہ ہنسی اور چہل ہوتی تھی جو ماموں بھانجوں میں نا زیبا معلوم ہوتی ہے۔ بہرحال شیخ اور علامہ دونوں ہمعصر تھے اور شاید کچھ قرابت بھی رکھتے ہوں +

شیخ کی تعلیم کا حال

اگرچہ شیخ کا باپ ایک درویش مزاج آدمی تھا اور بچپن میں شیخ کو نسبتہ

علم حاصل کرنے کے زہد وعبادت اور صلاح وتقوی کی زیادہ ترغیب دی گئی تھی۔ اسکے سوا شیخ ابھی جوان نہ ہونے پایا تھا کہ باپ کا انتقال ہوگیا۔ مگر اُس نے ہوش سنبھالتے ہی شیراز اور اُسکے قرب وجوار میں عُلما اور مشائخ اور فُصحا و بُلغا کی ایک جماعت کثیر اپنی آنکھ سے دیکھی تھی اور اُنسے بھی زیادہ ایک جمِ غفیر کا شہرہ جو خطۂ فارس میں اہلِ کمال ہوگزرے تھے بزرگوں سے سُنا تھا۔ قاعدہ ہے کہ بزرگوں اور کاملوں کے دیکھنے یا اُن کی شہرت اور ذکرِ خیر سُننے سے ہونہار لڑکوں کے دل میں خودبخود اُنکی ریس اور پیروی کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے تحصیلِ علم کا شوق اُسکو دامنگیر ہوا۔ اگرچہ دارالعلم شیراز میں تحصیلِ علم کا سامان مہیا تھا۔ عُلمائے جلیل القدر درس وتدریس میں مشغول تھے۔ مدرسۂ عضدیہ جو کہ عضدالدولہ دیلمی نے قائم کیا تھا اور اُسکے سوا اور مدرسے وہاں موجود تھے۔ لیکن اُسوقت وہاں ایسی ابتری اور خرابی پھیلی ہوئی تھی کہ اہلِ شیراز کو ایک دم اطمینان نصیب نہ تھا۔ اگرچہ اتابک سعد بن زنگی نہایت عادل۔ رحمدل بامُروت اور فیاض بادشاہ تھا مگر اُس کی طبیعت میں اولوالعزمی حد سے زیادہ تھی۔ اکثر شیراز کو خالی چھوڑ کر عراق کے حدود میں لشکرکشی کرتا رہتا تھا اور اپنی مُہمات کے شوق میں ممالکِ محروسہ کو بالکل فراموش کردیتا تھا۔ اُسکی غیبت کے زمانہ میں اکثر مفسد لوگ میدان خالی پاکر اطراف وجوانب سے شیراز پر چڑھ آتے تھے اور قتل وغارت کرکے چلے جاتے تھے۔ چنانچہ ساتویں صدی کے آغاز میں اوّل اتابک اوزبک پہلوان نے اور پھر چند روز

بعد سلطان غیاث الدین نے بہت سے لشکر کے ساتھ آکر شیراز کو ایسا تاخت و تاراج کیا کہ اُسکی تباہی اور بربادی میں کوئی دقیقہ باقی نہ رہا ۔ ایسی حالت میں تحصیل علم کی فرصت شیخ کو وطن میں ملنی دشوار بلکہ ناممکن تھی ۔ اِسکے علاوہ امن کے زمانہ میں بھی وطن کے مکروہات اور موانع ہمیشہ تحصیلِ علم میں رخنہ انداز ہوتے ہیں ۔ یہ اسباب تھے جنہوں نے شیخ کو ترکِ وطن پر مجبور کیا ۔ چنانچہ ذیل کے اشعار میں اُنہی شیراز سے تنگ آکر بغداد جانے کا ذکر کیا ہے ۔

دلم از صحبتِ شیراز بکلّی بگرفت — وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم
سعدیا حُبِّ وطن گرچہ حدیثیست صحیح — نتواں مُرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ ۔ میرا دل شیراز کی صحبت سے تنگ آگیا ۔ اب وُہ وقت ہے کہ مجھسے بغداد کا حال پوچھو ۔ اے سعدی وطن کی محبّت اگرچہ صحیح بات ہے ۔ مگر اِس ضرورت سے کہ میں یہاں پیدا ہوا ہوں سختی میں مرا نہیں جاتا ۔

اُس زمانہ میں مسلمانوں کے بیشمار مدرسے بلادِ اسلام میں جابجا کھلے ہوئے تھے جہاں دُور دُور سے طالبعلم آکر علم تحصیل کرتے تھے ۔ ہرات ۔ نیشاپور ۔ اصفہان ۔ بصرہ اور بغداد میں خواجہ نظام الملک طوسی وزیر الپ ارسلان کے بنائے ہوئے مدرسے آباد اور معمور تھے ۔ اُنکے سوا شام[1] ۔ عراق اور مصر وغیرہ

[1] انہیں میں مدرسہ ناصریہ ملک الناصر صلاح الدین کا بنایا ہوا قبرس میں اور مدرسہ رواحیہ رواحہ کے پوتے زکی ابو القاسم ہبۃ اللہ کا ۔ اور نیز مدرسہ ستّ الشام خاتون بنت ایوب خواہر صلاح الدین کا اور دار الحدیث ملک عادل بن ایوب کا دمشق میں اور مستنصریہ خلیفہ مستنصر باللہ کا بغداد میں ۔

جگہ جگہ مدرسے جاری تھے لیکن سب سے زیادہ شہرت نظامیہ بغداد نے حاصل کی تھی جسکو خواجہ نظام الملک طوسی نے ۴۵۹ھ ہجری میں بنوایا تھا ہزاروں جلیل القدر عالم اور حکیم اس مدرسہ سے تعلیم پاکر نکلے ہیں جنکی تصنیفات اب تک مسلمانوں میں موجود ہیں۔ یہ مدرسہ اسقدر نامور تھا کہ جو علما یہاں کے پڑھے ہوئے مشہور ہو جاتے تھے پھر اُن کے مستند اور ذی اعتبار ہونے میں کسیکو شبہہ نہ رہتا تھا۔ امام ابو حامد غزالی۔ شیخ عراق عبد القاہر سہروردی استاذ الائمہ ابو حامد عماد الدین موصلی اور اور بڑے بڑے جلیل القدر عالموں نے اسی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی۔ شیخ کو اس مدرسہ میں آنے کی ترغیب اس سبب سے اور بھی زیادہ ہوئی ہوگی کہ اُسکا ہموطن شیخ ابو اسحاق شیرازی جسکا علم و فضل شہرۂ آفاق تھا مدّت تک اس مدرسہ کا متولّی رہا تھا جس وقت نظام الملک نے بغداد میں یہ مدرسہ قائم کیا تھا تو سب سے اوّل یہاں کا متولّی شیخ ابو اسحاق کو مقرر کیا تھا۔ اور اس سبب سے اہل شیراز کو اس مدرسہ سے ایک خاص نسبت اور لگاؤ تھا +

الغرض شیخ نے مدرسۂ نظامیہ میں جاکر تحصیل علم شروع کی۔ اور جیسا کہ بوستان میں اُسنے تصریح کی ہے وہاں سے اُسکے لئے کچھ وظیفہ بھی مقرر

ھ اور صاحبیّہ وزیر صفی الدّین کا قاہرہ میں اور نوریّہ نور الدین ارسلان شاہ صاحب موصل کا موصل میں بہت مشہور تھے۔ انکے سوا جیسا کہ تاریخ ابن خلکان سے معلوم ہوتا ہے اور بہت سے مدرسے جیسا مدرسۂ ثقفیہ۔ قاہریہ۔ عزیزیہ۔ عزّیّہ۔ زینبیہ نفیسیّہ۔ علائیّہ وغیرہ وغیرہ بیت المقدس موصل۔ بغداد۔ دمشق اور اسکندریہ وغیرہ میں موجود تھے +

ہو گیا تھا۔ بغداد میں جن لوگوں سے شیخ نے پڑھا تھا اُن میں سب سے زیادہ مشہور اور نامور شخص علامہ ابو الفرج عبد الرحمن ابنِ جوزی ہے جسکا لقب جمال الدین ہے۔ یہ شخص حدیث اور تفسیر میں اپنے وقت کا امام تھا بے شمار کتابیں اس کی تصنیفات سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اُس نے مرتے وصیّت کی تھی کہ میں نے جن قلموں سے حدیث لکھی ہے اُنکا تراشہ میرے حُجرہ میں جمع ہے۔ مرنے کے بعد جب مجھکو نہلائیں تو غسل کے لئے اُس تراشہ سے پانی گرم کریں۔ چنانچہ اُسکی وصیت کے مُوافق عمل کیا گیا۔ اور پانی گرم ہو کر کچھ تراشہ بچ رہا +

جس زمانہ میں شیخ بغداد میں علامہ ابن جوزی سے پڑھتا تھا اُسوقت شیخ کی جوانی کا آغاز تھا۔ دولت شاہ سمرقندی اور سرگور اوسلی نے لکھا ہے کہ ابنِ جوزی سے تحصیل علم کرنے کے بعد شیخ نے حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ سے بیعت کی تھی اور اُن سے علم تصوّف اور طریق معرفت و سلوک حاصل کیا۔ اور پہلی مرتبہ اُنہیں کے ساتھ بیت اللہ کے حج کو گیا۔ مگر یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ شیخ عبد القادر جیلانی کی وفات ۵۶۱ھ ہجری میں یعنی شیخ سعدی کی ولادت سے بہت پہلے ہو چکی تھی۔ البتہ اسمیں شک نہیں کہ شیخ شہاب الدین سُہروردی سے اُسکو صُحبت رہی ہے۔ اور اکثار سفرِ دریا میں وُہ اُن کے ساتھ رہا ہے +

شیخ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ طالب علمی کے زمانہ میں اُسکے ہم عمر اور ہمسر لوگ اُسکی خوش بیانی اور حُسنِ تقریر پر رشک کرتے تھے۔

چنانچہ ایکبار اُسنے اُستاد سے شکایت کی کہ فلان طالب علم مجھکو رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے جب میں آپس ہیں بیٹھکر مسائل علمیہ بیان کرتا ہوں تو وہ حسد سے جل جاتا ہے اُستاد یہ سُنکر شیخ پر غصّے ہوا اور یہہ کہا کہ اور ونکی رشک وحسد کی تو شکایت کرتے ہو اور اپنی بدگوئی اور غیبت کو بُرا نہیں سمجھتے۔ تم دونوں اپنی عاقبت خراب کرتے ہو وُہ رشک وحسد سے اور تم بدگوئی وغیبت سے۔

شیخ کو بچپن ہی جیساکہ اوپر ذکر کیا گیا ہے فقر اور درویشی کی طرف زیادہ میلان تھا۔ طالب علمی کے زمانہ میں بھی وہ برابر وجد وسماع کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ اور علاّمہ ابو الفرج ابنِ جوزی ہمیشہ اُسکو سماع سے منع کرتا تھا مگر شیخ کو سماع کا ایسا چسکا تھا کہ اِس باب میں کسیکی نصیحت کارگر ہوتی تھی لیکن عُلما کی سوسائٹی آہستہ آہستہ اُسکے دل میں گھر کرتی جاتی تھی۔ آخر ایک روز کسی مجلس میں اُسکو ایک بدآواز قوّال سے پالا پڑا اور بضرورت ساری رات اُس مکروہ صحبت میں بسر ہوئی۔ صحبت کے ختم ہونے پر آپ نے سر سے مُنڈاسا اُتارا اور جیب میں سے ایک دینار نکالا اور یہہ دونوں چیزیں قوّال کے نذر کیں۔ اصحاب مجلس کو اِس حرکت سے تعجّب ہوا۔ شیخ نے یاروں سے کہا کہ میں نے آج اِس شخص کی کرامت مشاہدہ کی ہے۔ میرا مُربی اُستاد ہمیشہ سماع سے منع کرتا تھا مگر مینے اُسکے حکم کی تعمیل نہ کی اور برابر سماع میں شریک ہوتا رہا۔ آج خوش قسمتی سے اِس مُبارک جلسے میں آنا ہوا اور اِس بزرگوار قوّال کے تصرف سے میں نے ہمیشہ کیلئے

سماع سے توبہ کی ٭

شیخ کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کی صحبت سے عالم طالبعلمی میں تصوف اور درویشی کے خیالات اُس کے دل سے اُتر گئے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ ایک شخص خانقاہ کو چھوڑکر مدرسہ میں چلا آیا میں نے پوچھا کہ عالم اور درویش میں کیا فرق دیکھا جو اُس طریقہ کو چھوڑ کر اِس کوچہ میں قدم رکھا۔ کہا درویش صرف اپنی جان بچانے میں کوشش کرتے ہیں اور علما یہ چاہتے ہیں کہ اپنے ساتھ ڈوبتوں کو بھی بچائیں ٭

شیخ نے شعر میں اکثر یہ بات جتائی ہے کہ اُسکو کسی سرزمین کے ساتھ عراق یا بغداد سے بڑھکر تعلق نہیں رہا۔ چنانچہ ایک جگہ کہتا ہے ٭

بعد از عراق جائے خوش نا یدم ہوائے ساقی بزن نوائے زاں پردۂ عراقی

جس زمانہ میں شیخ نظامیہ بغداد میں پڑھتا تھا اگرچہ اُسوقت حقیقت میں عباسیوں کی خلافت کا خاتمہ ہو چکا تھا مگر ظاہری شان وشوکت ہارون اور مامون کے عہد کو یاد دلاتی تھی۔ عباسیہ کا اخیر خلیفہ مستعصم باللہ سریر سلطنت پر متمکن تھا۔ اور اُسکے عہد میں گویا بغداد کی خلافت نے چند روز کے لئے سنبھالا لیا تھا۔ اطرافِ عالم کے اکابر واشراف اور ہر علم وفن کے ماہر اور ارباب حرفت وصنعت مدینۃ السلام بغداد میں جمع تھے عیش و عشرت کے سامان حد سے زیادہ ہر طرف مہیا نظر آتے تھے۔ خلیفہ کی عظمت اور رعب وداب سے بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہ لرزتے تھے۔ اور بڑے بڑے شہریار اور فرمانروا بارگاہِ خلافت میں شکل سے

باریاب ہوتے تھے۔ قصرِ خلافت کے آستانہ پر ایک پتھر بمنزلہ حجر الاسود کے پڑا ہوا تھا۔ جسکو امرا اور اعیانِ سلطنت قصرِ خلافت میں داخل ہوتے وقت بوسہ دیتے تھے تہواروں میں جس راہ سے خلیفہ کی سواری نکلتی تھی وہاں ایک مدت پہلے سے رستہ کے تمام منظر اور بالاخانے کرایہ والوں سے رُک جاتے تھے۔ الغرض عباسیہ کا یہ آخری جاہ و جلال شیخ نے اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ اور پھر اُسی آنکھ سے اُس دار الخلافہ کا بے چراغ ہونا جو چھ سو برس بوسہ گاہِ ملوک و سلاطین رہا تھا اور اُس خاندان کی بربادی جسکا سایۂ اقتدار یورپ۔ ایشیا اور افریقہ پر برابر پڑتا تھا اور خلیفہ اور اُسکی اولاد اور ہزارہا بنی عباس اور کئی لاکھ اہل لشکر اور اہل بغداد کا تاتاریوں کی تیغ بیدریغ سے قتل ہونا اور عرب کے سطوت اور اقتدار کا ہمیشہ کے لئے صفحۂ روزگار سے مٹ جانا مشاہدہ کیا تھا۔ شیخ نے وہ تمام اسباب بھی دیکھے تھے جو مستعصم کی تباہی اور عباسیہ کے زوال کا باعث ہوئے اور وہ ظلم و ستم بھی اُسکی آنکھوں کے روبرو گزرے تھے جو ہلاکو خان کے خونخوار لشکر نے بغداد میں برپا کئے۔ اِن حوادث و واقعات کا تماشا شیخ کے لئے ایک نہایت عمدہ سبق تھا جسنے اُسکے دل میں قوم کی دلسوزی بادشاہوں کی اصلاح۔ رعایا کی ہمدردی۔ اور ہر طبقہ کے لوگوں کی بھلائی کا خیال پیدا کر دیا تھا اور اِسی خیال کی بدولت اُس نے اپنی تمام عمر ابنائے جنس کی نصیحت اور خیر اندیشی میں صرف کی مستعصم باللہ کا نہایت دردناک مرثیہ شیخ نے اُسوقت لکھا ہے جب کوئی شخص اُس کا

رونے والا اور خود اسلام کے سوا کوئی اُسکا ماتمدار اور سوگوار دُنیا میں باقی نہ تھا۔ اِس مرثیہ کی چند ابیات اِس موقع پر نقل کرنی مناسب معلوم ہوتی ہیں ؛

ابیات

	(اشعار)		ترجمہ
۱	آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین بر زوالِ ملکِ مستعصم امیر المومنین	۱	آسمان کا فرض ہے کہ مستعصم کی تباہی پر زمین پر خون برسائے۔
۲	ای محمد گر قیامت می برآری سر ز خاک سر برآور وین قیامت در میانِ خلق بین	۲	ای محمد (صلعم) اگر آپ قیامت ہی کو مرقد سے باہر نکلیں گے تو ابھی نکل کر قیامت دُنیا میں دیکھ لیجئے۔
۳	نازنینانِ حرم را خونِ خلقِ نازنین ز آستان بگذشت و ما را خونِ دل از آستین	۳	محل کے ناز پروردوں کے حلق کا خون ڈیوڑھی سے بہ گیا اور ہمارے دل کا خون آستین سے ٹپک گیا
۴	زینهار از دورِ گیتی و انقلابِ روزگار در خیالِ کس نگشتی کانچنان گردد چنین	۴	زمانہ کی گردش اور دُنیا کے انقلاب سے پناہ مانگنی چاہیے یہ بات کسیکے خیال میں بھی نہ آتی تھی کہ یوں سے یوں ہو جائیگا۔
۵	دیده بر دار ای که دیدی شوکتِ بیت الحرام	۵	جنہوں نے اُس بیت الحرام کی شان

قیصران روم سر بر خاک خاقان بر زمین	شوکت دیکھی ہے جہاں روم کے قیصر اور چین کے خاقان خاک پر سر رکھتے اور زمین پر بیٹھتے تھے وہ ذرا آنکھ اوٹھا کر دیکھیں ۔
۶- خون فرزندان عم مصطفی شد ریخته هم بر آن خاکی که سلطانان نهادندی جبین	۶- کہ پیغمبر خدا کے بنی عم کا خون اس خاک پر بہ گیا جہاں سلاطین ماتھا رگڑتے تھے ۔
۷- بعد ازین آسایش از دنیا نباید چشم داشت قیر و انگشتری ماند چو برخیزد نگین	۷- آئندہ دنیا سے آرام کی توقع رکھنی نہیں چاہیے کیونکہ انگوٹھی پر سے جب نگین جاتا رہتا ہے تو نری کاونس رہجاتی ہے ۔
۸- دجله خونابست زین پس گر نهد سر در نشیب خاک نخلستان بطحا را کند با خون عجین	۸- دجلہ کا پانی نکتہ لہو ہو گیا ہے اگر اب جاری رہے گا تو نخلستان بطحا کی خاک کو خون سے رنگین کر دے گا ۔
۹- نوحه لایق نیست بر خاک شهیدان زانکه هست کمترین دولت مر ایشانرا بهشت برترین	۹- شہیدوں کی خاک پر نوحہ کی کیا ضرورت ہے کیونکہ انکے لیے ادنی نعمت فردوس برین ہے ۔

۱۰	لیکن از روی مسلمانی وراہِ مرحمت مہربان را دل بسوزد در فراقِ نازنین	۱۰-	ہاں مگر رحم اور اسلام کی ہمدردی کے سبب دوست کا دل دوست کی جدائی میں کڑھتا ہے۔
۱۱	باش تا فردا کہ بینی روز داد و رستخیز کز لحد با روی خون آلودہ خیزد قتین	۱۱-	کل تک صبر کرو قیامت کے دن دیکھ لینا کہ قبر سے اہلِ قبر لہو بھرا مونہ لیکر اٹھینگے۔
۱۲	تکیہ بر دنیا نباید کرد و دل بر وی نہاد کاسمان گاہی بمہرست ای برادر گہ بکین	۱۲-	یارو دنیا پر بھروسا کرنا اور اس سے دل لگانا نہیں چاہئے کیونکہ آسمان کبھی دوست ہی اور کبھی دشمن۔
۱۳	زور بازوی شجاعت بر نیاید با اجل چون قضا آید نماند قوتِ رای رزین	۱۳-	شجاعت کا زور موت پر غالب نہیں آسکتا اور جب قضا آتی ہے تو رائے صائب کی قوت جاتی رہتی ہے۔
۱۴	تیغ ہندی بر نیاید روز ہیجا از نیام شیر مردی را کہ باشد مرگ پنہان در کمین	۱۴-	جس بہادر کی گھات میں اجل ہوتی ہے اسکی اصیل تلوار لڑائی کے دن میان سے باہر نہیں نکلتی۔
۱۵	تجربت بیفائدہ ست آنرا کہ برگردید بخت حملہ آوردن چہ سود آنرا کہ برگردید زین	۱۵-	جب نصیبہ پلٹ گیا پھر اسکا امتحان کرنا بیفائدہ ہے اور جب زین الٹ گیا پھر حملہ کرنا فضول ہے۔

۱۶-	کرگسانند از پے مُردار دنیا جنگجو اے برادر گر خردمندی چو سیمرغ عزلت نشیں		۱۶- یارو مُردار دنیا کے لئے گدھ آپس میں لڑ رہے ہیں اگر تم عقلمند ہو تو سیمرغوں کی طرح الگ بیٹھو ۔

شیخ پر بعض امامیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ مستعصم باللہ جیسے نالائق اور ناشدنی خلیفہ کا مرثیہ لکھنا شیخ کی شان سے نہایت بعید تھا ۔ اگرچہ اس بات کا انکار نہیں ہو سکتا کہ مستعصم باللہ میں دانائی نیکی لیاقت اور انصاف بالکل نہ تھا ۔ تکبر اور غرور نے اُسکے دماغ کو مختل کر دیا تھا ۔ غفلت اور بے پروائی کی نوبت یہانتک پہونچی تھی کہ ایکبار اُسکے بیٹے ابوبکر نے اہل سنّت کی حمایت اور طرفداری میں کرخ کے بنی ہاشم پر نہایت سخت ظلم اور تعدّی کی جسکے بیان کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں مگر اُس نالائق خلیفہ نے اسکا کچھ تدارک نہ کیا لیکن اس سے شیخ کے مرثیہ لکھنے پر کچھ اعتراض نہیں ہو سکتا ۔ مستعصم باللہ کو کیا ہی نالائق اور قابل نفرین سمجھو مگر یہ ضرور ماننا پڑے گا کہ اُسکے بگڑنے سے نہ صرف بنی عباس کی حکومت دنیا سے اُٹھ گئی بلکہ مشرق سے مغرب تک جہاں جہاں عرب کے قدم جمے ہوئے تھے ایکبارگی اُن میں تزلزل آ گیا اور چند روز میں اُن کا اقتدار صفحۂ ہستی سے بکقلم محو ہو گیا ۔ پس جس شخص کے رگ و پے میں عرب کے خون کا ایک قطرہ بھی ملا ہوا تھا یا جس کے دل میں ایک ذرّہ برابر اسلام کی حمیت تھی اُسکے لیئے اس سے بڑھکر اور کیا مصیبت ہو سکتی تھی کہ رسول اللہ کے بنی عم کا خون تاتاری وحشیوں کے ہاتھ سے آب باران کی طرح بہایا گیا اور جس عمارت کی بُنیاد خلفائے راشدین کے

خنجر مند ہاتھوں نے ڈالی تھی وہ چشم زدن میں ایک خاک کا ڈھیر ہو گیا۔
شیخ نے حقیقت میں مستعصم باللہ کا مرثیہ نہیں لکھا بلکہ اسلام کا مرثیہ لکھا ہے۔
اور اگر اس موقع پر حسان بن ثابت موجود ہوتے تو اُن کو بھی ایسا ہی مرثیہ لکھنا
پڑتا مستعصم کے حال پر یہ شعر صادق آتا ہے۔

ہمارے بعد بہت روئے ہم کو اہل وفا
کہ اپنے مٹنے سے مہر و وفا کا نام مٹا

الغرض شیخ مدرسۂ نظامیہ سے نکلکر مدت دراز تک ایشیا اور افریقہ میں برابر سیر و سیاحت
کرتا رہا۔ جب کتاب کے مطالعہ سے اُس کا جی سیر ہو گیا تو نسخۂ کائنات کا مطالعہ
شروع کیا۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ اُسنے تیس برس کی عمر تک تحصیلِ
علم کی ہے اور تیس برس سیر و سفر میں اور تیس برس تصنیف و تالیف میں اور
تیس برس عزلت نشینی میں بسر کئے ہیں۔ اگرچہ تیس تیس برس کے چار مساوی
حصے مقرر کرنے تکلف سے خالی نہیں۔ اور غالباً یہ مضمون منو شاستر سے
اخذ کیا گیا ہے جسمیں عمر کو ایسے ایسے تین یا چار حصوں پر تقسیم کرنے کا حکم دیا گیا ہے
مگر اس میں شک نہیں کہ شیخ کی عمر کا بڑا حصہ تحصیلِ علم اور سیر و سفر میں بسر ہوا۔
نفحات الانس میں لکھا ہے کہ "شیخ عالم صوفیوں میں سے تھا اور علوم و آداب
سے بہرۂ کامل رکھتا تھا"۔ اگرچہ اُسکی شہرت طبقۂ علما میں اسقدر نہیں ہوئی
جسقدر زمرۂ شعرا میں ہوئی مگر اُسکے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک محقق
اور سلجھا ہوا عالم تھا۔ بعض موقعوں پر فقہا اور قضاۃ کے مجمعوں میں اُسکو
بحث و مناظرہ کا اتفاق ہوا ہے اور اخیر کو اُسکی رائے سب پر غالب رہی

ہے۔ ایکبار غالباً شام یا عراق کے کسی شہر میں جہاں اُسکے جان پہچان کم تھے کسی تقریب سے قاضی شہر کی مجلس میں اُسکا گزر ہوا۔ اُسوقت شیخ نہایت شکستہ حال تھا اور مجلس میں تمام علما و فقہا بکمال تزک و احتشام سے بیٹھے تھے۔ شیخ سادگی سے سب کے برابر جا بیٹھا۔ خدام نے جھڑک کر وہاں سے اُٹھا دیا اور مشکل سے پائینِ مجلس جگہ ملی۔ اُسوقت کسی مسئلہ میں گفتگو ہو رہی تھی اور کسی سے وہ عقدہ حل نہوتا تھا۔ شیخ نے دُور ہی سے بآوازِ بلند کہا کہ اگر مجھکو اجازت ہو تو اِس باب میں مَیں بھی کچھ کہوں۔ سب شیخ کیطرف متوجہ ہو گئے اور ایک کم حیثیت آدمی کی ایسی جرأت پر سب کو تعجب ہوا۔ شیخ نے اس مسئلہ کو بہت خوبی اور فصاحت سے بیان کیا۔ چاروں طرف سے تحسین و آفرین ہونے لگی۔ قاضی نے مسند چھوڑ دی اور عمامہ سر سے اوتار کر شیخ کے سامنے رکھدیا۔ شیخ نے کہا یہ غرور کا اوزار مجھے نہیں چاہئے۔ جب لوگ مجھکو حقیر اور ذلیل معلوم ہونگے تو پھٹے پُرانے کپڑے والوں سے میں بھی تُمھاری طرح ناک چڑھاؤنگا۔ اسی طرح اور بہت سے طعن اور ملامت کے الفاظ کہکر وہاں سے چل دیا۔ شیخ نے یہ اپنی سرگزشت بوستاں میں اس طرح بیان کی ہے کہ گویا کسی غیر شخص کی سرگزشت ہے مگر اخیر کے شعر سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے خاص اپنی رُوداد لکھی ہے ۞

شیخ کی تحصیل اور مبلغ علم کا حال دریافت ہونا مشکل ہے مگر ظاہرا یہہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے فلسفہ اور حکمت کی طرف بہت کم توجہ کی تھی۔ زیادہ تر اُسکی ہمت دینیات اور علم سلوک و علمِ ادب کی جانب مصروف

رہی اور خاصکر وعظ اور خطابت میں جسکی تعلیم مدرسہ نظامیہ میں باقاعدہ طور سے ہوتی تھی اُسکو عُمدہ دستگاہ تھی۔ طالب علمی ہی کے زمانہ میں جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے اُسکے ہم جماعت لوگ اُسکی خوش بیانی پر رشک کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بلادِ شام میں اُسنے مُدّتوں وعظ کہا ہے۔ وُہ لکھتا ہے کہ میں ایکدفعہ جامع بعلبک میں وعظ کہہ رہا تھا اور اہلِ مجلس نہایت افسردہ دل تھے جنکو کچھ اثر نہوتا تھا۔ میں اِس آیت کے معنی بیان کر رہا تھا کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ کہ ایک راہرو وہاں سے گزرا۔ اُسنے میرا بیان سُنکر ایسا پرجُوش نعرہ مارا کہ اَور لوگ بھی اُسکے ساتھ جیت گئے اور تمام مجلس گرم ہوگئی۔

شیخ کو علاوہ علم و فضل کے اکثر زبانوں سے واقفیت تھی۔ عرب، شام اور مصر وغیرہ میں رہتے رہتے وہاں کی زبان گویا اُسکی مادری زبان ہوگئی تھی۔ وعظ اور بحث و مُباحثہ اور تمام معاملات عربی زبان میں کرتا تھا۔ اور صرف روزمرّہ کی بول چال ہی پر قُدرت نہ تھی بلکہ عربی قصائد فصیح اور با مزہ اُسکے کُلّیات میں موجود ہیں۔ اسکے سوا بتخانہ سومنات کے قِصّہ میں اُس نے ایک جگہ ظاہر کیا ہے کہ وہ ژندکی زبان جانتا تھا۔ مسر گور اوسلی لکھتے ہیں کہ ایشیاٹک جنرل کے ایک پرچہ مطبوعہ ۱۸۴۳ء میں فرانس کے مشہور مُحقق ام گارسن ڈی ٹیسی نے لکھا ہے کہ "سعدی پہلا شخص ہے جسنے ہندوستانی زبان یعنی ریختہ میں جبکہ وُہ سومنات اور گُجرات میں آیا تھا شعر کہا ہے"۔ مگر یہ ایک مُغالطہ ہے جو نہ صرف مُحقّق مذکور کو بلکہ اُس سے پہلے ہندوستان کے

تذکرہ نویسوں کو بھی ہوا ہے۔ اصل یہ ہے کہ دکھن میں بھی ایک شاعر سعدی تخلص اُس زمانہ میں ہوا ہے جبکہ ریختہ کی بُنیاد پڑنی شروع ہوئی تھی۔ یہ خیال کیا گیا ہے کہ اسکی وفات کو تقریباً چارسو برس گزرے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ریختہ میں سب سے پہلے اُسنے شعر کہا ہے اور یہ تین شعر اُس کے مشہور ہیں؛

اشعار

قسمہ چو دیدم برز خش گفتم کہ یہ کیا دیت ہے | گفتا کہ ڈراسے باوری اس ملک کی یہ ریت ہے
ہمنا تمھن کو دل دیا۔ تم دل لیا اور دکھ دیا | ہم یہ کیا تم وہ کیا ایسی بھلی یہ پیت ہے
سعدی بگفتا ریختہ در ریختہ دُر ریختہ | شیر و شکر آمیختہ ہم ریختہ ہم گیت ہے

مرزا رفیع سودا نے اپنے تذکرہ میں ان اشعار کو شیخ سعدی شیرازی کے نام پر لکھا ہے مگر حکیم قدرت اللہ خاں قاسم نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ اس شخص کو سعدی شیرازی سمجھنا جیسا کہ بعض تذکرہ نویسوں نے دکھایا ہے محض غلط ہے؛

سرگور اوسلی نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ کی ایک نظم دیکھی گئی ہے جسمیں اُسنے اٹھارہ مختلف زبانیں اُن ملکوں کی لکھی ہیں جہاں جہاں وہ سیاحی کو گیا ہے،، اس بیان میں ظاہرا کچھ مبالغہ نہیں معلوم ہوتا کیونکہ ایک مدت دراز تک وہ ایشیا اور افریقہ کے مختلف ملکوں میں سفر کرتا رہا ہے اور اکثر جگہ اُسنے بہت بہت دیر تک قیام کیا ہے؛ شام۔ عراق۔ فلسطین۔ مصر۔ یمن اور ہندوستان میں مدت دراز تک مقام کرنا خود اُسکے کلام سے ثابت ہوتا ہے پس ضرور ہے کہ وہ ان ملکوں کی زبان سے کافی واقفیت رکھتا ہو

اسکے سوا انشے اور بہت سے ملکوں کی سیر کی ہی جنمیں سے اکثر کا ذکر گلستان اور بوستان میں کیا ہی۔

شیخ کی سیاحت کا حال

سرگور اوسلی لکھتے ہیں کہ مشرقی سیّاحوں میں ابن بطوطا کے سوا شیخ سعدی سے بڑھکر اور کوئی سیّاح ہمنے نہیں سُنا۔ اُسنے ایشیاے کوچک۔ بربر۔ حبش مصر۔ شام۔ فلسطین۔ آرمینیا۔ عرب جُملہ ممالک ایران۔ اکثر ممالک تورَان ہندوستان۔ رودبار۔ دَیلم۔ کاشغر۔ اور جیحُون سے آگے تک اور بصرہ و بغداد سے سٹھنین والؔ[۱] تک کی سیر کی تھی،، صاحب موصُوف یہ بھی لکھتے ہیں کہ شیخ کو چار دفعہ ہندوستان میں آنے کا اتّفاق ہوا ہے۔ ازانجملہ ایک دفعہ پٹھان اغلمش کے وقت میں اور دو دفعہ خاص امیر خسرو سے ملنے کو دہلی میں آیا ہے،، ہمارے نزدیک یہ مضمون محض بے سروپا ہے۔ اغلمش کوئی بادشاہ ہندوستان میں نہیں ہوا۔ شاید سلطان التمش کے دھوکے میں اغلمش لکھا گیا۔ بے شک شیخ نے اغلمش کا ذکر گلستان میں ایک جگہ کیا ہے جہاں یہ لکھا ہے کہ "سرہنگ زادۂ بر در سراے اغلمش دیدم،، مگر ہندوستان میں کوئی اغلمش یا میراے اغلمش نہیں سُنی گئی۔ سعدی اور امیر خسرو کی ملاقات بھی ثابت نہیں ہوتی۔ اگرچہ اکثر تذکرہ نویسوں کو یہ شبہہ ہوا ہے۔ شیخ آذری نے بھی اپنی کتاب جواہر الاسرار میں لکھا ہے کہ شیخ امیر کے

[۱] سٹھنین وال سے مُراد شاید سٹیکندری ہے کیونکہ شیخ نے ایک جگہ اپنے دیوان میں تصریح کی ہے کہ میں سدِ سکندری تک گیا ہوں ۱۲ +

دیکھنے کو شیراز سے ہندوستان میں آیا ہے ۔ مگر اسکا کچھ ثبوت نہیں ہے بلکہ شیخ اور امیر خسرو کے عصر کا مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ شیخ کا امیر کے ملنے کے لئے آنا خلافِ قیاس ہے ۔ خسرو کی ولادت ۶۵۱ھ ہجری میں ہوئی ہے جبکہ شیخ کی عمر ستر برس سے زیادہ ہو چکی تھی ۔ اب اگر امیر خسرو کی شہرت بفرضِ محال پچیس برس ہی کی عمر میں ایران تک پہنچ گئی تھی تو اسوقت شیخ کی عمر تقریباً سو برس کی ہونی چاہئے ۔ پس یہ کیونکر خیال میں آتا ہے کہ ایک سو برس کا شیخ جو شاعری میں یگانۂ وقت اور مقبولِ خاص و عام ہو ایک پچیس برس کے لڑکے کی شہرت سُنکر ایران سے ہندوستان میں آئے ۔ البتہ معتبر حوالوں سے اِسقدر ثابت ہوتا ہے کہ سلطان غیاث الدین بلبن کے بیٹے قاآن محمّد سلطان ناظمِ ملتان نے جسکو خانِ شہید کہتے ہیں شیخ سے دو بار درخواست کی کہ آپ شیراز سے یہاں آئیے ۔ اور چونکہ امیر خسرو اسوقت محمد سلطان کے مصاحبوں میں تھے اِسلئے اُنکا کلام بھی شیخ کے ملاحظہ کے لئے بھیجا ۔ شیخ اُسوقت بہت مُعمّر ہو گیا تھا اس سبب سے خود نہ آسکا ۔ لیکن دونو دفعہ اپنے دو دیوان اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے خانِ شہید کو بھیجے اور امیر خسرو کی نسبت یہ لکھا کہ اس جوہرِ قابل کی تربیت اور قدر افزائی کرنی چاہئے ✦

شیخ کا ہندوستان میں چار دفعہ آنا بھی ثابت نہیں ہے ۔ صرف بوستان سے اِتنا معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے سومنات سے نکلکر ایکبار مغربی ہندوستان کا دورہ کیا ہے اور وہاں سے بحرِ ہند اور بحرِ عرب کی راہ یمن اور حجاز میں پہنچا ہے ✦

شیخ کے سفر جسقدر گلستان اور بوستان سے ثابت ہوتے ہیں اُنکی تفصیل یہ ہے کہ مشرق میں خراسان ترکستان اور تاتار تک گیا ہے اور بلخ و کاشغر وغیرہ میں مقیم رہا ہے - جنوب میں سومنات تک آیا اور ایک مُدّت تک یہاں ٹھیرا اور سومنات سے مغربی ہندوستان میں پھر کر دریا کی راہ سے عرب کو چلا گیا - شمال اور مغرب کی طرف عراقِ عجم - آذربیجان - عراقِ عرب - شام - فلسطین - اور ایشیائے کوچک میں بارہا اُس کا گذر ہوا ہے - اصفہان - تبریز - بصرہ - کوفہ - واسط - بیت المقدس - طرابلس الشرق - دمشق - دیار بکر - اور اقصائے روم کے شہروں اور قریوں میں مُدّت دراز تک اُسکی آمد و رفت رہی ہے + مغرب کی جانب عرب اور افریقہ میں اُسکا بار بار جانا اور وہاں ٹھیرنا معلوم ہوتا ہے - ہندوستان سے مُراجعت کے وقت یمن میں جانا - صنعا میں ایک مُدّت تک قیام کرنا - حجاز میں پہنچنا - اسکندریہ مصر اور حبش کے واقعات اُسکے کلام میں مذکور ہیں +

شیخ نے دریا میں بھی بارہا سفر کیا ہے - خلیج فارس - بحرِ عمان - بحرِ ہند - بحرِ عرب - بحرِ قلزم اور بحرِ روم میں اُسکے متعدد سفر ثابت ہوتے ہیں - چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ وہ یوروپ کے اکثر ملکوں میں پھرا ہے لیکن شیخ کے کلام سے کہیں یہ بات ثابت نہیں ہوتی - اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ شیخ نے چودہ حج پیادہ پا کئے ہیں اور خود شیخ کے کلام سے بھی ایسا ہی ثابت ہوتا ہے وہ ایک سفر کا حال بوستان میں اسطرح لکھتا ہے کہ بیابانِ فید میں ایک رات نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں چلتے چلتے سرِ راہ پڑ کر

سو رہا پیچھے سے ایک شتر سوار آیا اور اُسنے اونٹ کی نکیل میرے سر پر مار کر
کہا کہ کیا تو نے مرنے کا ارادہ کیا ہے جو جرس کی آواز سنکر بھی نہیں اُٹھتا۔
بیابانِ فید جسکا اِس حکایت میں ذکر ہے ایک صحراے لق و دق چھ سو میل
لمبا اور چار سو میل چوڑا ہے۔ جو حجّاج کوفہ سے مکّہ کو جاتے ہیں اُنکے رستہ کے
بیچوں بیچ فید ایک بستی ہے جسکے نام سے یہ صحرا مشہور ہے۔ فید کوفہ سے تقریباً
تین سو پچیس میل ہے اور اسیقدر مسافت پر وہاں سے مکّہ معظّمہ ہے۔ اِس
صحرا میں پانی نہایت کمیاب ہے اور آبادی کہیں نظر نہیں آتی ایسی راہ
سے پیادہ پا حج کو جانا ظاہر کرتا ہے کہ شیخ نے کیسی کیسی صعوبتیں سفر میں
اُٹھائی ہیں ؂

کریم خان زند نے اپنے عہدِ حکومت میں شیراز کے قریب ایک احاطہ بنوایا
ہے جو ہفتن کے نام سے مشہور ہے اُسمیں سات مجہول الاسم درویشوں کی
قبریں بنی ہوئی ہیں اور احاطہ کے دروازہ پر شیخ سعدی اور خواجہ حافظ کی
شبیہیں نصف قد کی لگی ہوئی ہیں۔ کپتان کلارک نے جو بوستان کا ترجمہ
انگریزی میں چھاپا ہے اُسمیں شیخ کی اُس تصویر کا[1] فوٹوگراف بھی چھاپا ہے
شیخ کی شبیہ میں ایک کشکول اُسکے ہاتھ میں اور ایک تبر اُسکے کندھے پر ہے
جو کہ اُس ملک کے سفر کرنے والوں کی خاص علامت ہے۔

شیخ کے کلام سے بھی جابجا یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ بے سر و سامان
اور متوکّل درویشوں کی طرح سفر کرتا رہا ہے۔ اور بعض موقعوں پر اُسکو

---

[1] بنی صاحب ایک سیاح نے اپنے ایران کے سفرنامہ میں اس تصویر کا حال مفصل لکھا ہے۔

حالتِ سفر میں نہایت سخت تکلیفیں اور ایذائیں پہنچی ہیں +

ساتویں صدی ہجری اور بارہویں صدی عیسوی کے وسط میں جبکہ صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ فلسطین میں ختم ہوا تھا اور مسلمان اور عیسائیوں کے باہم سخت خصومت اور عداوت ہو رہی تھی شیخ پر ایک سخت واقعہ گزرا ہے جسکا ذکر گلستان کے دوسرے باب میں کیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایکبار اہلِ دمشق سے ناراض ہوکر اُسنے بیابانِ قدس یعنی فلسطین کے جنگلوں میں رہنا اختیار کیا تھا اور آدمیوں سے مِلنا جُلنا چھوڑ دیا تھا۔ آخر وہاں کے عیسائیوں نے اُسکو پکڑ کر قید کر لیا۔ اُسوقت طرابلس الشرق یعنی مشرقی ٹریپولی میں شہر کے استحکام اور حفاظت کے لئے خندق تیار ہو رہی تھی اور یہودی امیروں سے (جنکو یوروپ کے عیسائی بلگیریا اور ہنگری وغیرہ سے گرفتار کر کے ساتھ لائے تھے) مزدوری کا کام لیا جاتا تھا۔ شیخ کو بھی یہودیوں کے ساتھ خندق کے کام پر لگا دیا۔ مدّت کے بعد حلب کا ایک معزز آدمی جو شیخ کا واقف کار تھا اُس طرف سے گزرا اور شیخ کو پہچان کر اُس سے پوچھا کہ یہ کیا حالت ہے شیخ نے کچھ درد انگیز اشعار پڑھے اور یہ کہا کہ خدا کی قدرت ہے! جو شخص یگانوں سے کوسوں بھاگتا تھا وہ آج بیگانوں کے پنجہ میں گرفتار ہے۔ رئیسِ حلب کو اُسکے حال پر رحم آیا اور دس دینار دیکر شیخ کو قیدِ فرنگ سے چھوڑا دیا اور اپنے ساتھ حلب میں لے گیا۔ اُسکی ایک بیٹی نا کتخدا تھی۔ شیخ کا نکاح سو دینار مہر مقرر کر کے اُسکے ساتھ کر دیا۔ چند مدّت وہاں گزری۔ مگر بیوی کی بدمزاجی اور زبان درازی سے شیخ کا دم

ناک میں آگیا۔ ایکبار اُسنے شیخ کو یہ طعنہ دیا کہ کیا آپ وہی نہیں جکو میرے باپ نے دس دینار دیکر خرید اہے؟ شیخ نے کہا ہاں بیشک میں وہی ہوں دس دینار دیکر مجھے خریدا اور سو دینار پر آپکے ہاتھ بیچا ۔

نفحات الانس میں لکھا ہے کہ شیخ نے بہت مدت تک بیت المقدس اور شام کے شہروں میں سقائی کی ہے۔ غالباً یہ وہی زمانہ ہے جسکا ذکر اس حکایت میں کیا گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اُسپر ایسی ایسی تکلیفیں اور سختیاں اکثر گذری ہیں۔ وہ گلستاں میں ایک جگہ لکھتا ہے کہ میں نے کبھی زمانہ کی سختی اور آسمان کی گردش کا شکوہ نہیں کیا۔ مگر ایک موقع پر دامنِ استقلال ہاتھ سے چھوٹ گیا کہ نہ میرے پانوں میں جوتی تھی اور نہ جوتی خریدنے کا مقدور تھا۔ اسی حالت میں غمگین اور تنگدل کوفہ کی جامع مسجد میں پہنچا۔ وہاں ایک شخص کو دیکھا جسکے پاؤں ہی سرے سے نہ تھے۔ اُسوقت میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے ننگے پاؤں غنیمت سمجھے ۔

عالمِ غربت میں کبھی کبھی عُسرت اور تنگی کا ہونا ایک لازمی امر تھا مگر شیخ ایسے موقعوں پر خودداری کو ہاتھ سے نہ دیتا تھا۔ ایکسال اسکندریہ میں جبکہ شیخ وہاں موجود تھا نہایت سخت قحط پڑا اور درویشوں پر بہت سختی گذرنے لگی۔ اُس زمانہ میں وہاں ایک ہیجڑا نہایت دولتمند تھا۔ غریبوں اور پردیسیوں کو اُسکے ہاں سے کھانا یا نقدی ملتی تھی۔ کچھ درویش جو غالباً شیخ کے رُفقا میں سے تھے شیخ کے پاس آئے اور اُس ہیجڑے کے ہاں دعوت میں چلنے کی تحریک کی۔ شیخ نے اُنکے ساتھ دعوت میں چلنے سے

اِنکار کیا اور یہ کہا کہ شیر بھوک کے مارے مر بھی جائے تو بھی کُتّے کا جھوٹا نہیں کھاتا ۔

شیخ کے وقائع سفر میں جو کہ اُسنے گُلستاں اور بوستان میں بیان کیے ہیں سب سے زیادہ عجیب سومنات کا واقعہ ہے جو بوستان کے آٹھویں باب میں مذکور ہے یعنی شیخ لکھتے ہیں کہ جب میں سومنات میں پہنچا اور ہزاروں آدمیوں کو دیکھا کہ ایک بُت کی پرستش کے لئے دُور دور سے وہاں آتے ہیں اور اُس سے مُرادیں مانگتے ہیں تو مجھکو تعجّب ہوا کہ جاندار ایک بیجان چیز کی کس لئے پرستش کرتے ہیں ۔ اِس بات کی تحقیق کے لئے میں نے ایک برہمن سے ملاقات پیدا کی ۔ ایکروز اُس سے پوچھا کہ یہ لوگ اِس بیجس مُورت پر کیوں اسقدر فریفتہ ہیں اور اُس کے سامنے مُورت کی سخت مذمت اور حقارت کی ۔ برہمن نے مندر کے پوجاریوں کو خبر کر دی ۔ سب نے مجھکو آکر گھیر لیا ۔ میں نے مصلحۃً اُنکے سرگروہ سے کہا کہ مینے کوئی بات بداعتقادی سے نہیں کہی ۔ میں خود اِس مُورت پر فریفتہ ہُوں لیکن چونکہ میں نووارد ہُوں اور اسرار نہانی سے واقف نہیں ہُوں اِسلئے اِسکی حقیقت دریافت کرنا چاہتا ہُوں تاکہ سمجھ بُوجھکر اِسکی پُوجا کروں ۔ اُسنے یہ بات پسند کی اور کہا کہ آج رات کو تُو مندر میں رَہ ۔ تجھکو اصل حقیقت معلوم ہو جائیگی ۔ میں رات بھر وہاں رہا ۔ صبح کے قریب تمام بستی کے مرد و عورت وہاں جمع ہو گئے اور اُس مُورت نے اپنا ہاتھ اُٹھایا جیسے کوئی دعا مانگتا ہے یہ دیکھتے ہی سب جے جے پُکارنے لگے ۔ جب

جب وُہ لوگ چلے گئے تو برہمن نے ہنسکر مجھ سے کہا کیوں اب تو کچھ شبہہ باقی نہیں رہا؟ مَیں ظاہرداری سے رونے لگا اور اپنے سوال پر شرمندگی اور انفعال ظاہر کیا۔ سب برہمنوں نے مجھ پر مہربانی کی اور میرا ہاتھ پکڑکر اُس مُورت کے سامنے لے گئے۔ میں نے مُورت کے ہاتھ پر بوسہ دیا اور بظاہر چند روز کیلئے برہمن بنگیا۔ جب مندر میں میرا اعتبار بڑھگیا تو ایکروزرات کو جب سب چلے گئے مَیں نے مندر کا دروازہ تو بند کردیا اور مُورت کے تخت پاس جاکر غور سے اِدھر اُدھر دیکھنا شروع کیا۔ وہاں مجھے ایک پردہ نظر آیا جسکے پیچھے ایک پوجاری چھپا ہوا بیٹھا تھا اور اُس کے ہاتھ میں ایک ڈور تھی۔ معلوم ہوا کہ جب اُس ڈور کو کھینچتا ہے فوراً اُس مُورت کا ہاتھ اُٹھ جاتا ہے اسیکو عام لوگ اُس مُورت کا کرشمہ سمجھتے ہیں۔ اُس پوجاری نے جب دیکھا کہ راز فاش ہوگیا وُہ کھسیانا سا ہوکر وہاں سے بھاگا۔ میں بھی اُسکے پیچھے دَوڑا اور اِس خوف سے کہ کہیں مجھکو پکڑوا کر مروا نہ ڈالے اُس کو پکڑکر ایک کنُوے میں گرا دیا۔ اسکے بعد میں فوراً وہاں سے بھاگ نکلا اور ہندوستان میں ہوتا ہوا یمن کے رستے حجاز میں پہنچا۔

اِس حکایت پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ ایک ایسے بڑے مندر میں جہاں ہزاروں پوجاری اور سیکڑوں بھجن گانے والے مرد اور عورت اور سیکڑوں جاتری شب و روز موجود رہتے تھے وہاں ایک مشتبہ آدمی کو ایسا موقع کیونکر ملا کہ تمام مندر میں اُس کے سوا کوئی متنفّس باقی نہ رہا۔ اِسکے سوا ایسے سنّاٹے کے وقت جبکہ مندر میں کوئی متنفّس موجود

نہ تھا پر وہ کسے پیچھے ایک پُوجاری کا ڈورتھام کر بیٹھنا کس غرض سے تھا اور کیوں تھا ۔

اس اعتراض کے جواب میں صرف یہ کہا جاسکتا ہے کہ شاید اصل واقعہ یعنی سومنات میں جانا اور مندر میں ہندو بنکر رہنا اور ایک شخص کو اپنی جان کے خوف سے کنوئیں میں دھکیل کر بھاگ جانا صحیح ہو مگر اس صورت میں یہ ضرور ماننا پڑیگا کہ اس واقعہ کے تمام جزئیات کی تصویر شیخ سے پوری پوری نہیں کھنچ سکی ۔ اصل یہ ہے کہ جب کوئی واقعہ نظم میں بیان کیا جاتا ہے تو شاعر کو اکثر وزن و قافیہ کی ضرورت سے کہیں کہیں اصل مدعا میں ضرور کمی بیشی کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات وہ شاعرانہ خیالات کی رَو میں بہکر اصل واقعہ سے دُور پڑجاتا ہے پس اگر اس واقعہ سے کسی کی غرض متعلق نہیں ہوتی تو کسیکو اُسکی طرف التفات نہیں ہوتا ۔ ورنہ اہلِ غرض کو اُسپر اعتراض کرنے کا موقع ملتا ہے ۔ مثلاً شیخ نے بوستان کے اسی باب میں ایک بادشاہزادہ کی حکایت صرف گیارہ بیت کی لکھی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ گھوڑے سے گرکر اُسکی گردن کو ایسا صدمہ پہنچا تھا کہ وہ ہر پھیر نہ سکتی تھی مگر ایک حکیم کے علاج سے اچھی ہوگئی ۔ کسیقدر صحت کے بعد جب طبیب ملنے کو آیا تو اُس کی طرف کچھ التفات نہ کیا ۔ طبیب وہاں سے دل میں ناخوش ہوکر اُٹھ کھڑا ہوا ۔ دُوسرے روز ایک دوا بھیجی کہ اِسکی دھونی سے بالکل آرام ہوجائیگا ۔ اُس سے بادشاہ کو ایک چھینک آئی اور اُسکی گردن جیسی چوٹ لگنے پر ہوگئی تھی ویسی ہی پھر

ہوگئی - اسی حکایت کو شیخ نے ایک اور ۴۳ بیت کی مثنوی میں جو بحر ہزج میں ہے بیان کیا ہے اور یہ اسکی کلیات میں موجود ہے - ان دونوں مثنویوں میں قصہ کے جزئیات مختلف ہیں - مختصر حکایت میں سرزمین یونان کا حکیم اور طولانی حکایت میں صرف حکیم لکھا ہے - ایک جگہ لکھا ہے کہ ایک بوٹی بھیجی تھی - اور دوسری جگہ ایک تخم بھیجا تھا - ایک جگہ بادشاہ کا قصہ لکھا ہے - اور دوسری جگہ ایک نبرد آزما کا - ایک جگہ لکھا ہے کہ اُسی دوا کی دھونی سے چھینک آئی دوسری جگہ چھینک وغیرہ کا کچھ ذکر نہیں ؁

اس سے صاف ظاہر ہے کہ نظم میں بشرطیکہ ناظم کو حسن بیان اور زینت الفاظ کا پورا پورا خیال ہو قصہ کے جزئیات کا اپنی اصلی حالت پر باقی رہنا نہایت دشوار ہے - پس بہ نسبت اسکے کہ شیخ پر غلط بیانی کا الزام لگایا جائے یہ بہتر ہے کہ اُس کے بیان کو اِس مقام پر ادائے مطلب میں قاصر سمجھا جائے ؁

شیخ کا سفر کے بعد وطن میں آنا

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ شیخ نے سعد زنگی کے ابتدائے حکومت میں تحصیل علم کے لئے ترک وطن اختیار کیا تھا - سعد زنگی چھٹی صدی کے آخر میں تخت نشین ہوا اور ۶۲۳ھ ہجری میں وفات پائی - غالباً شیخ شیراز سے نکلکر سعد زنگی کے زمانہ میں وطن نہیں آیا - کیونکہ اُس نے شیراز سے چلتے وقت وہاں کی حالت نہایت ابتر و خراب دیکھی تھی -

اتابک اوزبک پہلوان اور سلطان غیاث الدین کے حملے اور شہر کا تاخت و
تاراج ہونا اپنی آنکھ سے دیکھ گیا تھا۔ مگر جب سعد زنگی کا بیٹا قتلغ خان ابوبکر
اپنے باپ کی جگہ تخت سلطنت پر متمکن ہوا تو اُسنے فارس کو جو دو سو برس سے
مورد آفات و حوادث تھا چند روز میں سرسبز و شاداب کردیا۔ اگرچہ مؤرخین
نے اِسکی تعریف میں بہت مبالغے کئے ہیں مگر اس میں شک نہیں کہ اُسنے
اپنی خوبیوں کے سبب بے انتہا شہرت اور نیکنامی حاصل کی تھی۔ اطراف و جوانب
سے مشائخ و زہاد اُسکی شہرت سُنکر آتے اور اُنکی کمال تعظیم و احترام کیا جاتا تھا۔ شیراز
کی خانقاہیں۔ عبادتخانے۔ مدرسے۔ اور مسجدیں جو ویران ہوگئی تھیں اُسکے
عہد میں آباد کی گئیں۔ اور ایسی عمارتوں کی امداد کے لئے گانو اور جاگیریں وقف
کیں۔ ایک شفاخانہ شیراز میں بنوایا اور بڑے بڑے حاذق طبیب اُس پر مامور
کئے۔ اپنی دانشمندی اور حُسنِ تدبیر سے مُلک فارس کو ہمیشہ مغولِ تاتار کے
سیلاب بلا سے جسکی کہیں پناہ نہ تھی محفوظ رکھا۔ اور ۶۲۳ء سے ۶۵۸ء
تک سلطنت کی۔ مُدت تک اُسکے عہد میں بھی شیخ نے شیراز کا رُخ نہیں
کیا اور اطراف و جوانب میں سیر و سیاحت کرتا رہا۔ مگر جب ابوبکر کا شہرہ دور
و نزدیک برابر سُننے میں آیا اور وطن کا اشتیاق بھی حد سے زیادہ گزر گیا
اور وطن میں قرار واقعی امن و امان قایم ہوگیا تب شام سے عراق عجم
ہوتا ہوا اور اصفہان میں ٹھیرتا ہوا جیسا کہ بوستان کی ایک حکایت سے
مفہوم ہوتا ہے شیراز میں پہنچا۔ شیخ کے کلیات میں ایک قطعہ ملا ہے
جس سے ثابت ہی کہ اُسنے ایک مُدت دراز کے بعد ابوبکر سعد کے عہد

میں شیراز کی طرف معاودت کی تھی۔ وُہ قطعہ بجنسہٖ یہاں نقل کیا جاتا ہے +

قطعہ

۱- ندانی کہ من در اقالیم غُربت
چرا روزگارے بکردم درنگی

(ترجمہ) ۱- تجھکو معلوم نہیں ؟ کہ میں نے پردیس میں ایک مُدّت تک کیوں توقّف کیا +

۲- بروں رفتم از تنگ ترکاں کہ دیدم
جہاں درہم افتادہ چوں موئے زنگی

۲- میں تُرکوں کی چپقلش سے نِکل بھاگا کیونکہ مُلک حبشی کے بالوں کی طرح ژُولیدہ ہو رہا تھا +

۳- ہمہ آدمی زاد بودند لیکن
چو گرگاں بخونخوارگی تیز چنگی

۳- سب آدمی کے بچّے تھے لیکن خونخواری میں بھیڑیوں کی طرح تیز ناخن رکھتے تھے +

۴- دروں مردمی چوں ملک نیک محضر
بروں لشکرے چوں ہزبراں جنگی

۴- شہر کے اندر فرشتہ خصلت لوگ تھے اور باہر لشکر کے لوگ جنگی شیروں کے موافق تھے +

۵- چو باز آمدم کشور آسودہ دیدم
پلنگاں رہا کردہ خوئے پلنگی

۵- جب میں پلٹ کر آیا تو مُلک کو آسودہ پایا کہ درندوں نے درندگی کی خصلت چھوڑ دی تھی +

۶- چناں بود در عہدِ اوّل کہ دیدم
جہاں پُر ز آشوب و تشویش و تنگی

۶- اگلے زمانہ میں جبکہ مُلک کو آشفتہ اور پریشان اور تنگ دیکھا تھا مُلک کا

۷۔	چنیں شد در ایامِ سلطان عادل اتابک ابوبکر بن سعدِ زنگی	۷۔	وُہ حال تھا + اور اب بادشاہ عادل ابوبکر بن سعد زنگی کے عہد میں یہہ حال ہو گیا ہے +

شیراز میں پہنچکر ظاہراً شیخ نے جامۂ علم و فضیلت اُتار کر بالائے طاق رکھدیا تھا کیونکہ اتابک ابوبکر میں باوجود اُن تمام خوبیوں کے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ ایک نہایت سخت عیب بھی تھا - وُہ ہمیشہ علما و فضلا سے بدگمان رہتا تھا اور جاہل فقیروں اور درویشوں کو بہت کچھ دیتا اور اُن کے ساتھ کمال ارادت و عقیدت ظاہر کرتا تھا - اِسی بدگمانی کے سبب سے چند جلیل القدر ائمہ و علما کو اُسنے جبراً شیراز سے نکلوا دیا تھا - از انجملہ امام صدرالدین محمود واعظ اور امام شہاب الدین تو رپشتی اور مولانا عزالدین ابراہیم قیسی کو کہ اقسامِ علوم میں یگانۂ روزگار تھے بہت زجر و تہدید کے ساتھ شیراز سے نکلوا دیا - قاضی عزالدین علوی جو کہ سندی سید اور دارالملک کا قاضی القضاۃ تھا اُسکا تمام مال و اسباب ضبط کرلیا - صاحب سعید عمید الدین اسعد کو جو کہ بےمثل ادیب تھا اور سعد زنگی کا نہایت عالی مرتبہ وزیر تھا ماخوذ کیا اور مع اُسکے بیٹے تاج الدین محمد کے ایک قلعہ میں قید کردیا یہاں تک کہ وُہ قید ہی میں مر گیا +

اِسی سبب سے اہلِ علم اپنا کمال علمی ظاہر کرنے سے ڈرتے تھے اور اکثر جہلا مشائخ کے لباس میں جلوہ گر ہوتے تھے - تاریخ وصاف میں لکھا ہے کہ

ایک جاہل آدمی مشیخت مآب بنکر ابوبکر کے دربار میں آیا۔ اتابک نے اُس کی بہت تعظیم و تکریم کی اور جب نمازِ مغرب کا وقت آیا تو اُسی کو امام بنایا۔ شاہ صاحب نے قراءت غلط پڑھی مگر جسقدر اُنہوں نے قراءت میں غلطیاں کیں اُسی قدر اتابک کو اُن کے ساتھ زیادہ عقیدت ہوئی اور بہت کچھ دیکر اُنہیں رُخصت کیا +

پس شیخ کے لئے علما کے لباس میں رہنا زیادہ خطرناک تھا کیونکہ بہت سی صفات اُس میں ایسی جمع تھیں جن کے سبب سے اُسکا مرجعِ خلائق بننا ایک ضروری امر تھا۔ مثلاً علم و فضل۔ شاعری۔ لطیفہ گوئی و بذلہ سنجی فقر و درویشی وغیرہ وغیرہ اور اہلِ علم کے مرجعِ خلائق بننے سے ابوبکر ہمیشہ خائف رہتا تھا۔ اسکے علاوہ بادشاہوں اور عاملوں کے چال چلن پر خوردہ گیری کرنی۔ ریاکار فقیروں اور جاہل درویشوں کی قلعی کھولنے اور اسی طرح کے اور بہت سی مفید خیالات اپنی نظم و نثر میں ظاہر کرنے شیخ کا اصلی مقصد تھا اور اس غرض کی لئے علما اور واعظین کے لباس میں رہنا ہرگز مناسب نہ تھا ظاہرا وہ اسی سبب سے جیساکہ گلستان کے دیباچہ میں مذکور ہے ابوبکر کے دربار میں بہت کم جاتا تھا۔ زیادہ تر سعد بن ابی بکر کو جسکا نہایت دردناک مرثیہ شیخ کے کلیات میں موجود ہے اُس سے ارادت اور عقیدت تھی اور اُسی کے نام پر گلستان لکھی گئی ہے +

خودمختار سلطنتوں میں کوئی شئے راستے کی آزادی اور خاصکر بادشاہوں کے چال چلن پر آزادانہ رائے دینے سے زیادہ خطرناک نہیں ہوتی۔ مگر شیخ نے

جسکے وقت میں ہر بادشاہ حاکم علی الاطلاق تھا اِس فرض کو پورا پورا ادا کیا۔ سلاطینِ عہد کے اخلاقی عیب اور اُن کی بدخصلتیں جسطرح اُسنے بیان کی ہیں آزاد سلطنتوں میں بھی اُس سے زیادہ لکھنی مشکل ہیں مگر اُسنے ایسے لطیف پیرایوں میں اُنپر چوٹیں کی ہیں کہ کسیکو اُسپر گرفت کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اکثر سلاطینِ سلف کی حکایتوں کے ضمن میں موجودہ بادشاہوں کے چال چلن پر اُسنے تعریضیں کی ہیں۔ کہیں مدحیہ قصائد میں اوّل مدح و ستائش کی تھوڑی سی چاٹ دیکر نصیحت و پند کا دفتر کھولا ہے اور اُن کو ظلم اور تعدی کے بُرے نتائج سے متنبہ کیا ہے اور طرح طرح سے رعیت کے حقوق جتائے ہیں اور اُن کی بے اعتدالیاں ظاہر کی ہیں۔ اتابک ابوبکر جو عُلما کا مخالف اور مشائخ و زہاد کا حد سے زیادہ معتقد تھا اُسکی تنبیہ کے واسطے گلستان اور بوستان میں اُسنے بہت سی حکایتیں لکھی ہیں۔ مثلاً گلستان کی ایک حکایت میں کسی درویش کا حال لکھا ہے جو کہ جنگل میں رہتا تھا اور درختوں کے پتے کھاتا تھا۔ ایک بادشاہ اُسکی زیارت کو گیا اور اُس کو شہر میں لے آیا اور ایک عمدہ بُستاں سرا میں اوتارا۔ چند روز جو اچھے اچھے کھانے کھانے کو اور نفیس کپڑے پہننے کو اور خوبصورت لونڈیاں خدمت کرنے کو ملیں اور ہر طرح کا آرام اور آسایش پائی شاہ صاحب نے خوب رنگ و روغن نکالا۔ ہیئت اور صورت بالکل بدل گئی۔ ایکدن بادشاہ قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا اور کہا جسقدر کہ مجھکو عُلما اور زہاد سے محبت ہے ایسی اور کسی گروہ سے نہیں فیلسوف وزیر نے عرض کیا حضور با شرط دوستی یہ ہے کہ دونو کے

ساتھ بھلائی کیجائے اور اسلئے عُلما کو روپیہ دینا چاہئے تاکہ اطمینان سے درس اور تصنیف میں مصروف رہیں اور زاہدوں کو کچھ نہ دینا چاہئے تاکہ وہ اپنے زُہد پر قایم رہیں ‎•

ایک اَور اس سے زیادہ لطیف اور چُبھتی ہوئی حکایت اُسی باب میں لکھی ہے جو بالکل اتابک ابوبکر کی حالت کے مناسب ہے یعنی "ایک بادشاہ کو سخت مہم پیش آئی اُسنے منت مانی کہ اگر اس میں کامیابی ہوگی تو اِسقدر روپیہ زاہدوں کی نذر کروں گا جب اُسکی مُراد پوری ہوگئی تو اپنے عہد کے مُوافق روپیوں کی تھیلی غلام کو دی کہ زاہدوں کو جاکر دے آئے غلام بہت ہوشیار اور زیرک تھا۔ سارے دِن اِدھر اُدھر پھرا اور شام کو تھیلی ہاتھ میں لئے جیسا گیا تھا ویسا ہی چلا آیا اور عرض کیا حضور! ہرچند ڈھونڈا مگر کوئی زاہد نہیں مِلا۔ بادشاہ نے کہا تو کیا بکتا ہے! میرے نزدیک اس شہر میں چار سو زاہد سے کم نہونگے کہا حضور! جو زاہد ہیں وُہ تو لیتے نہیں اور جو لیتے ہیں وہ زاہد نہیں۔ بادشاہ یہ بات سُنکر ہنس پڑا اور فرمایا جتنی کہ مجھکو درویشوں اور خداپرستوں سے عقیدت ہے اُسی قدر اِس مردود کو اُن سے عداوت ہے مگر کہتا سب سچ ہے" اِسی طرح کی اَور بہت سی حکایتیں گلستان اور بوستان میں موجود ہیں۔ گلستان کی ایک حکایت میں جو کہ جدالِ سعدی کے نام سے مشہور ہے اُس نے نہایت خوبصورتی سے سلاطین عہد اور مشائخ روزگار کے عیب اور بُرائیاں بیان کی ہیں۔ اِس حکایت میں اُسنے اپنا اور ایک درویش کا غالباً فرضی مناظرہ

لکھا ہے جسمیں مخالف کو درویشوں کا اور اپنے کو امیروں اور بادشاہوں کا طرفدار اور مدّاح قرار دیا ہے مخالف بار بار درویشوں کی تعریف اور دولتمندوں کی مذمت کرتا ہے اور شیخ ہر دفعہ اُسکی تردید میں درویشوں کے عیب اور امیروں کی خوبیاں کرتا ہے مگر جیسی مضبوط دلیلیں اپنے دعوی پر قایم کرتا ہے ویسی ہی مضبوط دلیلیں خصم کی طرف سے لکھتا ہے - اور اِس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک فرضی مناظرہ ہے جو محض درویشوں اور توانگروں کی تنبیہ اور اصلاح کے لئے لکھا گیا ہے +

بادشاہوں کے جور و ظلم اور بیباکی و سفّاکی دیکھتے دیکھتے شیخ کے دل میں فی الواقع بنی نوع کی خیرخواہی کا سچّا جوش پیدا ہو گیا تھا جسکو کوئی خوف اور اندیشہ روک نہ سکتا تھا - ایکبار جبکہ وہ حج کرکے تبریز میں پہنچا اور وہاں کے علما اور صلحا سے ملاقات کی اُسنے یہ ارادہ کیا کہ خواجہ شمس الدین جوینی صاحب دیوان اور اُس کا چھوٹا بھائی خواجہ علاء الدین جوینی جو کہ سلطان اباقا خان[1] کے معتمد وزیر تھے اور شیخ کے ساتھ خاص ارادت رکھتے تھے اُن سے بھی ملاقات کرے - ایک روز اُن سے ملنے کا ارادہ کرکے چلا - راہ میں دیکھا کہ اباقا خان کی سواری آتی ہے اور اُس کے دونوں وزیر اُس کے ہمراہ سوار ہیں - شیخ نے چاہا کہ وہاں سے کترا کر نکل جائے - مگر دونوں بھائیوں نے اُسکو پہچان لیا اور

[1] ہلاکو خاں کا بیٹا جو اُسکے بعد بادشاہ ہوا +

فوراً گھوڑوں سے اُتر کر شیخ کی طرف آئے اور نہایت تعظیم اور ادب سے شیخ کو سلام کیا اور اُسکے ہاتھ اور پاؤں پر بوسے دیے بادشاہ نے جو یہہ حال دیکھا حاضرین سے کہنے لگا کہ شمس الدین نے کبھی ہماری تعظیم بھی اِس راہرو آدمی کے برابر نہیں کی یہ کون شخص ہے؟ جب دونوں بھائی شیخ سے ملکر واپس آئے تو اباقا خان نے خواجہ شمس الدین سے پوچھا کہ یہ کون شخص تھا جسکی تمنے اِسقدر تعظیم کی صاحب دیوان نے عرض کیا حضور یہ ہمارا شیخ ہے حضور نے سنا ہوگا شیخ سعدی اسی کا نام ہے اور اس کا کلام ایک عالم میں مشہور و معروف ہے۔ اباقا خان نے کہا اس سے ہمکو بھی ملواؤ۔ چنانچہ دونوں بھائی ایکروز شیخ کی خدمت میں گئے اور اُس کو بادشاہ کے حضور میں لائے۔ کیقدر صحبت کے بعد جب شیخ چلنے لگا تو بادشاہ نے کہا کہ مجھکو کچھ نصیحت کرو۔ شیخ نے کہا دنیا سے آخرت میں کوئی چیز ساتھ نجائیگی مگر نیکی یا بدی۔ اب تمکو اختیار ہے جو منظور ہو سو لیجاؤ۔ اباقا خان نے کہا اِس مضمون کو نظم کر دو تو بہتر ہو۔ شیخ نے اُسی وقت یہ قطعہ نظم کر کے پڑھا + قطعہ

شہے کہ پاس رعیت نگاہ میدارد — حلال باد خراجش کہ مزد چوپانی ست
وگرنہ راعی خلق است۔ زہر مارش باد — کہ ہرچہ میخورد از جزیۂ مسلمانی ست

اباقا خان یہ قطعہ سُنکر آبدیدہ ہو گیا اور کئی بار شیخ سے پوچھا کہ میں راعی ہوں یا نہیں؟ شیخ ہر بار یہی جواب دیتا تھا کہ اگر آپ راعی ہیں تو پہلی بیت آپ کے مناسب حال ہے ورنہ دوسری بیت۔ اباقا خان شیخ کی

آزادانہ پند و موعظت سے نہایت خوش ہوا اور شیخ کو بہت عزت سے رخصت کیا +

علی بن احمد جامع کلیات شیخ اِس مقام پر لکھتا کہ ہمارے زمانہ کی مشائخ و علما ایسی بیباکانہ نصیحت ایک بقال یا قصاب کو بھی نہیں کر سکتے اور اسی لئے زمانہ کا جو حال ہے وہ سب پر روشن ہے"

مَیں کہتا ہوں کہ شیخ کے یہ کلمات اُسوقت اور بھی زیادہ قدر کے لائق ہو جاتے ہیں جب یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اباقاخان ہلاکو خان کا بیٹا اور چنگیز خاں کا پوتا تھا جو اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ اگرچہ اباقاخان کو مسلمانوں سے ویسی نفرت نہ تھی لیکن بھر حال وہ اسلام سے بیگانہ تھا اور ایک مسلمان یا شیخ واعظ کو اُسکے سامنے ایسی جرأت کرنی نہایت دشوار تھی ایسا کام اُسی شخص سے ہو سکتا ہے جسکو نہ جان کا خوف ہو نہ فائدہ کی امید جیسا کہ شیخ نے گلستاں میں خود لکھا ہے "نصیحتِ پادشاہاں گفتن کسے را مسلّم است کہ بیمِ سر ندارد و امیدِ زر"۔

سرداراں کیانو جو بعد زوال اتابکیہ کے ۶۶۰ ہجری میں سلطان اباقاخان کے حکم سے صوبۂ فارس کی امارت اور حکومت پر مقرر ہوا تھا۔ ایک مغل صاحبِ ہیبت و شان۔ نہایت رعب داب والا اور اپنے مذہب میں نہایت پختہ تھا۔ اور ہمیشہ علمائے اسلام سے مذہبی بحثیں کیا کرتا تھا۔ اور اُس کی ہیبت سے بڑے بڑے اہلِ منصب لرزتے تھے۔ غالباً اُسنے شیخ سے درخواست کی تھی جسکے موافق شیخ نے نثر میں ایک پندنامہ جو اُسکے کلیات میں موجود ہے

سروانلکو کے نام لکھکر بھیجا ہے۔ اس پندنامہ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ کے بادشاہ۔ حاکم اور عامل شیخ کے کلام کی نہایت تعظیم کرتے تھے اور اُس کی تلخ نصیحتوں کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتے تھے۔ سروار انکیانو کے شان میں شیخ نے قصائد بھی لکھے ہیں جو سراسر نصیحت و پند سے بھرے ہوئے ہیں یہاں تک کہ بعض قصائد دو تین مدحیہ اشعار کے سوا سراسر پند و موعظت ہی میں ختم کر دیئے ہیں ✽

شیخ کی عقیدت و ارادت ممالکِ ایران کے سوا شام وغیرہ میں بھی ایسی ہی تھی جیسی فارس اور عراق عجم میں۔ چنانچہ ایکدفعہ شیخ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت یحییٰؑ کی تُربت پر معتکف تھا۔ عرب کا ایک بادشاہ جو ظلم اور بے انصافی میں مشہور تھا مسجد میں آیا اور نماز و دُعا سے فارغ ہو کر شیخ کے پاس گیا اور کہا مجھکو ایک سخت دشمن سے حملہ کا اندیشہ ہے آپ میرے لئے دعا کریں۔ شیخ نے کہا کمزور رعیت پر رحم کر تا کہ زبردست دُشمن سے محفوظ رہے۔ جسنے بدی کا بیج بویا اور نیکی کی امید رکھی اُسنے ایک لغو خیال پکایا اور بیہودہ امید باندھی ہے ✽

اگرچہ سلطنتِ عہد کے اعیان و ارکان میں شیخ کے معتقد و ارادتمند بیشمار تھے لیکن خواجہ شمس الدین صاحبِ دیوان جسکے نام پر شیخ نے اپنے ایک مجموعۂ نظم کا نام صاحبیہ رکھا ہے اور اُس کا بھائی علاء الدین جسنے سب سے اول مغول تاتار کی فتوحات کے بیان میں **تاریخ جہان کشا** لکھی ہے شیخ کے ساتھ ایک خاص قسم کا خلوص اور محبت یا عقیدت رکھتے تھے۔

اِس مقام پر کچھ مختصر حال اِن دونوں بھائیوں کا لکھنا مُناسب معلُوم ہوتا ہے ۔

جُوَین جو کہ خُراسان میں ایک سرسبز اور معمور خطّہ تھا ۔ یہ دونو بھائی وہاں کے سندی سادات میں سے ہیں ۔ انہوں نے اپنے علم و فضل اور عقل و دانش کے ذریعہ سے خانانِ تاتار کے عہد حکومت میں اپنا مرتبہ وزارت تک پہنچایا تھا ۔ ہلاکو خان نے وزیر سیف الدین کی شہادت کے بعد اپنی وزارت بالاستقلال خواجہ شمس الدین جوینی کو عطا کی تھی اور اُسکے چھوٹے بھائی علاء الدین کو مُلکِ بغداد اور اُسکے مضافات پر حاکم مقرر کیا تھا ۔ ہلاکو خان کے بعد جب اباقا خاں باپ کا جانشین ہوا تو اُسنے پہلے سے بھی زیادہ شمس الدین کا مرتبہ بڑھا دیا ۔ اور سلطنت کی باگ بالکل اُسکے قبضہ میں دیدی ۔ اب اُسنے مُہماتِ سلطنت کے انصرام سپاہ و رعیت کی دلجوئی اور تمام مُلکی خرابیوں کی اصلاح میں حد سے زیادہ کوشش کی ۔ عراق ۔ خُراسان ۔ بغداد ۔ شام ۔ اور آرمینیہ کے بادشاہ اور حاکم سب اُسکے مطیع اور فرماں بردار تھے ۔ اُسکی فیاضی اور سخاوت کی دُھوم دور و نزدیک پہنچی تھی ۔ باوجودیکہ اُسکا حکم کنارۂ جیحون سے شام اور ایشیائے کوچک تک نافذ اور جاری تھا ۔ اِسپر وہ عُلما و فضلا کے ساتھ کمال تواضع اور انکسار سے پیش آتا تھا اور اُن کے ساتھ حد سے زیادہ سلوک کرتا تھا ۔ کبھی کسی پر اُسنے احسان نہیں جتایا ۔ ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں کی تعظیم اور مدارات اُن کے مرتبہ کے موافق کرتا تھا اور علاوہ کمالات علمی کے علم

ادب اور شعر میں بھی اُسکو ید طولی حاصل تھا - زیادہ تر اُسی کی بدولت تاتاریوں میں دینِ اسلام شائع ہوا اور اُسی کے فیضِ صحبت سے اباقا خان کے بھائی سلطان[له] احمد نے اپنے گھرانے میں سب سے اول اسلام قبول کیا آخر ارغون خان برادر سلطان احمد کے ہاتھ سے ۶۸۳ھ ہجری میں شہید کیا گیا۔ شہادت سے چند ساعت پہلے اُسنے تھوڑی سی مُہلت چاہی تھی اُس نازک وقت میں نہایت اطمینان کے ساتھ اپنے بیٹوں کے نام ایک وصیت نامہ تحریر کیا اور ایک خط فضلاے تبریز کو لکھا جو کہ تاریخ وصاف میں بجنسہ منقول ہے اور جس سے اُسکا کمال استقلال اور فراخ حوصلگی پائی جاتی ہے +

اُسکے چھوٹے بھائی علاء الدین جُوینی نے بغداد کی حکومت کے زمانہ میں اُس اُجڑے اور ویران شہر کو جو کہ ہلاکو خان کے ظلم و بیداد سے بالکل پامال ہوگیا تھا چند روز میں اپنے عدل اور شفقت اور دلجوئی رعایا سے از سرِ نو معمور کردیا نجفِ اشرف میں ایک نہر کُھدوائی جس میں ایک لاکھ دینار سے زیادہ صرف ہوا اور فرات کا پانی کوفہ کی مسجد میں سے گیا - تاریخ میں لکھا ہے کہ جو کام بڑے بڑے خلیفہ اور بادشاہوں سے نہو سکے تھے وہ اِس فیاض اور دانشمند وزیر کی کوشش سے ظہور میں آئے تاریخ جہانکشا

له سلطان احمد کا نام اسلام سے پہلے نکودار تھا تاتاریوں میں اِس سے پہلے صرف برکہ خان جوجی خان کا بیٹا اور چنگیز خان کا پوتا مسلمان ہوا تھا جسکے پاس خوارزم و دشتِ قپچاق اور روس وغیرہ کی حکومت تھی ۱۲

جو اُسنے تاتاریوں کی فتوحات کے بیان میں لکھی ہے وہ اُن تمام تاریخوں کا ماخذ ہے جو اس اب میں لکھی گئی ہیں *

الغرض یہ دونوں بھائی جو کہ دنیوی جاہ و اقتدار کے علاوہ کمالاتِ علمی میں بھی امتیاز رکھتے تھے اور نیک سیرتی اور حُسنِ اخلاق کے لحاظ سے بےمثل تھے شیخ سعدی کے ساتھ ان کو حد سے زیادہ خلوص اور اعتقاد تھا اور شیخ کو بھی جیسا کہ اُسکے قصائد و قطعات اور دیگر تحریرات سے ظاہر ہوتا ہے اِن دونوں سے انتہا کے درجہ کی محبت اور الفت تھی۔ ظاہرا جب سے شیخ نے سفر ترک کر کے شیراز میں اقامت اختیار کی تھی اُسکے تمام اخراجات اور اُسکی خانقاہ کے مصارف کے مُتکفل خواجہ شمس الدین اور خواجہ علاء الدین تھے۔ ایکبار خواجہ شمس الدین نے پانسو دینار بطور نذر کے اپنے غُلام کے ہاتھ دار السلطنت تبریز سے شیخ کی خدمت میں بھیجے۔ راہ میں غلام نے شیخ کے معمولی اغماض اور چشم پوشی کے بھروسے پر اُس میں سے ڈیڑھ سَو دینار نکال لئے اور ساڑھے تین سَو شیخ کے حوالہ کئے۔ شیخ نے دیکھا کہ صاحب دیوان کے خط میں پانسو لکھے ہیں اور غلام نے ساڑھے تین سَو دیئے ہیں۔ اُسکی رسید میں یہ قطعہ لکھ بھیجا * قطعہ

خواجہ تشریفم فرستادی و مال | مالت افزوں باد و خصمت پائمال
ہر بدینارت سلامت عُمر باد | تا بمانی سیصد و پنجاہ سال

ترجمہ۔ تمنے مجھکو عزت دی اور نقدی بھیجی۔ تمہاری دولت زیادہ او رتمہارے دشمن پائمال ہوں۔ تمہاری عمر فی دینار ایک برس کے حساب سے ہو جیو۔

تاکہ تم ساڑھے تین سو برس دنیا میں رہو ٭

صاحب دیوان نے یہ مضمون دریافت کرکے غلام کو بہت زجر و توبیخ کی اور رقم کمی بابت تدارک مافات کرکے شیخ سے معافی چاہی۔ اِس قسم کے مزاح آمیز اشعار اور بھی کئی موقعوں پر شیخ نے صاحب دیوان کو لکھے ہیں ایکبار اُسنے اپنی نظم و نثر کا مجموعہ خواجہ کو حسب الطلب بھیجا تھا۔ جب ایک مدت تک وہاں سے رسید نہ آئی تو اُس کے تقاضے کے لئے یہ قطعہ لکھ بھیجا۔ **قطعہ**

سفینۂ حکّیات و نظم و نثر لطیف — کہ بارگاہِ ملوک و صدور را شاید
بصدر صاحب صاحبقراں فرستادم — مگر بعین عنایت قبول فرماید
سفینہ رفتہ ندانم رسید یا نہ رسید — بداں دلیل کہ آئندہ دیر می آید

لہ یہ مذاق بخارائی جو ایک زبردست شاعر ہے اسکو بھی یہ اتفاق پیش آیا ہی۔ بادشاہ نے اسکو پانسو تومان انعام میں بھیجے تھے مگر اسکو دوسو پہنچے اُسنے یہ قطعہ بادشاہ کو لکھ بھیجا **قطعہ**

شاہِ دُشمن گداز دوست نواز۔ آں جہانگیر کو جہاں دار است ٭ بش یوز آلتون کرم نمودبن۔ لُطفِ سلطاں بہ بندہ بسیار است ٭ سیصد از جملہ غائب است و کنوں۔ دو براتم دو صد پدیدار است ٭ یا مگر من غلط شنودستم۔ یا کہ پروانچی طلبکار است ٭ یا مگر در عبارت ترکی۔ بش یوز آلتون دُو یُنت دینار است ٭

مگر اس قطعہ میں جیسا کہ ظاہر ہے شیخ کے قطعہ کی سی شوخی اور لطافت نہیں ہی۔ البش یوز آلتون کو بش یُز اَلْتُن پڑھنا چاہیئے۔ یہ ترکی الفاظ ہیں جنکا ترجمہ پانسو تومان ہے ٭

بہ پارسائے ازیں حال مشورت بردم | مگر ز خاطرِ من بند بستہ بکشاید
چہ گفت گفت ندانی کہ خواجہ دریا ست | نہ ہر سفینہ ز دریا درست باز آید

ایکبار خواجہ علاؤالدین نے جلال الدین ختنی کو جو کہ شیراز میں کسی جلیل القدر منصب پر مامور تھا تبریز سے یہ حکم بھیجا کہ اسقدر دینار شیخ کیخدمت میں بھیجدو مگر اُسوقت جلال الدین کا انتقال ہو چکا تھا اسلئے وہ رقم شیخ کے پاس نہ پہنچی - جب شیخ کو اس حال کی اطلاع ہوئی تو اُسنے ہنسی سے خواجہ علاء الدین کو یہ قطعہ لکھ بھیجا ۔ **قطعہ**

پیام صاحب دیوان علای دولت و دین | کہ دین بدولت ایام او ہمے نازد
رسید و پایۂ حرمت فزود سعدی را | بسے نماند کہ سر بر فلک بر افرازد
مثال داد کہ صدر ختن جلال الدین | قبول حضرت او را تعہدے سازد
جلال زندہ نخواہد شدن دریں دُنیا | کہ بندگان خداوندگار بنوازد
طمع بُریدم ازو در سرائے عقبیٰ نیز | کہ از مظالم مردم بمن نہ پردازد

ترجمہ - صاحب دیوان علاء الدین جسکے عہدِ دولت پر دین کو ناز ہے اُسکی تحریر پہنچی اور سعدی کو عزت بخشی - قریب تھا کہ اس کا سر آسمان تک پہنچ جائے - اُس میں حکم تھا کہ امیر جلال الدین اُسکی فرمان کی تعمیل کرے مگر اُسپر لشکرِ اجل کی چڑھائی ہو چکی تھی کہ سب پر ہوا کرتی ہے - اب جلال الدین دُنیا میں تو آنے والا ہی نہیں کہ خدا کے بندوں کی خبر لے - میں نے آخرت میں بھی اُس سے امید قطع کی کیونکہ وہاں لوگوں کے استغاثے اُسکو میری طرف کاہیکو متوجہ ہونے دینگے ۔

خواجہ علاء الدین نے فوراً اسکی تلافی کی اور عذر چاہا۔ شیخ کی خانقاہ جہاں اب اسکی قبر ہے یہ بھی صاحب دیوان کے روپیہ سے بنی تھی۔ اس کام کے لئے پچاس ہزار دینار اُسنے شیخ کو دئے تھے۔ شیخ نے ہرچند اُن کے لینے سے انکار کیا مگر صاحب دیوان نے بہزار منت و سماجت اُسکو راضی کیا اور شیخ کی زندگی ہی میں اُس رقم سے ایک عالیشان مدرسہ یا خانقاہ پہاڑ کے نیچے جو کہ گوشہ شمال و مغرب میں شہر سے ملا ہوا ہے بنوائی گئی اور شیخ آخر عمر تک وہیں عزلت نشین رہا۔

شیخ سے اکثر اہل علم حقائق و معارف کے دقائق و غوامض پوچھتے تھے اور وہ ہر ایک کا جواب تحریر یا تقریر میں دیتا تھا۔ ازانجملہ علی بن احمد نے ایک قطعہ مولانا سعد الدین کا جو کہ علم و فضل کے سوا شاعری میں بھی مشاق و ماہر تھا نقل کیا ہے جس مین یہ استفسار کیا گیا ہے کہ سالک کی رہنما عقل ہے یا عشق۔ چونکہ اِس قطعہ سے اُس زمانہ کے علما کی رائے شیخ کی نسبت اچھی طرح ظاہر ہوتی ہے اسلئے وہ قطعہ یہاں نقل کیا جاتا ہے

قطعہ

سالک راہِ خدا یا د شہِ مُلکِ سخن ۔۔۔ اے ز الفاظِ تو آفاق پُر از دُرِّ یتیم
اختر سعدی و عالم ز فروغ تو منیر ۔۔۔ و اضعِ عقلی و گیتی ز نظیرِ تو عقیم
پیشِ اشعارِ تو شعرِ دگراں را چہ محل ۔۔۔ سحر بے توقع نماید برِ اعجازِ کلیم
بندہ را از تو سوالے است کہ توجیہ سوال ۔۔۔ نکند مردم پاکیزہ بسیر جز بہ کریم
مرد را راہ بحق عقل نماید یا عشق ۔۔۔ ایں در بستہ تو بکشای کہ بابی ست عظیم

گرچہ ایں ہر دو بیک شخص نیابند فرود — در دماغ و دل بیدار تو ہستند مقیم
پایۂ منصب ہر یک ز کرم باز نمائے — تا ز الفاظ خوشت تازہ شود جان سقیم
باد آسودہ و فارغ ز بد و نیک جہاں — خاطر آئینہ کردار تو چوں نفس حکیم

شیخ نے اُسکے جواب میں ایک طول طویل بحث نثر میں لکھی ہے جو اُسکے کلیات میں موجود ہے +

معلوم ہوتا ہے کہ شیراز میں جو شخص حاکم ہوتا تھا وہ شیخ کا نہایت ادب اور تعظیم اور اطاعت کرتا تھا - سردار انکیانو کو وہ برابر قصائد اور پندنامہ وغیرہ میں اِس طرح خطاب کرتا ہے جیسے بڑے اور بزرگ چھوٹونکو کیا کرتے ہیں - اُسکے سوا ملک عادل شمس الدین کو جو کہ غالباً انکیانو کے بعد شیراز کا حاکم ہوا تھا وہ بھی حد سے زیادہ شیخ کی تعظیم اور عزت کرتا تھا - ایکبار ایسا ہوا کہ شیراز میں فوج کے سپاہیوں اور افسروں نے چوری سے سرکاری کھجوریں جو زمین کے محصول میں زمینداروں سے وصول کی تھیں بنیہی فروشوں کے ہاتھ جبراً کسی وعدہ پر مہنگے نرخ سے بیچنی شروع کیں اور بہت سے بوجھ شیخ کے بھائی کی دوکان پر بھی جو کہ خاص بادشاہی ڈیوڑھی کے پاس بقالی کی دوکان کرتا تھا بھجوائے - شیخ اُس زمانہ میں حضرت ابوعبداللہ ابن خفیف[۵۷] کی خانقاہ میں مجاور تھا - اُسکو بھی اِس واقعہ

[۵۷] یہ بزرگوار چوتھی صدی ہجری کے اکابرِ صوفیہ میں سے ہیں جنکی نسبت خواجہ عبداللہ انصاری نے لکھا ہے کہ حقائق و معارف میں کسی کی تصنیفات ابن خفیف کی برابر نہیں ہیں +

کی خبر پہنچی - اُسنے ملک شمس الدین کو جو کہ اس حال سے بیخبر تھا ایک قطعہ لکھ بھیجا جسمیں اہلِ فوج کی شکایت اور اپنے بھائی کی دوکانداری اور بینوائی کا حال لکھا تھا - شمس الدین نے فوراً اسکا تدارک کیا اور خود شیخ کے پاس آیا اور معافی چاہی اور ہزار درم پیش کرکے کہا کہ یہ حقیر رقم آپ کے بھائی کے خرچ کے لئے ہے - اِس کو قبول کیجئے - شیخ نے لیکر بھائی کو بھیجدی ٭

شیخ کی وفات[1] شیراز میں جبکہ اتابکان فارس کے خاندان کا خاتمہ ہوچکا تھا اور ولایت فارس خانانِ تاتار کی حکومت میں آگئی تھی ۶۹۱ سنہ ھجری میں واقع ہوئی ہے - کسی شاعر نے اُس کے مرنے کی تاریخ اِس طرح کہی ہے ٭

[1] سرگور اوسلی نے اُسکی وفات اتابک محمد شاہ ابن مُظفّر سلغر شاہ بن سعد زنگی کے عہد میں لکھی ہے - مگر یہ بالکل غلط ہی - اتابک محمد شاہ ۶۶۱ سنہ ع میں تخت پر بیٹھا تھا اور آٹھ مہینے سلطنت کرکے مرگیا - پھر اُسکا بھائی سلجوق شاہ تخت نشین ہوا اور ۶۶۲ سنہ میں قتل کیا گیا - پھر سعد زنگی کی بیٹی آبش خاتون کے نام کا سکّہ اور خطبہ جاری ہوا اور ۶۶۳ سنہ میں اُسکو معزول کرکے سلطان اباقا خان نے سردار انکیانو کو جو کہ شیخ کا ممدوح ہے حاکم فارس مقرّر کیا - اب آگے کوئی متنفس اتابکان فارس کے خاندان کا حکمران نہیں ہوا - پس شیخ کی وفات جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا خاندان اتابک کے زوال سے چوبیس برس بعد اور اتابک محمد شاہ کے عہد سے تیس برس بعد واقع ہوئی ہے ٭

دُرِ بحرِ معارف شیخ سعدی | کہ در دریائے معنی بود غوّاص
مہ شوّال و روزِ جمعہ روحش | بداں درگاہ رفت از روی اخلاص
یکے پرسید سالِ فوت گفتم | زخاصاں بود ازاں تاریخ شد خاص ۶۹۱

شیخ کی عمر کسی نے ایک سو دو برس کی اور کسی نے ایک سو دس برس اور اکثر نے ایکسو بیس برس کی لکھّی ہے۔ ہمارے نزدیک یہی پچھلا قول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ شیخ جیسا کہ بوستان کی ایک حکایت سے معلوم ہوتا ہے جوانی کے زمانہ میں شیراز سے باہر گیا ہے اور بغداد میں اُس نے مُدّتوں امام ابنِ جوزی سے علم تحصیل کیا ہے۔ امام ابنِ جوزی کی وفات ۵۹۷ھ ہجری میں ہوچکی تھی۔ اور شیخ کی وفات اُس سے ۹۴ برس بعد واقع ہوئی پس اگر شیخ کی تمام عمر ایک سو دو برس کی سمجھی جائے تو لازم آتا ہے کہ شیخ زیادہ سے زیادہ نو برس کی عمر میں امام ابن جوزی سے تحصیل علم کرچکا تھا اور اگر ایک سو دس برس کی عمر قرار دی جائے تو یہ لازم آتا ہے کہ وہ سترہ برس کی عمر میں تحصیل علم سے فارغ ہوچکا تھا اور شیراز سے بچپن ہی کے زمانہ میں نکل گیا تھا۔ پس جس طرح پہلی بات خلافِ قیاس ہے اسی طرح دوسری بات خلافِ واقع ہے۔

سرگور اوسلی نے انگلستان کے ایک سیّاح ولیم فرینکلن کے سفرنامہ سے جو کہ ۱۷۸۶ء میں فارس گیا تھا شیخ کے مدفن کا حال اسطرح لکھّا ہے کہ "شیخ کا مزار مقام دلکشا سے ایک میل جانبِ شرق پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ عمارت اُس کی بہت بڑی اور مربع ہے اور قبر سنگین بنی ہوئی ہے

جسکا طول چھہ فٹ اور عرض ڈھائی فٹ ہے۔ قبر کے تمام ضلعوں پر کچھ عبارت قدیم نسخ خط میں کندہ ہے جسمیں شیخ کا اور اُس کی تصنیفات کا حال درج ہے۔ قبر ایک سیاہ رنگ کے چوبی قبر پوش سے جسپر سُنہری کام ہو رہا ہے ڈھکی رہتی ہے اور اُسپر شیخ ہی کا ایک شعر خط نستعلیق میں لکھا ہوا ہے۔ جب اِس قبر پوش کو ہٹاتے ہیں تو قبر کا تعویذ دکھائی دیتا ہے۔ اکثر اہلِ اسلام جو اطراف و جوانب سے شیخ کے مزار پر آتے ہیں وُہ پھول اور دیگر اقسام کے چڑھاوے چڑھاتے ہیں اور زائرین کے مطالعہ کے لیئے ایک نسخہ شیخ کے کُلیّات کا نہایت خوشخط لکھا ہوا مزار پر رکھا رہتا ہے۔ مقبرہ کی دیواروں پر بہت سے فارسی اشعار لکھے ہوے ہیں جو لوگ دور دست مقامات سے وہاں زیارت کو آئے ہیں یہ اشعار اُنھوں نے لکھے ہیں شیخ کے مقبرہ کی عمارت اَب روز بروز گرتی جاتی ہے اور اگر اب اُسکی خبر جلد نہ لی گئی تو بالکل کھنڈر ہو جائیگی۔ نہایت افسوس کی بات ہے اور زمانہ کا عجیب انقلاب ہے کہ کسی شخص کو اُس کی مرمت کرانے کا خیال نہیں آتا۔ اِس مقبرہ کے مُتّصِل اکثر دینداروں اور بزرگوں کے مزار ہیں جنھوں نے اپنی خواہش سے یہاں دفن ہونا چاہا ہے" اسکے بعد سرگور اوسلی صاحب لکھتے ہین کہ سنہ ۱۸۱۱ء کے شروع میں جبکہ مین جارج سیوم بادشاہ انگلستان کی طرف سے بعنوانِ سفارت فتح علیشاہ قاجار کے پاس پیغام لیکر طہران کو جاتا تھا اُسوقت کئی مہینے شیراز میں میرا مقام رہا۔ جب تک میں وہاں رہا اکثر شیخ کے مزار پر

جاتا تھا۔ مسٹر فرینکلن کے لکھنے کی تصدیق شیخ کے مزار پر جاکر ہوتی ہی۔ اُسکی قبر حقیقت میں بالکل بوسیدہ ہوگئی ہے اور تمام عمارت عنقریب منہدم ہوا چاہتی ہے۔ باغ اور درخت جو زمانۂ سابق میں وہاں تھے اُنکا اب نام ونشان تک باقی نہیں رہا۔ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر تھوڑا سا روپیہ خرچ کیا جائے تو اس مقبرہ کی مرمت بخوبی ہوسکتی ہے اور میرے حسن عقیدت نے جو کہ میں شیخ اور اُس کے کلام کے ساتھ رکھتا تھا مجھکو آمادہ کیا کہ اپنے پاس سے روپیہ صرف کرکے شیخ کی مقبرہ کی مرمت کرادوں۔ مگر شاہ ایران کا پانچواں بیٹا حسین علی مرزا جو اُسوقت فارس کا گورنر تھا اُسنے مجھکو اس ارادہ سے باز رکھا اور نہایت سرگرمی سے کہا کہ میں اپنے روپیہ سے مزار کی مرمت کرادونگا آپ کیوں اسقدر تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ میں شیخ کے مزار کی مرمت اُسی اسلوب اور عمدگی سے کراؤں گا جیسے کریم خان زند نے خواجہ حافظ کے مزار کی کرائی تھی۔ لیکن افسوس ہے کہ اُس نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔

نہایت تاسف کا مقام ہے کہ عنقریب وہاں کوئی نشان ایسا باقی نہ رہے گا جس سے معلوم ہو کہ وہ خطۂ ایران کا فخر زہد وتقویٰ اور ذہن وجودت اور علم وفضل میں اپنا مثل نہ رکھتا تھا کہاں اور کس جگہ دفن ہوا ہے"۔

سبحان اللہ کیا عبرت کا مقام ہے کہ ایک عیسائی مذہب زمین کے

اُس کنارہ کا رہنے والا جہاں دنیا کی آبادی ختم ہوتی ہے باوجود اختلافِ مذہب - اختلافِ قوم اور اختلافِ مُلک کے ایک مُسلمان مُصنّف کی ایسی قدر کرے کہ عالمِ سفر میں اُس کے مقبرہ کی مرمّت کرانے پہ آمادہ ہو اور اپنے پاس سے روپیہ خرچ کرنے کو موجود ہو - اور ایک مُسلمان شاہزادہ سے باوجود اتّحادِ زبان - اتّحادِ مذہب - اتّحادِ قوم و مُلک کے ایسی بے قدری اور بے اعتنائی ظہور میں آئے -

فَاعْتَبِرُوْا یَآاُولِی الْاَبْصَارِ ؕ

دوسرا باب

شیخ کی تصنیفات

شیخ کی شاعری کی شہرت اسکی زندگی میں

شیخ کی جادو بیانی اور فصاحت و بلاغت کا چرچا اُس کی زندگی ہی میں تمام ایران - ترکستان - تاتار اور ہندوستان میں اسقدر پھیل گیا تھا کہ اُس زمانہ کی حالت پر لحاظ کرنے کے بعد اُسپر مشکل سے یقین آتا ہے - خود شیخ بھی گلستاں کے دیباچہ میں کہتا ہے "ذکر جمیل سعدی کہ در افواہِ عوام اُفتادہ وصیتِ سخنش کہ در بسیطِ زمین رفتہ" شیراز اور کاشغر میں کچھ کم ۲۱۰۰ میل کا فاصلہ ہے - پہلے اِس سے کہ شیخ کاشغر میں پہنچے وہاں کے چھوٹے بڑے اُس کے کمالات سے واقف تھے +

جس زمانہ میں شیخ کاشغر پہنچا ہے - غالباً یہ وہ زمانہ ہے کہ چنگیز خاں چینی تاتار کو خوارزمیوں سے فتح کر چکا ہے اور سلطان محمد خوارزم کے ساتھ چند روز کے لئے اُس کی صلح ہوگئی ہے - جب شیخ کاشغر کی جامع مسجد میں گیا تو وہاں ایک طالب علم مقدمۂ[۱] زمخشری ہاتھ میں لئے زبان سے

---

[۱] علامہ جار اللہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف نے عربی زبان کی نحو میں ایک مختصر متن لکھا ہے اُسکا نام مقدمۂ زمخشری ہے -

یہ کہہ رہا تھا کہ ضَرَب زیدٌ عمرواً۔ شیخ اُس سے چُہل کی باتیں کرنے لگا اور کہا کیوں صاحب! خوارزم وخطا میں صُلح ہوگئی مگر زید اور عمرو کی خصُومت بدستور چلی جاتی ہے۔ طالب علم ہنس پڑا اور شیخ کا وطن پوچھا۔ فرمایا خاکِ پاک شیراز۔ اُس نے کہا کُچھ سعدی کا کلام یاد ہے؟ شیخ نے بطریق مزاح اُسیوقت دو عربی شعر کہکر پڑھے۔ اُس نے کسی قدر تامل کے بعد کہا سعدی کا زیادہ تر کلام فارسی ہے اگر کُچھ اُس میں سے یاد ہو تو پڑھئے۔ آپ نے ویسے ہی دو فارسی شعر پڑھے جن میں سے ایک یہ ہے ؛

شعر

اے دلِ عُشّاق بدامِ تو صید ۔ ما بتو مشغول تو با عمرو زید

صبحکو جب شیخ نے کاشغر سے چلنے کا ارادہ کیا کسی نے اُس طالب علم سے کہدیا کہ سعدی یہی شخص ہے۔ وہ بھاگا ہوا شیخ کے پاس چلا آیا اور نہایت افسوس کیا کہ پہلے سے آپ نے اپنا نام نہ بتایا کہ میں آپ کی خدمتگذاری سے سعادت حاصل کرتا۔ اگر اب بھی چندروز شہر میں چلکر قیام کیجئے تو ہم لوگ خدمتگذاری سے مستفید ہوں۔ اِس کے جواب میں آپ نے یہ اشعار پڑھے ؛

اشعار

بزرگے دیدم اندر کوہسارے ۔ قناعت کردہ از دنیا بغارے
چرا گفتم بشہر اندر نیائی ۔ کہ بارے بنداز دل برکشائی
بگفت آنجا پریرویان نغزند ۔ چو گل بسیار شد پیلاں بلغزند

اِسی طرح مُلتان سے جو کہ شیراز سے چودہ سو میل ہے دو بار خان شہید

سلطان محمد قاآن نے شیخ کی شہرت سنکر اُس کو وطن سے بُلایا مگر وہ بُڑھاپے کے سبب نہ آسکا ؛

تبریز کے حمام میں جو شیخ اور مشہور شاعر ہمام[1] تبریزی کی نوک جھوک ہوئی ہے وہ نہایت مشہور قصہ ہے - جب تک ہمام نے یہ نہ جانا کہ یہ شخص سعدی ہے تب تک اُس سے چھیڑ چھاڑ کرتا رہا - لیکن جب معلوم ہوا کہ یہ سعدی شیرازی ہے فوراً نہایت شرمندگی سے عذر معذرت کر کے اپنے مکان لیگیا اور جب تک شیخ تبریز میں رہا کمال تعظیم اور ادب سے اُس کی مہمانداری کی ؛

سرگور اوسلی نے کتاب مجالس العشاق سے ایک حکایت نقل کی ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ حکیم نزاری قہستانی (جو کہ خراسان کا ایک مشہور شاعر اور حکیمانہ مزاج آدمی تھا اور اسمٰعیلی مذہب رکھتا تھا) شیراز کے حمام میں شیخ سے ایک اجنبی صورت میں ملا - معلوم ہوا کہ یہ شخص خراسان کا رہنے والا ہے - شیخ نے پوچھا کہ سعدی کو کوئی خراسان میں جانتا ہے؟ کہا اُس کا کلام وہاں عموماً زبان زد خلایق ہے اور پھر شیخ کی درخواست سے اُسکے چند اشعار پڑھے جنکو سنکر شیخ محظوظ ہوا اور سمجھا کہ یہ شخص شعر کا عُمدہ مذاق رکھتا ہے - آخر دونوں پر ایک دوسرے کی حقیقت کھُل گئی ؛

---

[1] خواجہ ہمام الدین باوجود نسبتِ باطنی اور کمالاتِ علمی کے تبریز کے اُمرا میں سے تھا اور شاعری میں تمام معاصرین اُسکو مانتے تھے - محققِ طوسی سے تحصیلِ علم کی تھی اور ۷۱۳ھ ہجری میں وفات پائی ؛

شیخ - نزاری کو اپنے مکان پر لے گیا اور بہت دنوں تک اُسکو جانے نہ دیا - اور بہت خوشی سے خوب دل کھولکر اُسکی مہانداری کی - حکیم نزاری نے وہاں سے رخصت ہوتے وقت اپنے نوکر سے کہا کہ اگر میزبان کبھی خراسان میں آیا تو ہم اُسکو دکھائینگے کہ مہانوں کی تواضع اور مدارات کس طرح کیا کرتے ہیں - یہ جملہ شیخ کے کان تک بھی پہنچ گیا - اُسکو کمال افسوس ہوا اور یہ سمجھا کہ حکیم نے ہماری مہانداری میں شاید کوئی قصور دیکھا - چند مُدّت کے بعد حسن اتفاق سے شیخ کا گزر قہستان میں ہوا اور حکیم نزاری سے ملاقات ہوئی - حکیم بہت محبت اور اخلاق سے پیش آیا مگر دعوت میں کچھ زیادہ تکلّف نہیں کیا - پہلے روز جو کھانا دسترخوان پر آیا وہ محض رسمی اور سیدھا سادہ تھا - دُوسرے وقت ایک بُھنے ہوئے تیتر کے سوا اور کچھ نہ تھا - تیسرے وقت ایک گوشت کا اُبلا ہوا پارچہ اور خُشکا تھا - چلتے وقت حکیم نے شیخ سے معافی چاہی اور کہا کہ جس طرح آپ نے میری ضیافت میں تکلفات کئے تھے اُس طرح سے مہان آخر کو بارِ خاطر ہوجاتا ہے لیکن ہمارا طریقہ ایسا نہیں ہے شیخ کو اُس جملہ کا مطلب جو نزاری نے شیراز سے چلتے وقت کہا تھا اُب معلُوم ہوا +

اِس حکایت سے شیخ کی شہرت اور بلند آوارگی کے علاوہ یہ بھی معلُوم ہوتا ہے کہ وہ مذہبی تعصّبات سے مبّرا تھا - فرقۂ اسمٰعیلیہ کے لوگ اُس زمانہ میں عموماً ملحد اور بددین سمجھے جاتے تھے اور کوئی فرقہ مسلمانوں کے نزدیک اسمٰعیلیوں سے زیادہ مبغوض اور مردود نہ تھا - پس شیخ کی کمال بے تعصّبی

تھی کہ اُسنے ہمارے عہد کے مولیوں اور واعظوں کے برخلاف ایک غریب
اسمٰعیلی کی اپنے وطن میں اس قدر خاطر اور مدارات کی اور خراسان
میں خود اُس سے جاکر ملا اور اُس کا مہمان رہا۔ الغرض یہ حال شیخ کی
شُہرت کا خود اُس کے زمانہ میں تھا اور اُس کے مرنے کے بعد
جو عام قبولیت اُس کے کلام نے حاصل کی اُس کے بیان کرنے کی کچھ
ضرورت نہیں +

شیخ کے کلام پر اور لوگوں کی رائیں

اکثر جلیل القدر شعرا نے شیخ کی نسبت ایسے اشعار کہے ہیں جن سے اُنکی
اصلی رائے شیخ کے کلام کی نسبت ظاہر ہوتی ہے۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی
نے بہارستان میں کسی شاعر کا قطعہ نقل کیا ہے جس میں فردوسی کو
مثنوی کا۔ انوری کو قصیدہ کا اور سعدی کو غزل کا پیمبر قرار دیا ہے اور
وُہ قطعہ یہ ہے۔ **قطعہ**

در شعر سہ کس پیمبرانند | ہر چند کہ لانبی بعدی
ابیات و قصیدہ و غزل را | فردوسی و انوری و سعدی

نیز مولانا جامی نے نفحات الانس میں امیر خسرو دہلوی کی کثرت تصانیف
اور جامعیت کے ذکر کے بعد شیخ کو باعتبار مقبولیت کلام کے امیر پر اس
پیرایہ میں ترجیح دی ہے کہ امیر نے بھی خضر کے ملاقات کے وقت یہ درخواست
کی تھی کہ اپنا آب دہن اُس کے موںہہ میں ڈالے خضر نے فرمایا کہ یہ دولت

سعدی کے نصیب کی تھی +

حضرت امیر خسرو دہلوی نے بھی شیخ سعدیؒ اور ہمام تبریزی کو اپنی مثنوی نُہ سپہر میں غزل کا اُستاد مانا ہے لیکن دیگر اصناف سخن میں کنایۃً اپنے کو ترجیح دی ہے۔ مگر ایک اور شعر میں مطلقاً شیخ کے اتباع پر خود فخر کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں + **شعر**

خسروِ سرمست اندر ساغرِ معنی بریخت　　　شیرہ از میخانۂ مستے کہ در شیراز بود

حضرت امیر حسن دہلوی نے بھی جن کو اُس زمانہ کے اہل مذاق سعدیٔ ہندوستان کہتے تھے شیخ کے تتبع پر افتخار کیا ہے وہ کہتے ہیں:

شعر

حسن گلے ز گلستانِ سعدی آوردست　　　کہ اہلِ معنی گلچین ازین گلستان اند

خواجہ مجد الدین ہمگر جو کہ شیخ کا جلیل القدر معاصر ہے اُس سے چار نامی گرامی فاضلوں نے جن میں سے دو شخص علاوہ علم و فضل کے ہولاکو خان کے رکن سلطنت بھی تھے یعنی خواجہ شمس الدین صاحب دیوان۔ امیر معین الدین پروانہ حاکم روم۔ ملک افتخار الدین کرمانی اور مُلّا نور الدین صدری نے باتفاق ہمدگر ایک قطعہ مرتب کر کے مجد ہمگر کے پاس بھیجا تھا جس میں امامی۔ ہروی۔ اور سعدی شیرازی کے کلام پر محاکمہ کی درخواست کی گئی تھی۔ اُس کے جواب میں مجدِ ہمگر نے یہ رباعی لکھکر بھیجی +

رباعی

اگرچہ ۱؎ بہ نطق طوطی خوش نفسیم　　بر شکر گفتہ ہائے سعدی مگسیم
در شیوۂ شاعری بہ اجماع اُمم　　ہرگز من و سعدی بہ امامی نرسیم

اس رباعی میں اگرچہ ہمگر نے شیخ کو اپنے سے بہتر بتایا ہے مگر امامی کو اپنے اور شیخ دونو پر ترجیح دی ہے ✦

حاجی لطف علی خان آذر نے مذکورۂ بالا حکایت پر جو کچھ لکھا ہے وہ ملاحظہ کے قابل ہے وہ لکھتا ہے کہ بعض مدّعیانِ شعر نے مجد الدّین ہمگر سے کہ بعنایتِ الٰہی پستیِ طبع میں آج اُن کا کوئی نظیر نہیں ہے سعدی اور امامی کی بابت محاکمہ چاہا تھا - اُنھوں نے جواب میں یہ رباعی تحریر فرمائی - میں نے اس رباعی کو پڑھکر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ ہمارے زمانہ میں ایسا اشتباہ کسی کو نہیں ہے (جیسا کہ محاکمہ چاہنے والوں کو تھا) اہلِ مذاق جانتے ہیں کہ ہمگر کی تحقیق کیسی پھُسینڈی ہے ہاں اُنھوں نے اپنی نسبت بالکل صحیح فرمایا ہے کہ میں امامی کے درجہ کو نہیں پہنچتا - بے شک امامی کا مرتبہ جناب صاحب رباعی سے بہت بالاتر ہے لیکن کسیطرح اُس کو شیخ بزرگوار سے نسبت نہیں ہے بلکہ تین ۲؎ شخصوں کے سوا اور کسی کی مجال نہیں جو شیخ کی مساوات کا دم مار سکے - میں اکثر یہ سوچا کرتا تھا کہ جیسا ہمارا زمانہ دانشمندوں پر

۱؎ شیخ نے بھی اس رباعی کو سُنکر ایک رباعی لکھی ہے جو اُنکے کُلّیات میں موجود ہے یعنی -
"ہرکس کہ ببارگاہِ سامی نرسد - از بختِ سیاہ و بدکلامی نرسد ہمگر کہ بعمرِ خود نہ کردہ است نماز -
شک نیست کہ ہرگز بہ امامی نرسد ✦ ۱۲

۲؎ شاید تین شخصوں سے مُراد فردوسی - انوری - اور نظامی ہیں ۱۲ ✦

سخت گزرتا ہے ایسا زمانہ پہلے سخنوروں پر بھی گزرا ہے یا نہیں - جب یہ حکایت میری نظر سے گزری تو مجھکو صبر آ گیا" - حاجی موصوف نے اس مقام پر مجدِ ہمگر کی شان میں ایک قطعہ بھی لکھا ہے اور وُہ یہ ہے **قطعہ**

یکے گفت - امامی امام ہری را | زسعدی فزوں یافتہ مجدِ ہمگر
دریں ماجرا چیست رائے تو - گفتم | ستمگر بود مجدِ ہمگر ستمگر

ہمارے نزدیک اگر مجدِ ہمگر اُس عصر میں جسمیں سعدی اور امامی گزری ہیں نہوتا بلکہ سو پچاس برس بعد پیدا ہوتا تو اُس کو بھی شیخ اور امامی کے رتبہ میں ہرگز یہ اشتباہ نہ ہوتا - معاصرت نے لوگوں کے حالات پر اکثر ایسے پردے ڈالے ہیں مگر جس قدر اُن کا زمانہ گزرتا گیا اُسیقدر وہ پردے مرتفع ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ جو حق بات تھی وہ ظاہر ہو گئی - اصل یہ ہے کہ جب ایک زمانہ میں دو اہلِ کمال ہوتے ہیں تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک گروہ متعصبین کا کھڑا ہو جاتا ہے کیونکہ ہر شخص کے کچھ عزیز اور دوست اور اُن دوستوں کے دوست اور اِسی طرح کچھ مخالف اور اُن مخالفوں کے دوست اور یگانے ضرور ہوتے ہیں اور اِس طرح سے بڑھتے بڑھتے دو بڑے بڑے گروہ پیدا ہو جاتے ہیں - لیکن جب وُہ طبقہ ختم ہو جاتا ہے اور اُن کے ساتھ کسیکو لاگ یا لگاؤ باقی نہیں رہتا تو جو ٹھیک بات ہوتی ہے وہ بغیر بحث و حجت کے خود بخود دلوں پر نقش ہو جاتی ہے - شیخ اور امامی کے عہد میں کسکو معلوم تھا کہ عنقریب ایک کا کلام اطرافِ عالم میں پھیل جائیگا اور دوسرے کا نام صرف کتابوں میں لکھا رہ جائیگا *

کلامِ شیخ کی مقبولیت کے ذکر میں اکثر یہ حکایت بیان کی جاتی ہے
کہ مشائخ وقت میں سے ایک بزرگ شیخ کے منکر تھے۔ ایک رات کو
انھوں نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھولے گئے ہیں
اور فرشتے نور کے طبق لیکر زمین پر نازل ہوئے ہیں۔ اُن بزرگ نے
پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ کہا سعدی شیرازی نے ایک بیت کہی ہے جو
جنابِ الٰہی میں مقبول ہوئی یہ اُس بیت کا صلہ ہے اور وہ بیت یہ ہے

برگِ درختان سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

جب وہ بزرگ خواب سے بیدار ہوئے تو رات ہی کو شیخ کے عزلت خانہ
پر یہ مژدہ سنانے کے لئے گئے۔ وہاں جا کر شیخ کو دیکھا کہ چراغ روشن کئے
ہوئے جھوم جھوم کر یہ شعر پڑھ رہے ہیں۔ شاید اس حکایت کا مضمون
بادی النظر میں مستبعد معلوم ہو۔ لیکن ہم کو اس میں کوئی بات عقل یا نیچر
کے خلاف نہیں معلوم ہوتی۔ خواب کا سچا ہونا اور اُن میں معمولی باتوں کا
غیر معمولی طور پر نظر آنا ایک ایسا مسلّم امر ہے کہ آج کل کے فلسفی بھی اُسکا
انکار نہیں کر سکتے۔ اِس کے علاوہ ہم اِس حکایت سے ہر حال میں یہ نتیجہ ضرور
نکال سکتے ہیں کہ شیخ کے کلام کی مقبولیت اِس درجہ کو پہنچ گئی
تھی کہ معمولی پیرائے اُس کے بیان کے لئے کافی نہ سمجھے جاتے
تھے۔

اِس حکایت کو اور زیادہ چمکانے کے لئے شیخ ابو الفیض فیضی کی مخالفوں نے
ایک اور دلچسپ مضمون تراشا ہے۔ یعنی یہ کہ فیضی نے نلدمن کی توجیہ لکھتے

وقت جب یہ شعر کہا *

شعر

درہر بُنِ مُوکے نہی گوشں — فوّارۂ فیض اوست درجوش

تو اُس نے بھی ویسے ہی صلہ کی توقع میں جو شیخ سعدی کو ملا تھا آسمان کی طرف موئنھ کیا۔ اتفاقاً ایک چیل نے اوپر سے بیٹ کی جو فیضی کے موئنھ پر آکر پڑی۔ وہ بہت جھنجھلایا اور کہا "شعر فہمی عالم بالا معلوم شد۔" ظاہرا یہ مضمون عبدالقادر بداونی کا جو کہ شیخ مبارک کے خاندان کا سخت دشمن ہے یا اُس کے کسی مُتّبع کا گھڑا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے کہ "سعدی کے کلام کی لطافت اور بذلہ سنجی روما کے مشہور شاعر ہوریس کے کلام سے بہت ملتی ہے۔ چونکہ سعدی کو لاطینی زبان آتی تھی اسلئے ظن غالب ہے کہ وہ ہوریس کے کلام سے مستفید ہوا ہوگا" ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہ قیاس کہاں تک صحیح ہے اور واقع میں شیخ کو لاطینی آتی تھی یا نہیں۔ ظاہرا یہ ویسا ہی قیاس ہے جیسا کہ دہلی کی جامع مسجد اور آگرہ کے روضۂ تاج گنج کی نسبت کہا جاتا ہے کہ یہ دونو عمارتیں اٹلی کے کاریگروں نے بنائی ہیں۔ بات یہ ہے کہ جو قوم نہایت پستی کی حالت میں ہوتی ہے اگرچہ وہ کسی زمانہ میں کتنی ہی ترقی کرچکی ہو جس طرح اُس قوم کی موجودہ نسلیں ترقی یافتہ قوموں کی نظر میں حقیر و ذلیل اور ہیچ دلوچ معلوم ہوتی ہیں اُسی طرح اُن کے اسلاف کی عظمت اور برتری کا بھی بہت کم یقین آتا ہے۔ اور اگر اُن کی کوئی ایسی بات پیش کیجاتی ہے جسکا کسی طرح انکار نہیں ہوسکتا تو اُسکو مجبور کسی اَور کی طرف منسوب کرنا پڑتا ہے *

سر ولیم جونس جو کہ مشرقی زبانوں کا نہایت مشہور عالم ہے اُسنے جو شیخ اور اُسکے کلام کی نسبت لکھا ہے وہ سر گور اوسلی نے نقل کیا ہے وہ لکھتا ہے کہ "سعدی نے تیرہویں صدی میں جب کہ اتابکان فارس وہاں کے اہل کمال کو تقویت دے رہے تھے اپنے جوہر دکھانے شروع کئے تھے۔ حالانکہ اسکی تقریباً تمام زندگی سفر میں گذری تھی باوجود اس کے کسی ایسے شخص نے بھی جسکو عمر بھر اطمینان اور فرصت حاصل رہی ہو اپنی عقل اور محنت کا نتیجہ شیخ سے بہتر نہیں چھوڑا"

انگلستان کے بعض اور مصنفوں نے اُسکو مشرقی شکسپیر کہا ہے۔ اگرچہ یہ تشبیہ اُن مشرقی شاعروں کی نظر میں جو شکسپیر کی شاعری سے واقف نہیں ہیں کچھ زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔ لیکن جب کہ یہ بات مسلم ہے کہ انگریز شکسپیر کو تمام دُنیا کے شاعروں سے بہتر سمجھتے ہیں تو دیکھنا چاہئے کہ جو لوگ سعدی کو مشرق کا شکسپیر کہتے ہیں اُنہوں نے اُسکو کس درجہ کا شاعر تسلیم کیا ہے۔

شکسپیر کی شاعری اگرچہ سعدی کی شاعری سے بالکل مغائر ہے لیکن بعض حیثیات سے ایک کو دوسرے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ دونوں کے کلام میں عموماً یہ بات پائی جاتی ہے کہ وہ عقل و عادت کی سرحد سے تجاوز نہیں کرتے بلکہ ہمیشہ نیچرل حالتوں کی تصویر کھینچتے ہیں۔ دونوں کے کلام میں اکثر ظرافت اور شوخی کی چاشنی ہوتی ہے اور دونوں کا بیان ہمیشہ سادہ صاف۔ اور دلنشین ہوتا ہے۔ اس کے سوا دونوں نے اکثر کلام کی بنیاد

نصیحت وپند پر رکھی ہے۔ صرف فرق اسقدر ہے کہ شیخ کھلم کھلا نصیحت کرتا ہے اور شکسپیر کے پلے (یعنی ناٹک) سنکر کسی شخص کو یہ خیال نہیں گذرتا کہ یہ میرے ہمجنسوں کے عیب بیان ہو رہے ہیں یا کسی کو نصیحت کیجاتی ہے مگر اُس کا بیان اندر ہی اندر اپنا کام کرتا ہے بلکہ یہ گپتی منتر صریح نصیحت وپند سے زیادہ کارگر ہوتا ہے۔ نیز دونوں کا کلام مقبول اور دلنشین ہونے میں ایک دوسرے سے نہایت مشابہت رکھتا ہے۔ جس طرح شکسپیر کے صدہا اقوال انگریزی میں ضرب المثل ہو گئے ہیں اسی طرح شیخ کی گلستاں اور بوستاں کے صدہا فقرے اور شعر اور مصرعے فارسی اور اردو میں ضرب المثل ہیں اور اس سے دونو کے کلام کی کمال خوبی اور حسن اور یہ بات کہ اُنہوں نے جمہور کے دلوں پر کسقدر تسلّط کیا ہے اور اُن کا کلام کسقدر انسان کی حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق واقع ہوا ہے ثابت ہوتی ہے۔ اگرچہ اِسکا زیادہ تر سبب یہ بھی ہے کہ ایشیا میں جسقدر گلستاں اور بوستاں کی تعلیم وتعلّم کا چرچا ہے ایسا کسی اور کتاب کا نہیں ہے۔ اور اسی طرح یورپ میں جسقدر شکسپیر کا کلام دائر وسائر ہے ایسا کسی اور شاعر کا کلام نہیں۔ پس ضرور ہے کہ دونوں کے اقوال سب سے زیادہ لوگوں کی زبانوں پر جاری ہوں لیکن ظاہر ہے کہ جب تک کوئی کلام فی نفسہٖ مقبول اور دلنشین ہونے کے قابل نہو کسی طرح ممکن نہیں کہ اس طرح تمام مُلک میں مشہور اور متداول ہو سکے ❖

کلّیاتِ شیخ

شیخ کا تمام کلام نظم - نثر - فارسی اور عربی جو اسوقت متداول ہے اور جسکو شیخ علی ابن احمد ابن ابی بکر نے شیخ کی وفات سے بیالیس برس بعد علی الترتیب جمع کیا ہے حسب تفصیل ذیل ہے :-

(۱) نثر میں چند مختصر رسالے (جن میں سلوک اور تصوف کے مضامین اور مشائخ وعرفا کی حکایتیں اور ملوک و حکّام کے لئے نصیحتیں لکھی ہیں) (۲) گلستان - (۳) بوستان - (۴) پندنامہ (جسکو عرف عام میں کریما کہتے ہیں) - (۵) قصائد فارسی (جن میں مرثیے - ملمعات - مثلّثات اور ترجیعات بھی شامل ہیں) - (۶) قصائدِ عربیہ - (۷) غزلیات کا پہلا دیوان موسوم بہ طیّبات - (۸) دوسرا دیوان موسوم بہ بدائع (۹) تیسرا دیوان موسوم بہ خواتیم - (۱۰) غزلیاتِ قدیم جو غالباً عنفوانِ شباب کی لکھی ہوئی ہیں - (۱۱) مجموعہ موسوم بہ صاحبیہ جسمیں شیخ نے قطعات - مثنویات - رباعیات اور مفردات کو خواجہ شمس الدین صاحب دیوان کی فرمایش سے ایک جگہ جمع کر دیا ہے - (۱۲) مضاحکات و ہزلیات -

ان تمام کتابوں اور رسالوں میں سے مثنوی پندنامہ یعنی کریما کو بعض اہلِ مذاق شیخ کا کلام نہیں سمجھتے کیونکہ اوّل تو کلیات کے اکثر قدیم نسخوں میں یہ مثنوی نہیں دیکھی گئی - دوسرے شیخ کے عام کلام میں جو پختگی اور

جزالت یا دلفریبی اور جادو پایا جاتا ہے اُس سے یہ مثنوی مُعرا ہے۔ مگر ہماری نزدیک اِس مثنوی کو شیخ کی طرف نسبت کرنے میں کوئی استبعاد اور تردّد کی بات نہیں ہے یہ سچ ہے کہ وہ بوستان اور شیخ کی عام نظم کے مقابلہ میں نہایت کم وزن معلوم ہوتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ شاعر کا حال بالکل اِس شعر کا مصداق ہے ؎

شعر

گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینیم ؎ گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینیم

ایک ہی شاعر کا ایک کلام معجزہ معلوم ہوتا ہے اور دوسرا ہذیان اور یہی وُہ خاصیت ہے جو بشر کے کلام سے جدا کرتی ہے کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ”وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافاً کَثِیْراً“ کلیات کے بعض قدیم نسخوں میں اِس مثنوی کا نہ پایا جانا بھی اِس بات کی دلیل نہیں ہوسکتی کہ وُہ شیخ کا کلام نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ علی بن احمد کے بعد کسیکو یہ مثنوی ملی ہو اور اُسنے اِس کو بھی کلیات میں داخل کردیا ہو اور اِس سبب سے کلیات کے نسخوں میں اختلاف واقع ہوگیا ہو۔ چنانچہ حضرت امیر خسرو کے کلیات میں اسی طرح نسخوں کا اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہرحال ہم جس طرح اِس مثنوی کے ثبوت کی کوئی قطعی دلیل نہیں رکھتے اسیطرح اُس کی نفی کی بھی کوئی قوی وجہ [illegible] ؎

اب ہم شیخ کی بقیہ تصنیفات پر جو زیادہ مشہور ہیں یا زیادہ لحاظ کے قابل ہیں متوجہ ہوتے ہیں۔ جہاں تک ہماری محدود واقفیت اور ناچیز رائے مساعدت کریگی ہم اُن کی حقیقت ظاہر کرنے میں کوشش کرینگے۔

ناظرین باتمکین سے یہ درخواست ہے کہ اگر کہیں ہماری راے کی غلطی ظاہر ہو تو اُس کو مُتعصّبانہ افراط و تفریط پر محمُول نفرمائیں بلکہ اُس کو ایک مقتضاے بشریت سمجھکر اُسیقدر مواخذہ کے قابل ٹھیرائیں جسقدر کہ ایک غلط مگر سچّی راے پر مواخذہ ہوسکتا ہے ؀

گلستان اور بوستان

اگرچہ ہر تصنیف و تالیف کی ماہیت اور اُن کے عیب اور خوبیاں بیان کرنی عموماً مشکل ہیں لیکن جو کلام سب کے نزدیک مقبول ہو اور جس پر کسی نے خُردہ گیری نہ کی ہو اُسپر ردو کد لکھنا اور اُس کی خوبی یا عیب بیان کرنا حد سے زیادہ مُشکل ہے - جس طرح بدیہیّات پر استدلال کرنا نہایت دشوار ہے - اِسی طرح ایسے مقبول اور مُسلّم کتابوں کے محاسن بیان کرنے مُشکل ہیں اور اِسی طرح اُن پر نکتہ چینی کرنی اور بھی زیادہ مُشکل ہے - ہم پہلا آسان کام کسی قدر اپنے ذمّہ لیتے ہیں اور دوسرے مُشکل کام کو اپنے سے زیادہ دقیقہ شناس اور باریک بین لوگوں پر چھوڑتے ہیں ؀

اِن دونوں کتابوں کو شیخ کے کلام کا خلاصہ اور لُبّ لُباب سمجھنا چاہیے - ظاہرا فارسی زبان میں کوئی کتاب اِن سے زیادہ مقبُول اور مطبوعِ خاص و عام نہیں ہوئی - ایران - ترکستان - تاتار - افغانستان

اور ہندوستان میں اِن دونوں کتابوں کی تعلیم ساڑھے چھ سو برس سے برابر جاری ہے - بچپن میں اِن کی تعلیم شروع ہوتی ہے اور بڑھاپے تک اُنکے مطالعہ کا شوق رہتا ہے لاکھوں اُستادوں نے اِنہیں پڑھایا - اور کروروں شاگردوں نے اِنکو پڑھا اِن کے بے شمار نسخے خوشنویسوں کے قلم سے لکھے گئے - اور بے انتہا اڈیشن لوہے اور پتھر پر چھاپے گئے - مشرق اور مغرب کی اکثر زبانوں میں اُن کے ترجمے ہوئے - مشائخ اور عُلمانے اُن کی عزّت کی - بادشاہوں نے اُن کو سلطنت کا دستور العمل بنایا - منشیوں اور شاعروں نے اِن کی فصاحت و بلاغت کے آگے سر جُھکایا - اور اُن کے تتبُّع سے عاجز رہنے کا اقرار کیا - اُنکا نام جس طرح ایشیا میں مشہور رہی اسی طرح یورُپ میں بھی عزّت سے لیا جاتا ہے *

اگرچہ یہ دونوں کتابیں حُسنِ قبول - فصاحت - بلاغت - تہذیبِ اخلاق پند و نصیحت اور اور اکثر خوبیوں کے لحاظ سے باہمدگر ایسی مشابہت رکھتی ہیں کہ ایک کو دوسری پر ترجیح دینی مُشکل ہے بلکہ ان پر عربی کا یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ احدھما افضل من الاٰخر - لیکن اگر بعض وجوہ سے گلستاں کو بوستاں پر ترجیح دی جائے تو کُچھ بیجا نہیں ہے *

فارسی نظم میں بوستاں کے سوا اور بھی ایسی کتابیں موجود ہیں جو بوستان سے کم مقبول نہیں سمجھی گئیں بلکہ مثنوی معنوی اور شاہنامہ نے شاید اُس سے بھی بڑھکر قبولیت حاصل کی ہے - لیکن فارسی نثر میں

ظاہرا کوئی کتاب شیخ سے پہلے اور اُس کے بعد ایسی نہیں لکھی گئی جو گلستان کے برابر مقبول ہوئی ہو۔ مسٹر گور اوسلی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ سعدی کی گلستاں کا ترجمہ جو کہ مشہور فاضل جنٹیس نے لاطینی میں کیا تھا۔ اُس نے مدتوں یوروپ کے اہلِ علم و ادب کو شیخ کے خیالات پر فریفتہ رکھا ہے ؀

تذکرۂ مجمع الفصحا جو کہ ابھی ایران میں تالیف ہوا ہے اُس میں ایک اور تذکرے میں لکھا ہے کہ فارسی نظم و نثر میں جسقدر چار کتابیں ایران میں مقبول ہوئی ہیں ایسی اور کوئی کتاب نہیں ہوئی۔ شاہنامہ مثنوی معنوی گلستان اور دیوانِ حافظ"

ہندوستان میں بھی یہ چاروں کتابیں ایسی ہی مقبول ہوئی ہیں جیسی ایران میں۔ مگر سب کی شہرت اور قبولیت کے وجوہ مختلف ہیں۔ اگرچہ ایک خوبی یعنے بیان کی سادگی اور بے ساختگی میں چاروں کتابیں کم و بیش مشترک ہیں اور یہ وہ خوبی ہے جسکے بغیر کوئی کتاب مقبول نہیں ہو سکتی۔ لیکن صرف اسقدر خوبی سے کوئی کتاب ایسی شہرت اور قبولیت کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتی جب تک اُس کے ساتھ کوئی اور دلکش اور دلفریب چیز نہو۔ کیونکہ نظم و نثر کی بیسیوں کتابیں جو تکلف اور تصنع سے بالکل پاک ہیں ایسی بھی ہیں جنکا کوئی نام بھی نہیں جانتا ؀

ہماری رائے میں گلستاں کے سوا باقی تینوں کتابیں زیادہ تر اِس سبب سے مقبول ہوئی ہیں کہ وہ اپنی سادگی اور فصاحت و بلاغت کے علاوہ

زمانہ کے مذاق اور طبائع کے ساتھ بہت مناسبت رکھتی تھیں۔ سب سے
اوّل شاہنامہ پر غور کرو۔ قطع نظر اس سے کہ قدیم زمانہ کے حالات اور گزشتہ
قوموں اور بادشاہوں کے محاربات انسان کو ہمیشہ بالطبع مرغوب ہوتے
ہیں۔ جس زمانہ میں کہ شاہنامہ لکھا گیا اُسوقت وسط ایشیا کے مسلمانوں کو فتوحات
اور لشکرکشی وکشورکشائی کا شوق حد سے زیادہ بڑھا ہوا تھا۔ اور شجاعت و
بہادری کے مضمون اُن کو دل سے پسند آتے تھے۔ پس ایک رزمیہ نظم کا
جسمیں رزم اور بہادری کے سوا اور مضمون بہت کم ہیں ایسے وقت میں
لکھا جانا اُن کی حالت کے نہایت مناسب تھا۔ یہی سبب تھا کہ شاہنامہ
ختم ہونے سے پہلے ہی اُسکی صدہا داستانیں کم وبیش لوگوں کی زبانوں پر
جاری ہوگئیں تھیں۔ اور آخر کو اُس کا یہاں تک رواج ہو گیا تھا کہ بادشاہونکے
ہاں شاہنامہ خواں نوکر رکھے جاتے تھے۔ اور قہوہ خانوں میں جا بجا
گرمی صحبت کے لئے شاہنامہ پڑھا جاتا تھا۔ اِس کے سوا ہزاروں عجیب
غریب قصّے جیسے سیمرغ کا زال کو پرورش کرنا۔ طہمورث دیوبند کا دیوونکو
قید کرنا۔ جام جمشید کے کرشمے۔ رُستم کا اپنے زور سے تنگ آکر اُسکو
خدا کے پاس امانت رکھوانا اور پھر سہراب کی لڑائی میں واپس لے لینا۔
اُسکا سیکڑوں دیووں کو مارنا اور مغلوب کرنا۔ اُسکے رخش کا شیروں کو
ہلاک کرنا۔ وزبہمن کا طلسم توڑنا اور اسی طرح کی ہزاروں افسانے مثل قصّہ
امیر حمزہ اور بوستانِ خیال کے اُسمیں درج تھے جو تمام دنیا کے آدمیوں کو
عموماً اور ایشیا والوں کو خصوصاً ہمیشہ سے مرغوب رہے ہیں۔ ان باتوں سے

شاہنامہ کو اور بھی زیادہ مقبول اور عام پسند کر دیا تھا۔

مولانا روم کی مثنوی اُس زمانہ میں لکھی گئی تھی جبکہ ہمارے لٹریچر میں تصوّف اور معرفت کا تسلّط روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔ شیخ محی الدین ابن العربی۔ شیخ صدر الدین قونوی۔ شیخ شہاب الدین سُہروردی۔ شیخ علاء الدولہ سمنانی۔ وغیرہم کی تصنیفات مذہب اور شاعری میں تصوّف کی روح پھونک رہی تھیں شعر میں حقیقت اور معرفت کے مضامین تغزل کی نسبت زیادہ بُھانے لگے تھے۔ شیخ اکبر اور ابن فارض کے دیوانوں کے سامنے مُتَنَبّی اور ابو تمّام کی تشبیہیں بے مزہ معلوم ہونے لگی تھیں۔ حدیقہ اور منطق الطّیر نے رودکی اور عنصری کا کلام نظروں سے گرا دیا تھا۔ ایسے وقت میں مثنوی معنوی کا جو کہ سراسر تصوّف اور حقائق و معارف سے بھری ہوئی ہے مقبول ہونا ایسا ہی ضروری امر تھا جیسے غزنویہ اور سلاجقہ کے عہد میں شاہنامہ کا اور صفویہ کے عہد میں حملۂ حیدری کا۔ اِس کے سوا مثنوی میں بھی صدہا عجیب و غریب قصّے اور فوق العادۃ نقلیں اور تمثیلیں جو انسان کو بالطبع مرغوب ہیں درج تھیں اور اُن میں شریعت اور طریقت کے اسرار بیان کئے گئے تھے۔ پس مثنوی میں شعر اور تصوّف کے علاوہ قصّہ کا لطف اور مذہب کی عظمت بھی شامل تھی۔ یہی باعث ہے کہ مولانا روم کے حق میں "نیست پیغمبر ولے دارد کتاب" اور مثنوی کے حق میں "ہست قرآن در زبانِ پہلوی" کہا گیا ہے۔

خواجہ حافظ کے دیوان میں عشق و جوانی اور رندی اور شاہدبازی کے مضامین کے سوا جو کہ دنیا میں ہمیشہ سے مرغوب رہے ہیں اور انسان کے دل کو بزور اپنی طرف کھینچتے ہیں اور کوئی مضمون ہی نہ تھا - اور اِس خیال نے کہ اُس میں عشق حقیقی کی واردات اور کیفیات عشق مجازی کے پیرایہ میں ادا کی گئی ہیں اوسکو اور بھی زیادہ دلچسپ اور دلربا کر دیا تھا - پس اِن تینوں کتابوں کا اِسقدر مقبول ہونا کچھ زیادہ تعجب کی بات نہ تھی +

گلستاں میں اِن وجوہ میں سے کوئی وجہ نہیں تھی نہ اُس میں رزم تھی نہ عجیب و غریب افسانے تھے - نہ فوق العادہ قصّے - نہ حقائق و معارف - نہ شریعت کے اسرار - نہ طریقت کے نکات - نہ غزل عاشقانہ - نہ قولِ عارفانہ بلکہ اُسکی بنیا محض اخلاقی پند و موعظت پر رکھی گئی تھی جس سے زیادہ کوئی پھیکا اور بے نمک مضمون خاصکر فارسی لٹریچر میں نہیں پایا جاتا - پند و موعظت جبتک قصّہ یا ناٹک کے پیرایہ میں نہ ادا کیجائے اکثر مخاطب کی وحشت اور تنفر کا باعث ہوتی ہے - کیونکہ انسان کی طبیعت میں یہ بات ودیعت کی گئی ہے کہ وہ کھُلی نصیحتوں سے متنفر اور چھپی نصیحتوں سے متاثر ہوتا ہے - پس گلستاں کا اِسقدر مقبول ہونا سوا اس کے کہ اُس کی فصاحت و بلاغت اور حسنِ بیان اور لطفِ ادا کو تمام فارسی لٹریچر میں بے مثل اور لاجواب تسلیم کیا جاے اور کسیوجہ پر محمول نہیں ہو سکتا +

گلستاں کی عظمت اور بزرگی زیادہ تر اس بات سے معلوم ہوتی ہے کہ جسقدر غیر زبانوں کا لباس اس کتاب کو پہنایا گیا ہے ایسا فارسی زبان کی کسی کتاب کو نصیب نہیں ہوا۔ خود شیخ ہی کے زمانہ میں گلستاں کے اکثر قطعات و ابیات اسقدر مقبول اور زبانوں پر جاری ہو گئے تھے کہ اُس زمانہ کے فُضلا اور اُدبا اُس کے اکثر اشعار عربی نظم میں ترجمہ کرکے اپنا زورِ طبع اور قدرت نظم عربی دکھاتے تھے ۔ چنانچہ ادیب نامدار فضل اللہ بن عبداللہ شیرازی نے بھی جو کہ شیخ کے اخیر زمانہ میں تھا اپنی مشہور تاریخ وصّاف میں گلستان کے دو قطعوں کا ترجمہ عربی میں نظم کیا ہے جو کہ مع اصل قطعات کے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے ۔

قطعۂ سعدی

گِلے خوشبوے در حمام روزے رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوے دلاویزِ تو مستم
بگفتا من گِلے ناچیز بودم ولیکن مُدّتے با گل نشستم
جمالِ ہمنشین در من اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

ترجمہ عربیہ

اذا اهوى فى الحمام طين مُطَيَّبٌ توصّل من ايدى كريم الى يدى
فقلتُ له هل انت مسكٌ وعنبارة فَاِنّي من ريّاك سكران معتدٍ
اجاب بانّي كنت طيناً مُذَلّلاً فجالست للورد الجنى بمعهد

فاشّو فی خُلقی کمال مجالسی　　وَاِلّا انا التِّرب الذی کنت فی ید

قطعۂ سعدی

گر خردمند زاجلاف جفاے بیند　　تا دلِ خویش نیازارد و درہم نشود
سنگِ بدگوہر اگر کاسۂ زرّیں شکست　　قیمتِ سنگ نیفزاید و زرکم نشود

ترجمہ عربیّہ

اِنْ نال نِدٌّ من الانذال منقصۃً　　حاشی لہ ان یذیب النفس بالضجر
فالتبرُ من حجر اذ صار منکسرًا　　فالبتر تبرٌ وما یزداد فی الحجر

پھر ایک مُدّت کے بعد تمام گلستاں کا ترجمہ جیسا کہ مشہور ہے عربی زبان میں ہوا جو کتنی صدیوں تک عرب۔ شام۔ روم اور مصر میں متداول رہا اور حال میں مصر کے ایک ادیب نے جسکا نام جبریل ہے اُسکا ایک اَور نہایت فصیح عربی ترجمہ نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں چھپوایا ہے۔ اِسکے سوا استنبول کی تُرکی میں بھی اُس کے مُتعدّد ترجمے ہُنے گئے ہیں۔ جن میں سب سے اخیر ترجمہ سلطان عبدالحمید خان کے بھائی اور ولیعہد رشاد پاشا نے حال ہی میں کیا ہے۔ یورُوپ میں گلستان اور بوستان کے جسقدر ترجمے ہوئے ہیں اُن کی ٹھیک ٹھیک تعداد معلوم ہونی مشکل ہے۔ مگر انگلش سائیکلوپیڈیا میں کسیقدر ترجموں اور اڈیشنوں کا ذکر کیا گیا ہے جو ۱۸۶۰ء تک چھپے اور شائع ہوئے اُسکا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے ؛

گلستاں کے ترجمے بوستاں کی نسبت بہت زیادہ ہوئے ہیں

سب سے پہلے جنٹیس نے اصل گلستان معہ لاطینی ترجمہ اور کسیقدر حواشی کے امسٹرڈم میں چھپوائی - پھر ڈورائر نے جو کہ فرانس کی طرف سے اسکندریہ میں کانسل تھا فرنچ میں اُسکا ترجمہ کیا جو ۱۶۳۴ء میں بمقام پیرس چھپا - اُسکے بعد اصل کتاب سے گاڈین نے ۱۷۸۹ء میں اور سیمالیٹ نے ۱۸۳۴ء میں ترجمہ کیا - یہ دونو ترجمے بھی فرنچ میں ہوئے تھے - جرمن زبان میں اولی ایریس کا ترجمہ زیادہ مشہور ہے وہ اُس کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ اس ترجمہ میں ایران کے ایک فاضل سے مدد لی گئی ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ میرے ترجمہ سے پہلے ڈورائر کے فرنچ ترجمہ سے ایک اور ترجمہ جرمن میں ہو چکا تھا - اولی ایریس کا ترجمہ نہایت ذی وقعت ہے اور اس میں جو تصویریں چھاپی گئی ہیں وہ بھی بہت عمدہ ہیں - یہ ترجمہ اول ۱۶۵۴ء میں بمقام سلیزوگ چھپا تھا اور اُسی سال جرمن سے ڈچ زبان میں ترجمہ ہو کر امسٹرڈم میں چھپا - اولی ایریس نے بوستان کا بھی ترجمہ جرمن میں کیا ہے - حال میں گلستان کا ایک اور ترجمہ کے - اچ - گراف نے جرمن میں کیا ہے جو ۱۸۴۶ء میں بمقام لیپزگ چھپا ہے - اسی مترجم نے بوستان کا بھی ترجمہ کیا ہے جسکا نام لسٹ گارٹن ہے اور جو ۱۸۵۰ء میں دو جلدوں میں چھپا ہے -

انگریزی میں گلستان کا ترجمہ ایک تو گلیڈون نے کیا ہے جو بمقام لندن ۱۸۰۸ء میں چھپا - دوسرا ترجمہ راس صاحب کا ہے جو ایشیاٹک سوسائٹی کے لئے کیا گیا تھا - ایک اور ترجمہ ایسٹوک نے انگریزی میں کیا ہے نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں جو ۱۸۵۰ء میں بمقام ہرٹ فورڈ چھپا تھا - یہ

ترجمہ نہایت عمدہ ہے -

سعدی کے کلیات فارسی و عربی چھوٹی تقطیع کے کاغذ پر ہیرنگٹن نے ۱۷۹۱ء مین چھپوائے تھے - اور گلیڈون نے صرف گلستان ۱۸۰۶ء میں چھپوائی جو دوبارہ ۱۸۰۹ء میں بمقام لندن مطبوع ہوئی - پھر ۱۸۰۷ء میں جین ڈیمولن نے گلستان مع اپنے ترجمہ کے کلکتہ میں چھپوائی جوکہ اسوقت سے ابتک کئی بار پتھر پر چھپ چکی ہے - پروفسر فاکنر نے فارسی خوان طلبا کے لئے بوستان کا نہایت عمدہ انتخاب کرکے چھپوایا ہے جسمین تقریباً تہائی کتاب داخل ہے اور بعض حکایات کے ترجمے حواشی سمیت ایشیاٹک جرنل میں مع متن کے چھاپے گئے ہیں - ڈاکٹر اے اسپرنگر نے ۱۸۵۱ء میں بمقام کلکتہ گلستاں مع اعراب اور علامات وقف کے چھپوائی تھی اور ایسٹوک نے بمقام ہرٹفورڈ ۱۸۵۰ء میں اسکو کئی قلمی نسخوں سے صحیح کرکے مع فرہنگ کے شایع کیا *

مذکورۂ بالا ترجموں اور اڈیشنوں کے سوا جنکا ذکر انگلش سائیکلوپیڈیا میں کیا گیا ہے اور بہت سے نئے ترجمے اور اڈیشن خصوصاً ۱۸۵۰ء کی بعد شائع ہوئے ہیں - ازانجملہ ۱۸۷۱ء میں جان پلیٹ انسپکٹر مدارس ممالک متوسطہ نے اصل گلستاں مع انگریزی فرہنگ کے حسن اہتمام اور صحت کے ساتھ لندن میں چھپوائی تھی - اور کپتان ولبرفورس کلارک نے بوستان کا انگریزی ترجمہ ۱۸۷۹ء میں کیا وہ لکھتے ہیں کہ یہ ترجمہ اُس نسخہ سے کیا گیا ہے جو جرمنی کے اورنیٹل سوسائٹی میں ۱۸۵۰ء میں چھپا

تھا۔ پھر حال ہی میں بوستان کی چیدہ حکایتوں کا ترجمہ میجر سیکنن نے نظم میں کیا ہے جسکا نام **فلورز فروم دی بوستان** رکھا ہے +

ہندوستان میں بھی متعدد زبانوں میں گلستاں کا ترجمہ ہوا ہے۔ از انجملہ میر شیر علی افسوس تخلص نے مارکوئس ولزلی گورنر جنرل کے عہد میں اُسکا اردو ترجمہ نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں لکھا ہے مگر چونکہ اُسوقت تک اردو زبان خوب منجھکر صاف نہوئی تھی اسلئے زمانۂ حال کے ترجمے جو اُسکے بعد ہوئے ہیں زیادہ صاف اور بامحاورہ اور فصیح ہیں۔ بنگالی اور گجراتی میں بھی گلستان کے ترجمے ہوئے ہیں مگر اُن کا مفصل حال معلوم نہیں ہے۔ بھاشا میں اوّل شمال مغربی اضلاع میں گلستاں کے آٹھویں باب کا ترجمہ کیا گیا تھا جسکی اشاعت کو تقریباً تیس برس گزری ہوں گے۔ اس ترجمہ کا نام مترجم نے پُشپ باٹکا (یعنی باغ کی ایک کیاری) رکھا ہے۔ اِسکے بعد ہمارے دوست پنڈت مہرچند داس مہاجن اگروال جینی مذہب متوطن قصبہ سونی پت ضلع دہلی نے حال ہی میں ساری گلستاں کا ترجمہ نظم کا نظم میں اور نثر کا نثر میں نہایت کوشش سے کیا ہے جو اَب تک شائع نہیں ہوا۔ اس ترجمہ کا نام پُشپ بَن رکھا ہے جو کہ لفظِ گلستاں کا مُرادف ہے۔ پنڈت صاحب نے پندنامہ شیخ یعنی کریما کا بھی بھاشا ترجمہ چوپائی وزن کی نظم میں لکھا ہے جسکا نام سِکشا پتری ہے۔

ترجموں کے علاوہ گلستاں بلکہ بوستاں کی بھی بہت سی شرحیں اور فرہنگیں لکھی گئیں ہیں جن میں سے خان آرزو کی خیابانِ گلستان اور ٹیک چند کی بہار بوستان زیادہ مشہور ہیں۔ علی الخصوص گلستاں کی قدر و منزلت ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں نے اپنی اپنی سمجھ اور اپنے اپنے خیالات کے موافق کی ہے۔ جس طرح اہلِ علم نے مختلف زبانوں میں اُسکے ترجمے کئے ہیں اور شرحیں وغیرہ لکھی ہیں یا اہلِ تعلیم نے فارسی تعلیم کی بُنیاد اُسپر رکھی ہے یا منشیوں نے اُس کے فقرات و ابیات سے اپنے منشآت کو زینت دی ہے اُسی طرح اُمرا نے اُسکے نسخے نہایت خوشخط لکھوا لکھوا کر اُن کو مُطلّے اور مُذہّب کرایا ہے۔ یہاں تک کہ ہمارے مُلک کے رئیسوں نے بھی جو درس و کتاب سے کچھ سروکار نہیں رکھتے اُسکی حد سے زیادہ قدر کی ہے۔ بعضوں نے ایک ایک نسخہ کی تیاری اور تزئین میں لاکھ لاکھ روپیہ کے قریب صرف کیا ہے۔ اگرچہ ان باتوں کو کتاب کی اصلی عظمت اور خوبی سے کچھ تعلق نہیں ہے لیکن گلستان کی عام قبولیت پر اس سے بڑھکر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے کہ ہندوستان کے رئیس اُسکو اسقدر عزیز رکھیں۔ گویا اپنے گانے پر کبھی ایسا فخر نہیں کرتا جیسا اُسوقت کرتا ہے کہ ایک اناڑیوں کی مجلس میں جا پھنسے اور اُنکو محظوظ کر کے اُٹھے۔

گلستاں کے ابواب کی عُمدہ ترتیب۔ اُسکے فقروں کی برجستگی۔ اُسکے الفاظ کی شستگی۔ اُسکے استعارات کی جزالت۔ اُسکی تمثیلات و

وتشبیہات کی طرفگی اور پھر باوجود اِن تمام باتوں کے عبارت میں نہایت سادگی
اور صفائی اسبات پر دلالت کرتی ہے کہ شیخ اپنی عمر عزیز کا ایک معتد بہ حصّہ
اُسکی تصنیف میں صرف کیا تھا اور اُسکی تنقیح وتہذیب میں اپنے نکتہ
اور سلیقہ سے پورا پورا کام لیا تھا۔ چنانچہ دیباچہ گلستان کے اخیر میں
اُسنے صاف کہا ہے کہ "برخے از عمرِ گرانمایہ بروخرج کردیم"، مگر دیباچہ ہی کی
ایک اور عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جس فصلِ بہار کے آغاز میں اُسکا
لکھنا شروع ہوا تھا وُہ ابھی ختم ہونے پائی تھی کہ کتاب تمام ہوگئی اور اکثر
لوگوں کا یہی خیال ہے کہ شیخ نے گلستاں چند مہینے سے زیادہ میں
نہیں لکھی مگر یہ بالکل غلط ہے۔ جو لوگ تصنیف کے درد سے آگاہ ہیں
وُہ جانتے ہیں کہ کلام میں لذّت اور قبولیت پیدا نہیں ہوسکتی جب تک کہ
اُس کے ایک ایک لفظ میں مُصنّف کے خونِ جگر کی چاشنی نہو۔ اور
جسقدر اُس میں زیادہ صفائی اور گھلاوٹ پائی جائے اُسیقدر سمجھنا چاہیے
کہ اُس کی درستی اور کاٹ چھانٹ میں زیادہ دیر لگی ہوگی۔ یُوروپ میں
اکثر نامی مُصنّفوں کے مسودے بہم پہنچا کر نہایت احتیاط اور حفاظت سے
رکھے گئے ہیں۔ چنانچہ اِٹلی کے شمالی حصّہ میں جو فریرا ایک بستی ہے وہاں
مشہور مُصنّف ایریسٹو کے مسودے ابتک موجود ہیں۔ اس مُصنّف کا کلام
سادگی اور صفائی اور بے تکلفی میں مشہور ہے مگر اُس کے مسودے دیکھنے
سے معلوم ہوتا ہے کہ جو فقرے لوگوں کو نہایت پسند آتے ہیں اور حد سی
زیادہ صاف ہیں وہ آٹھ آٹھ دفعہ کاٹے گئے ہیں۔ لارڈ مکالی جو انگلستان

کا نہایت مشہور اور مقبول مُصنّف ہے اُسکا ایک مسودہ لندن میوزیم میں رکھا ہے اُس میں بھی جابجا کاٹ پھانس اور حک و اصلاح پائی جاتی ہے۔ یہانتک کہ بعض فقرے دس دس دفعہ کاٹے گئے ہیں۔ ظاہراً شیخ نے جو گلستاں کے دیباچہ میں فصل بہار کا ذکر کیا ہے اُسکا مطلب یہ ہے کہ گلستاں کے لئے جو سرمایہ اُسنے سالہا سال میں جمع کیا تھا وہ پہلے سے اُسکے پاس نامرتب موجود تھا۔ جب وطن میں پہنچا تو دوستوں کی تحریک سے اُسکو مرتب کر دیا۔ یہ ترتیب فصل بہار کے آغاز سے شروع ہوئی اور اُس کے تمام ہونے سے پہلے ختم ہوگئی۔ گلستاں اور نیز بوستاں کی ترتیب جس سلیقہ سے شیخ نے کی ہے۔ اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ اُسکو اِس کام میں بہت وقت اُٹھانی پڑی ہوگی۔ اُسنے ان کتابوں میں زیادہ تر وہ واقعات لکھے ہیں جو خود اُسپر گزرے ہیں یا اُسکے سامنے پیش آئے۔ اور ہر ایک باب کی تکمیل کے لئے کسیقدر حکایتیں ایسی بھی لکھی ہیں جو کسی سے سُنیں یا کتابوں میں پڑھیں۔ اس تمام مجموعہ کو گلستاں میں آٹھ باب پر اور بوستاں میں دس باب پر تقسیم کیا ہے اور ہر ایک باب میں اُسکے مناسب حکائتیں درج کی ہیں اور ظاہراً علم اخلاق کی کوئی فرع ایسی نہیں ہے جو بقدر ضرورت ان میں سے ہر ایک کتاب میں بیان نہ کی گئی ہو۔ یہ بات تقریباً ایسی ہی مُشکل تھی جیسے کوئی شخص سیر و سیاحت کے واقعات ایسی ترتیب سے لکھے کہ اسمیں علم اخلاق کے ہر ایک باب کا مطلب اجمالاً یا تفصیلاً بقدر ضرورت آجائے۔ اِس ترتیب کی قدر اُسوقت معلوم ہو سکتی ہے کہ دونوں کتابوں کی اصل حکایتوں کو نامُرتب کرکے گڈ مڈ کر دیا جائے

اور ہر ایک حکایت سے جو نتیجے شیخ نے استخراج کئے ہیں وہ اُن میں درج نہ کئے جائیں اور پھر تمام مجموعۂ حکایات کو جُدا جُدا بابوں پر تقسیم کرایا جائے اور پوچھا جائے کہ وہ حکایت کون سے باب سے علاقہ رکھتی ہے اور پھر کون سے باب سے ۔

جس طرح ہر مُلک میں لٹریچر کی ابتدا نظم سے ہوتی رہی ہے اسیطرح ایران میں بھی اوّل شاعری کا ظہور ہوا تھا - اور دوسری صدی کے اخیر سے جبکہ اول ہی اوّل خواجہ عبّاس مَرْوَزی نے ماموں کی مدح میں فارسی قصیدہ لکھا - کئی صدیوں تک مُقتضائے وقت کے موافق صرف شاعری کو ترقی ہوتی رہی - فارسی نثر لکھنا اگرچہ ایک مُدّت کے بعد شروع ہوگیا لیکن شیخ کے زمانہ تک اُسکی کوئی عام شاہراہ مقرر نہیں ہوئی - اکثر سیدھی سادی عبارت عام روزمرہ اور بول چال کے موافق لکھی جاتی تھی یا اہلِ علم کسیقدر خواص کے روزمرّہ میں تحریر کرتے تھے - چنانچہ حکیم ناصر خسرو کا سفرنامہ جو کہ پانچویں صدی میں لکھا گیا اُس میں نہایت سبے تکلفی سے خواص کی معمولی بول چال میں حالات تحریر کئے گئے ہیں - اور بعض ادیب اور فاضل جن پر عربیّت غالب تھی اُن کے قلم سے بغیر فکر اور غور کے اکثر عربی لُغات اور اشعار وغیرہ فارسی تحریروں میں تراوش کرتے تھے - مگر نثر میں شاعرانہ شوخی اور جا دو بیدا کرنا اور اُس کے فقروں میں ایک خاص قسم کے وزن اور تول کا لحاظ رکھنا جاری نہوا تھا - خصوصاً کوئی اخلاقی کتاب عُمدہ نثر میں شیخ کے زمانہ تک ایسی نہیں لکھی گئی تھی جس میں اخلاق کا بیان واقعات

نفس الامری کے ضمن میں کیا گیا ہو۔ ۵۵۱ھ میں قاضی حمید الدین ابوبکر نے مقامات بدیعی اور مقامات حریری کی طرز پر فارسی میں مقامات حمیدی لکھی ہے اُس میں نہایت تکلّف اور تصنّع پایا جاتا ہے اُسکی بنیاد زیادہ تر صنائع لفظی پر لکھی ہے اور تمام کتاب بدیعی اور حریری کی طرح مُقفّٰی اور مُسجّع لکھی ہے اور جس طرح ان دونوں کتابوں میں فرضی قصّے وضع کئے گئے ہیں اُسی طرح اُس میں بھی محض خیالی افسانے لکھے ہیں جن میں گھٹانے بڑھانے اور ہر قسم کے تصرف کرنیکا اختیار مُصنّف کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے کوئی خیال اس کے سوا دل میں پیدا نہیں ہوتا کہ مُصنّف کو عربی لُغات پر بہت عبور تھا اور تجنیس و ترصیع اور دیگر صنائع لفظی کے برتنے پر کافی قدرت رکھتا تھا۔

ایک اور کتاب موسوم بہ قابوس نامہ پانچویں صدی ہجری کی تصنیف ہماری نظر سے گزری ہے جسکا مُصنّف قابوس[۱] بن سکندر مُلقّب بہ عنصر المعالی ہے یہ تمام کتاب اخلاق اور آدابِ معاشرت میں لکھی گئی ہے اس کا بیان بہت صاف اور سادہ ہے اور مضامین عُمدہ ہیں لیکن اس کے سوا کوئی ندرت یا دلفریبی اس کی عبارت میں نہیں پائی جاتی۔

---

[۱] یہ شخص دیالمہ آل زیار میں سے ایک بادشاہ ہے جس نے جرجان اور گیلان وغیرہ میں اکیس[۲۱] برس حکمرانی کی ہے اور ۴۰۳ ہجری میں وفات پائی۔

غرضکہ شیخ نے آنکھ کھولکر نثر کا کوئی ایسا عمدہ نمونہ نہیں دیکھا تھا جسکی نسبت یہ گمان کیا جائے کہ گلستاں کی بنیاد اُس پر رکھّی گئی ہوگی - حق یہ ہے کہ وہ خود ہی اس روش کا موجد تھا اور اُسی پر اُس کا خاتمہ ہوگیا *

اُسنے اپنی دونوں بے نظیر کتابوں میں برخلاف ایرانی نثّاروں کی اپنی بلند پروازی اور نازک خیالی ظاہر کرنی - یا اپنا تفلسف اور تبحّر علمی جتانا - یا عقل و عادت کے خلاف باتیں لکھکر لوگوں کا دل لُبھانا - اور عجائبات کا طلسم باندھکر خلقت کو حیرت میں ڈالنا نہیں چاہا - اُسنے دونو کتابوں میں باستثنا چند حکایتوں کے کوئی واقعہ ایسا نہیں لکھا جو عقل یا عادت کے خلاف ہو یا جسکو سُنکر کچھ زیادہ تعجب ہو - وہ اکثر اپنی آنکھ کی دیکھی یا کان سے سُنی یا کسی کتاب سے انتخاب کی ہوئی ایسی سیدھی سادی معمولی باتیں لکھتا ہے جو صبح سے شام تک ہر انسان پر گزرتی ہیں - عام حکایتیں جو ان دونوں کتابوں میں درج ہیں وہ اِس قبیل کی ہیں کہ مثلاً ایک بدمعاش سائل نے اپنے کو قرضدار ظاہر کرکے ایک بزرگ سے دو دینار حاصل کئے - لوگوں نے کہا یہ تو مکّار تھا اِسکو کچھ دینا نہیں چاہئے تھا - فرمایا اگر مکّار تھا تو میں اُس کے شر سے بچا ورنہ وہ اوروں کے شر سے بچا *

یا یہ کہ ایک بادشاہزادہ کے تاج کا لعل اندھیری رات میں ایک پتھریلی جگہ گر پڑا بادشاہ نے بیٹے سے کہا کہ پتھریوں میں سے لعل پایا چاہتا

ہے تو ہر پتھر ہی کو لعل سمجھکر غور سے دیکھ ۔ یا یہہ کہ میں چند درویشوں کے ساتھ روم میں پہنچا اور ہم سب ایک ذی مقدور شیخ کے ہاں اُترے ۔ اُس نے ہماری ہر طرح سے خاطر کی مگر کھانے کو کچھ نہ دیا +

ان سیدھی سادی حکایتوں کو وُہ ایسے لطیف اسلوب سے بیان کرتا ہے اور اُن سے ایسے پاکیزہ نتیجے استخراج کرتا ہے کہ ایک نہایت بے حقیقت بات حقیقت میں ایک نکتہ یا ایک دلچسپ قصہ معلوم ہوتا ہے +

گلستاں اور بوستاں کو پڑھکر دو باتوں میں سے ایک بات کا ضرور اقرار کرنا پڑتا ہے ۔ یا تو یہ کہ انتخاب کرنے میں شیخ کا مذاق ایسا صحیح تھا کہ جو حکایت وُہ اِن کتابوں میں درج کرنی چاہتا تھا اُس میں کوئی نہ کوئی لطیف اور چبھتی ہوئی بات ضرور ہوتی تھی اور یا یہہ کہ وہ اپنی خوش سلیقگی اور حُسنِ بیان سے ایک مُتبذل اور پیش پا افتادہ مضمون کو بھی اُسی قدر دلاویز طور پر بیان کر سکتا تھا جیسے ایک نرالے اور اچھوتے خیال کو +

تعجب ہے کہ شیخ کی گلستاں جو آیندہ نسلوں کے لئے نثرِ فارسی کا ایک لاجواب نمونہ تھی ایران میں اُس کے تتبُّع کا کسی نے خیال نہیں کیا یا یوں کہئے کہ کسی سے اُسکا تتبُّع نہیں ہو سکا ۔ اگرچہ شیخ کے بعد نثرِ فارسی کی ترقی یا وسعت انتہا کے درجہ کو پہنچ گئی اور نثر لکھنے پر ایسے ایسے جلیل القدر فاضلو نے کمر باندھی جنکا علم و فضل شیخ سے بمراتب فایق تر تھا مگر سب کی ہمت زیادہ تر

الفاظ اور صنائع لفظی پر مقصور رہی ٭

ایران میں سب سے بڑا نثّار فضل اللہ بن عبد اللہ شیرازی سمجھا جاتا ہے جو شیخ کے اخیر زمانہ میں ہوا ہے اسکی مشہور کتاب تاریخ وصاف سے بیشک اُسکا کمالِ علمی اور عربی و فارسی دونو زبانوں کی نظم و نثر پر بڑی قدرت معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ساری کتاب میں شاید ہی کوئی فقرہ ایسا نکلے جو متوسّط درجہ کی استعداد کا آدمی ڈکشنری کھولے بغیر سمجھ سکے یا جسکا اندازِ بیان دل میں جا کر چبھے ۷۱۲ھ ہجری میں جبکہ سلطان محمّد اولجائتو خاں خدابندہ کے حکم سے آذربیجان میں شہر سلطانیہ بنکر تیار ہو چکا اور اِس خوشی میں سلطان کی طرف سے تمام شہر کی دعوت کی گئی۔ اُس تقریب میں فضل اللہ بھی موجود تھا اور اُسی زمانہ میں اُسنے تاریخ وصّاف ختم کی تھی۔ اِس کتاب کی تقریب اور تعریف سلطان کے حضور میں کی گئی۔ سلطان نے اُسمیں سے کچھ متفرق فقرے پڑھنے کا حکم دیا اُسوقت دربار میں وزیر رشید الدّین اور قاضی القضاۃ نظام الدّین عبد الملک اور خواجہ اصیل الدّین طوسیؒ اور بڑے بڑے عالم اور فاضل موجود تھے فضل اللہ نے چند دعائیہ فقرے کہ اُن سے زیادہ سلیس اور آسان عبارت شاید تمام کتاب میں نہوگی خاص سلطان کے سُنانے کو لکھے تھے وہ پڑھنے شروع کئے۔ سلطان ہر فقرہ کے معنی رشید الدین وغیرہم سے پوچھتا تھا۔ یہہ لوگ اُس کی شرح بہت بسط کے ساتھ کرتے تھے تب سلطان کی سمجھ میں کچھ آتا تھا یا شرمے شرماے کچھ ہاں ہُوں کر دیتا تھا۔ یہ حال تاریخ وصّاف کی عبارت کا ہے۔ اُسکے بعد بھی زیادہ تر نثر لکھنے والوں نے اِسی بات میں کوشش کی ہے کہ اُن کی

نثر کے سمجھنے میں ناظرین کو طرح طرح کی دقتیں پیش آئیں اور اُن کے علم وفضل
اور ہمہ دانی کا اعتقاد دلوں میں پیدا ہو مگر یہ ارادہ بہت کم کیا گیا ہے
کہ مفید خیالات زُود فہم الفاظ اور دلاویز عبارت میں ادا کئے جائیں*
تین کتابیں میری نظر سے گذری ہیں جو شیخ کے بعد گلستاں کی
طرز پر لکھی گئی ہیں - ایک مولانا عبدالرحمن جامی کی بہارستان دوسری
مجدالدین[1] خوافی کی خارستان - تیسری حبیب[2] قاآنی شیرازی کی پریشان
سو اول ہم بہارستان کا ذکر کرتے ہیں - اگرچہ خارستان کو عبارت کی خوبی
اور جزالت کے لحاظ سے بہارستان کے ساتھ کچھ نسبت نہیں ہے - بلکہ اگر
میری رائے غلط نہ ہو تو خارستان کا طریقۂ تحریر اکثر جگہ اہل زبان کی روش سے
بیگانہ معلوم ہوتا ہے لیکن جب دونوں کو گلستان کے مقابلہ میں لایا جاتا
ہے تو جس طرح آفتاب کے سامنے چاند اور شمع دونو کی روشنی کافور ہو جاتی
ہے - اسی طرح بہارستان اور خارستان دونو کا رنگ پھیکا پڑ جاتا ہے
اور ایک کو دوسری سے بہتر کہنے کی کوئی وجہ نہیں رہتی - حکایتیں اور
روایتیں جو ان دونو کتابوں میں درج کی گئی ہیں وہ فی الحقیقت گلستان
کی حکایتوں سی بہت ملتی جلتی ہیں اور زیادہ تر مجدالدین خوافی نے اپنی کتاب کی

[1] یہ شخص اکبر کے عہد میں خراسان سے آیا تھا - خواف خراسان میں ایک مشہور بستی ہے -
کہتے ہیں کہ خارستان اُسنے اکبر کے حکم سے لکھی تھی ۱۲*

[2] یہ شخص زمانہ حال کا ایک نہایت مسلّم اور مقبول شاعر ہے جسکو اہل ایران خاتم الشعرا
سمجھتے ہیں - اسکی وفات کو چالیس برس سے زیادہ نہیں گذری ۱۲*

ابواب بھی اُسی طریقہ پر مرتب کئے ہیں - مگر شیخ کے حُسنِ بیان اور لُطفِ ادا نے گلستاں نے ایک خاص صورت پیدا کی ہے جسکے سبب سے وہ بالکل انوکھی اور نرالی چیز معلوم ہوتی ہے - ہرچند اس قسم کی ہمشکل اور ہمجنس کتابوں میں پُورا پُورا فرق اور امتیاز کرنا بغیر وجدان صحیح اور ذوق سلیم کے ممکن نہیں ہے - لیکن چند متحد المضمون فقروں کے مقابلہ کرنے سے کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے کہ کونسا اسلوب بیان زیادہ صاف اور پاکیزہ و دلاویز ہے اور کونسا کم - اس لئے چند ایسی مثالیں جو نہایت دقت اور جستجو سے بہم پہنچی ہیں - اس مقام پر نقل کی جاتی ہیں +

گلستان اور بہارستان کا مقابلہ

گلستان - اسکندر را پرسیدند کہ دیارِ مشرق و مغرب را بچہ گرفتی کہ ملوکِ پیشیں را خزائن و عمر و ملک و لشکر بیش از تو بود چنیں فتحے میسر نشد گفت بعونِ خدای عزوجل ہر مملکتے را کہ گرفتم رعیتش را نیازردم - و رسوم خیراتِ گذشتگاں باطل نکردم - و نام پادشاہاں جز بہ نکوئی نبُردم - **بیت** بزرگش نخوانند اہل خرد - کہ نامِ

بہارستان - اسکندر را گفتند بچہ سبب یافتی آنچہ یافتی از دولت و سلطنت و مملکت با صغرِ سن و حداثتِ عہد - گفت باستمالتِ دشمناں تا از غائلۂ دشمنی باز آمدند و بتعاہدِ دوستاں تا در قاعدۂ دوستی استحکام یافتند - **بیت** بایدت مُلکِ سکندر چون وے از حسنِ سیرت دشمناں را دوست گرداں دوستاں را دوست تر

بزرگاں بزشتی بَرد ۔ **قطعہ**

ایں ہمہ ہیچ ست چوں مے بگذرد ۔

بخت وتخت و امرونہی وگیرودار ۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن ۔ تا

بماند نام نیکت برقرار ۔

ان دونوں عبارتوں میں باعتبار فصاحت وبلاغت کے جو فرق ہے اُسکا فیصلہ زیادہ تر ذوقِ صحیح پر منحصر ہے مگر جسقدر قید بیان میں آسکتا ہے وہ لکھا جاتا ہے۔ لیکن اس سے محض گلستان کی فوقیت جتانی مقصود ہے نہ کہ بہارستان کی تنقیص کرنی ۔ **اوّل** "اسکندر را پرسیدند" اور "اسکندر را گفتند" میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ سوال کے موقعہ پر پرسیدن بہ نسبت گفتن کے زیادہ مناسب ہے **دوسرے** شیخ کے ہاں خزاین وعمر و ملک ولشکر چار لفظ ایک دوسرے پر معطوف ہیں اور کوئی لفظ حشو وبیکار نہیں ہے اور مولانا کے ہاں دولت سے اگر سلطنت مراد ہے تو سلطنت وملکت دونو ورنہ صرف لفظ مملکت حشو ہے اور صغرِ سِن کے بعد حداثتِ عہد بھی حشو ہے۔ **تیسرے** شیخ کے بیان میں سوال کرنے کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ باوجود کمی لشکر وملک وعمر دیار کو مشرق ومغرب کو فتح کرنا تعجب سے خالی نہ تھا ۔ اور مولانا کے ہاں سوال کی وجہ ایسی ظاہر نہیں ہے کیونکہ تھوڑی سی عمر میں بہتیرے لوگوں نے دولت اور سلطنت حاصل کی ہے **چوتھے** سکندر کا جواب جو شیخ نے نقل کیا ہے اسمیں ہرگز اس سے زیادہ اختصار کی گنجایش نہ تھی ورنہ سکندر کا جواب ناتمام رہتا ۔ اور جو جواب مولانا نے

نقل کیا ہے وہ ان لفظوں میں ادا ہو سکتا تھا "بہ استمالت دشمناں و تعاہد دوستاں" اس سے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی - **پانچویں** شیخ نے جو نتیجہ حکایت کے مضمون سے نکالکر اشعار میں بیان کیا ہے وہ کئی وجہ سے مولانا کے نتیجہ کی نسبت زیادہ بلیغ ہے - شیخ کا نتیجہ لازمی ہے - اور مولانا کا نتیجہ غیر لازمی کیونکہ یہ ضرور نہیں ہے کہ جو شخص دشمنوں کو دوست اور دوستوں کو زیادہ دوست بنالیگا اُسکو ضرور سکندر کیسی سلطنت حاصل ہو جائے گی - اس کے سوا مولانا نے حقیقت میں کوئی نتیجہ نہیں نکالا بلکہ حکایت کا خلاصہ ایک بیت میں دوبارہ بیان کر دیا ہے - اور شیخ نے جو نتیجہ نکالا ہے وہ ایک اچھوتا مضمون ہے کہ جب تک بیان نہ کیا جاے ہر شخص کا ذہن وہاں تک انتقال نہیں کر سکتا - نیز شیخ نے ایسا حاوی نتیجہ نکالا ہے جو تمام مخلوق کو شامل ہے کیونکہ سلف کی تعظیم اور ادب اور اُن کے محاسن و کمالات کی قدر کرنی ہر شخص کے حق میں مُثمر برکات ہے اور مولانا کا نتیجہ صرف سلاطین اولوالعزم کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ مُلک سکندر کی خواہش اُنکے سوا اور کسیکو نہیں ہوتی +

گلستان رازیکہ نہاں خواہی باکس درمیان منہ اگرچہ دوست باشد کہ مرآں دوست را نیز دوستان باشند و ہمچنیں مسلسل **قطعہ** خامشی بہ کہ ضمیر دل خویش - باکسے گفتن و گفتن کہ مگوے + اے سلیم آب ز سر چشمہ

بہارستان اسرار نہان خود را باہیچ دوستے درمیاں منہ زیرا کہ بسیار بود کہ در دوستی خلل افتد و بہ دشمنی بدل گردد **قطعہ** اے پسر ترسے کش از دشمن نہفتن لازم ست بہ کہ از افشاے آں با دوستی کم دم زنی

ببند - کہ چو پُر شد نتواں بستن جوے

بیت سخنے در خلا نباید گفت +
کاں سخن بر ملا نشاید گفت +

دیدام بسیار کز سیر سپہر کج نہاد +
دوستاں دشمن شوند و دوستیہا
دشمنی **قطعہ** ہر سر سپہر کہ افتد
بخاطرت + سُرعت مکن بموج بیانش
نگاشتن + ترسم شود غرامت
اظہار آں ترا + مشکل تر از ندامت
پوشیدہ داشتن +

اس مثال میں بھی گلستاں کا بیان بہارستاں کی نسبت چند وجوہ سے زیادہ بلیغ ہے - ۱- شیخ کہتا ہے "رازیکہ نہاں خواہی" یعنی جب بھید کو چھپانا منظور ہو اُسے کسی سے نہ کہو - اور مولانا کہتے ہیں "اسرار نہاں خود را" یعنی اپنے پوشیدہ بھیدوں کو ظاہر نہ کرو - حالانکہ بعضے بھید کیسے ہی پوشیدہ ہوں ایک مدت کے بعد کہنے کے لائق ہو جاتے ہیں مگر جنکا چھپانا منظور ہوتا ہے وہ کبھی کہنے کے لائق نہیں ہوتے - ۲- شیخ کہتا ہے "باکس درمیان منہ اگرچہ دوست باشد" اور مولانا کہتے ہیں "باہیچ دوستے درمیان منہ" پہلے بیان میں دوست اور غیر دوست سب سے راز کہنے کی ممانعت ہے مگر دوسرا بیان جب تک اِس طرح نہو "با دوست ہم درمیان منہ" تب تک اُس میں تعمیم پیدا نہیں ہوتی ۳- شیخ نے راز نہ کہنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اُسکے بھی دوست ہوں گے اور اُن دوستوں کے بھی دوست ہوں گے اور یہ سلسلہ اسی طرح چلا جائیگا - پس جبکہ ہی چپکے راز جمہور میں پھیل جاسکتا - مولانا نے یہ وجہ بیان کی ہے کہ شاید دوستی

میں خلل آجائے اور دوست دشمن ہو جائے۔ اگرچہ مطلب دونوں صحیح ہیں لیکن پہلی وجہ زیادہ موجّہ ہے کیونکہ یقیناً کوئی شخص دوستوں سے خالی نہیں ہوتا اور دوستی میں فرق آجانا کبھی ہوتا ہے کبھی نہیں ہوتا ۴ ۔ شیخ کا قطعہ بلاغت میں مولانا کے قطعہ سے بمراتب افضل اور فایق تر ہے۔ پہلی بیت میں اُسنے انسان کی ایک ایسی غامض اور دقیق خصلت کی طرف اشارہ کیا ہے جو عام نظروں سے مخفی ہے وہ کہتا ہے

خامشی بہ کہ ضمیر دل خویش　　　　با کسے گفتن وگفتن کہ مگوے

یعنی کسی سے اپنا بھید کہکر اُسکو افشاے راز سے منع کرنا کچھ مفید نہیں ہے کیونکہ انسان ممنوعات پر زیادہ حریص ہوتا ہے اسلئے اب اُسکو ضبط راز کرنا اور بھی مشکل ہوگا۔ پس اُس سے خاموشی ہی بہتر ہے۔ دوسری بیت میں ایک نہایت لطیف اور واضح مثال سے مطلب کو خاطر خواہ دلنشین کیا ہے۔ مولانا کے قطعہ میں کوئی خوبی اس مضمون کے سوا نہیں ہے کہ جو راز دشمن سے چھپانا چاہیے اُسے دوست سے بھی چھپانا چاہیے۔ مگر ساتھ افشا کا لفظ زاید معلوم ہوتا ہے کیونکہ "از آن دم زنی" کی جگہ "از افشاے آں دوم نزنی کہا گیا ہے" اور قطعہ کا اخیر مصرعہ بھی حشو یا تکرار سے خالی نہیں ہے۔ دوستوں کا دشمن ہو جانا اور دوستی کا دشمنی ہو جانا فی الحقیقت ایک ہی بات ہے ۵ ۔ قطعہ کے بعد شیخ نے ایک فرد لکھی ہے جو فی الواقع سہل ممتنع ہے یعنی

سخنے در خلا نباید گفت　　　　کاں سخن بر ملا نشاید گفت

یہ دھوکا اکثر اشخاص کو ہو جاتا ہے کہ جب صحبت میں کوئی غیر جنس نہیں ہوتا

تو ناگفتنی باتیں کہنے لگتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم تخلیہ میں گفتگو کر رہے ہیں اس سے اغیار مطلع نہیں ہو سکتے حالانکہ وہ باتیں ضرور رفتہ رفتہ منتشر ہو جاتی ہیں - اس مجرّب اور سچے مضمون کو جو کسی قدر دقیق بھی تھا ایسے صاف طور سے بیان کیا ہے کہ اس سے زیادہ بیان کی صفائی ممکن نہیں - پھر خلا اور ملا اور ورا اور برا کا مقابلہ اور صنعت و قافیتین اسکے علاوہ ہے - مولانا نے کوئی فرد نہیں لکھی مگر ایک دوسرا قطعہ لکھا ہے یعنی "ہر سرے کہ بمہر کرد افتاد بخاطرشت الخ" اس میں پہلے مصرع سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو راز سربستہ یہ ہے خیال یا دل میں گزرا اور مطلب یہ ہے کہ جو بھید تیرے دل میں موجود یا ستر ہو۔ پھر "گنج بیانش نگاشتن" کا لفظ "وراظہار آں" کی جگہ لایا گیا ہے جس میں نہایت تکلف ہے۔ پھر اخیر مصرع میں ندامت کا لفظ شاید بے محل ہے کیونکہ اخفا سے راز سے کبھی ندامت نہیں ہوتی باوجود ان تمام باتوں کے دونوں مثالوں میں شیخ کے ہاں کوئی لفظ غریب یا غیر مانوس نہیں معلوم ہوتا اور مولانا کے ہاں اکثر الفاظ بمقابلہ گلستان کے الفاظ کے غریب معلوم ہوتے ہیں جیسے صداشت عہد - غائم - تعاہد - بموج بیانش نگاشتن - غرامت ۔

گلستان اور خارستان کا مقابلہ

مثال

گلستان - حکیماں دیر دیر	**خارستان** - ہر کہ در گرسنگی طاقت
خورند و عابداں نیم سیر و زاہداں	نیارد باید کہ سر یک شکم را از طعام پر کند
تا سدِ رمق و جواناں تا طبق برگیرند	و سر یک دیگر از آب و سر یک دیگر

ویراں تا غرق کنند۔ امّا قلندراں
چنداں خورند کہ در معدہ جائے نفس
نماند و بر سفرہ روزی کس **بیت**
اسیر بند شکم را دو شب نگیرد خواب
شبے ز معدۂ سنگی شبے ز دلتنگی

از برائے نفس زدن رہا کنند۔ امّا
صوفیانِ وقتِ ما مے گویند کہ تو ہمہ
شکم را از طعام پُر کن۔ آب خود چیز
لطیف است خود را جائے میکند کہ
لطیفاں را جائے کم نباشد۔ و نفس را
جائے گو مباش **بیت** بشنو کہ چہ
گفت صوفیِ پرواری۔ چوں سیر شدی
چراغم جاں واری ٭

مثال ۱۳

گلستان عالم ناپرہیزگار کورے
مشعلہ دار است یہتدی بہٖ و
هو لا یهتدی **بیت** بیفائدہ
ہر کہ عمر در باخت۔ چیزے نخرید و زر
بینداخت ٭

خارستان۔ علم با عمل ہمچو طعام
با نمک است ہر کرا ہر دو ہست نعمتے
تمام وارد۔ و طعامِ بے نمک را چہ
تواں کرد **بیت** عمل بے علم
نامضبوط باشد ٭ ہمیشہ شرط با
مشروط باشد ٭

مذکورۂ بالا مثالوں کو دیکھکر غالباً ہر شخص جو فارسی زبان سے فی الجملہ آشنا ہے بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ خارستان کی عبارت گلستان کے مقابلہ میں کسقدر کم وزن اور بے وقعت ہے اسی لئے ہم اس مقام کو ناظرین کے مذاق اور تمیز پر چھوڑ دیتے ہیں اور زیادہ نکتہ چینی کرنیکی ضرورت نہیں دیکھتے ٭

پریشان کا مصنف مرزا حبیب قاآنی کتاب مذکور کے خاتمہ کے
اشعار میں تصریح کرتا ہے کہ اسکی عمر تیس برس سے بھی دو تین برس کم تھی جب
یہ کتاب اُسنے لکھی ہے - اور شیخ نے گلستان کو سن کہولت اور اوائل
سن شیخوخت میں مرتب کیا ہے - پس اگر قاآنی سے گلستان کا پورا پورا
تتبع نہو سکا تو کچھ تعجب نہیں کیونکہ ایک ایسی کتاب کا سرانجام کرنا جس کی بنا
محض حکمت اور تجربت پر ہونی چاہئے شیخ کے مقابلہ میں ایک نوجوان
ناتجربہ کار کی طاقت سے باہر تھا - بلکہ اگر میری راے غلط نہو تو بڑی عمر میں
قاآنی سے گلستاں کا جواب اتنا بھی لکھا جانا مشکل تھا کیونکہ اُس کی تمام
عمر قصیدہ گوئی میں صرف ہوئی ہے جسمیں محض خیالی ڈھکوسلے باندھنے
اور الفاظ تراشی کے سوا حقیقت اور واقعیت سے کچھ غرض نہیں ہوتی -
پس جسقدر قصیدہ گوئی میں اُس کو مشق و مہارت زیادہ بڑھتی جاتی تھی
اُسی قدر بیان حقائق اور واقعہ نگاری کا ملکہ اُس سے سلب ہوتا جاتا تھا -
قاآنی نے بھی گلستاں کی طرح پریشاں کی عبارت دلچسپ اور دلاویز کرنی
میں بہت کوشش کی ہے مگر سوا اس کے کہ تمام کتاب کو ہزل اور فحش سے
بھر دیا اور چند اوباش اور بیباک نوجوانوں کی ضیافتِ طبع کا سامان مُہیا کر دیا
اور کچھ اُس سے نہیں ہوسکا - خاتمہ کتاب کے سوا جس میں اُسنے ابناے
ملوک کے لئے پند پند کر کے کچھ نصیحتیں لکھی ہیں تمام کتاب میں وہ حکایتوں
کی بنیاد اکثر نہایت غلیظ فحش یا سخیف ہزل پر رکھتا ہے جس کے پڑھنے سے
شرم آتی ہے اور طرہ یہ کہ پھر اُس سے نتائج عارفانہ اور متصوفانہ استخراج

کرتا ہے یہی سبب ہے کہ پریشان کا خاتمہ جس میں شوخی و ظرافت کا کچھ سامان نہیں ہے باب ہشتم گلستان کے مقابلہ میں نہایت پھیکا اور بے مزہ معلوم ہوتا ہے۔ تمام خاتمہ میں شاذونادر ہی کوئی مضمون ایسا ہوگا جسمیں کوئی ندرت پائی جاے۔ عبارت بیشک عمدہ ہے مگر شیخ کی جادو بیانی کا کہیں نشان نہیں پایا جاتا۔ عام نصائح جو خاتمہ میں درج ہیں وہ اِس قبیل کی ہیں " پند بادشاہ باید سخن سخن چیناں اعتماد نکند پند بادشاہ باید دین را توقیر کند و دشمنانِ دین را تحقیر فرماید پند بادشاہ باید از خدا غافل نماند تا خداے از و غافل نباشد پند پادشاہاں را در نظام ممالک دست دُرافشاں بکار است و تیغ سرافشاں بیت تا کہ بداں دوستاں شوند فراہم + تا کہ بدیں دُشمناں شوند پریشاں " اور اگر کہیں عبارت میں اِس سے زیادہ حُسن پیدا کرنا چاہتا ہے وہاں حقیقت سے دور جا پڑتا ہے۔ مثلاً " پند بادشاہ باید تواضع کند و تکبر نفرماید کہ تواضع صفتِ اتقیا ست و تکبر صفت اشقیا۔ و من گفتہ ام اہل تکبر را در نطفہ غش ست چہ سرکشی صفتِ آتش است و شیطان از آتش بود۔ و اہل تواضع را نطفہ پاکست چہ افتادگی صفتِ خاک ست و آدم از خاک بود۔ اِس پند کے پہلے حصّہ میں ظاہر ہے کہ کوئی اچھوتا مضمون نہیں ہے اور دوسرے حصّہ میں جو اُسنے کچھ ندرت پیدا کرنی چاہی ہے وہ محض ایک شاعرانہ خیال ہے اور وہ بھی اچھی طرح بیان نہیں ہوسکا۔ اِسی مضمون کو شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے بوستان میں اسطرح بیان کیا ہے

ز خاک آفریدت خداوندِ پاک | پس اے بندہ افتادگی کن چو خاک
حریص و جہانسوز و سرکش مباش | ز خاک آفریدندت آتش مباش
چو گردن کشید آتش ہولناک | بہ بیچارگی تن بینداخت خاک
چو آں سرفرازی نمود ایں کمی | ازاں دیو کردند ازیں آدمی

البتہ جو عذر کہ قاآنی نے پریشان کے دیباچہ میں کیا ہے اور گلستاں کے مقابلہ میں کتاب لکھنے سے اپنا عذر ظاہر کیا ہے اُس سے اُس کا نہایت انصاف اور گلستان کی قدر شناسی ثابت ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسنے احباب کے نہایت سخت جبر سے پریشان کے لکھنے پر قلم اُٹھایا تھا۔ وہ لکھتا ہے " کہ ایک نہایت عزیز دوست نے اصرار کیا کہ گلستاں کی طرز پر نظم و نثر میں ایک کتاب لکھنی چاہئے۔ میں نے کہا۔ بھائی توبہ کرو! میں! اور شیخ کی طرز پر کتاب لکھنے کا ارادہ کروں؟ مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کرکے کذاب کے سوا اور کچھ خطاب نہیں پایا میں نے مانا کہ جگنو رات کو چمکتا ہے لیکن کیا وُہ چاند کی برابری کر سکتا ہے؟ شیخ کی گلستاں ایک باغ ہے جسکے ہر پھول کی پتی کے ہزاروں بہشت غلام ہیں اور اہلِ معنی کی جان قیامت تک اُس کی حیات بخش خوشبو سے زندہ ہے۔ آخر جب اُسنے نہ مانا اور میرے انکار سے اُس کا اصرار بڑھتا گیا تو مجبوراً کچھ نظم و نثر اور جدّ و ہزل ترتیب دی گئی اور یہ سمجھا گیا کہ اگرچہ چڑیا پرواز میں شہباز کی برابری نہیں کر سکتی لیکن اُسکو بھی چارنا چار اُڑنا ہی پڑتا ہے" ۔

اب ہم چند ایسے فقرے گلستان اور پریشان سے انتخاب کر کے لکھتے ہیں جو مُتّحِد المضمون ہیں +

گلستان اور پریشان کا مُقابلہ

گلستان - اے فرزند دخل آب روان ست و خرج آسیای گرداں - یعنی خرج فراواں کردن مُسلّم کسے راست کہ دخلے معیّن دارد **قطعہ** چو دخلت نیست خرج آہستہ ترکن - کہ میگویند ملّاحاں سرودی + اگر باراں بکوہستاں نبارد - بسالے دجلہ گردد خشک رودے +

پریشان - دخل سرچشمہ ایست و مخارج جوئے چند کہ آب سرچشمہ در انہار جاری ست - ولاشک چوں سرچشمہ مسدود شود جوہا خشک شود پس ہر کس آب در جو جاری خواہد سرچشمہ را رعایت کند +

ایضاً خرج باندازۂ دخل باید کرد نہ آنکہ خرج معلوم باشد و دخل موہُوم چہ ایں معنی نہایت نامعقول ست کہ بار در پیش قدم و بارگیر در حیز عدم باشد **قطعہ** اَلا اے آنکہ خرجت ہست موجُود - بکارت مے نیاید دخلِ معدوم + شنیدستی کسے از بہرِ جولاں + نشیند بر فرازِ اسپِ موہُوم +

اس مثال میں گلستان سے صرف ایک عبارت اور پریشان کے دو مختلف مقامات سے دو عبارتیں ایک ہی مضمون کی نقل کی گئی ہیں مگر شیخ کا بیان قاآنی کی دونوں عبارتوں سے زیادہ بلیغ ہے لیکن جو فرق بہت باریک اور نازک ہیں اُن کا بیان کرنا اوّل تو مشکل ہے دُوسرے یہ امید نہیں کہ ناظرین اُسکو غور سے دیکھیں گے۔ اسی لئے صرف ایسے فرق بتائے جاتے ہیں جو زیادہ روشن اور صاف ہیں۔ شیخ کے بیان میں مخاطب کو فرزند کے ساتھ تعبیر کرنا عین مقتضائے مقام ہے۔ ایک تو اظہار شفقت جو ناصح کے لئے ضرور ہے۔ دوسرے یہ جتانا کہ نوجوان ہی اکثر اس نصیحت کے مُحتاج ہوتے ہیں۔ پھر دخل و خرچ کی تشبیہ آب رواں اور پنچکی کے ساتھ کیسی عُمدہ تشبیہ ہے کہ جسقدر نرالی ہے اُسیقدر ٹھیک تُلی بھی ہے۔ پنچکی بھی بدون آب رواں کے نہیں چلتی اور خرچ بھی بغیر آمدنی کے نہیں چلتا۔ پنچکی بھی پانی کے بند ہو جانے پر کسی عارضی قوّت سے نہیں چلائی جاتی ہے تو اُس کی گردش عارضی اور بے ثبات ہوتی ہے۔ خرچ بھی جو بدون آمدنی کے اندوختہ وغیرہ سے چلتا ہے بے بُنیاد اور ناپائدار ہوتا ہے۔ پھر اس تمام مطلب کو جو کہ ہمنے تشبیہ کے معنی سمجھانے کے لئے لکھا ہے شیخ نے اِن مُختصر اور جامع لفظوں میں ادا کیا ہے "یعنی خرچ فراوان کردن مُسلّم کسے راست کہ دخلے معیّن دارد" اسکے بعد قطعہ میں ایک نہایت بدیہی مثال دیکر بے بُنیاد خرچ کا مآل ہر شخص کو آنکھوں سے مشاہدہ کرا دیا ہے اور اُس مقولہ کو ملّاحوں کی طرف منسوب کرکے یہ جتایا ہے کہ یہ ایسی بدیہی بات ہے کہ دجلے کے کنارے پر ہمیشہ ملّاحی گیتوں میں گائی جاتی ہے

قاآنی نے آمدنی کو منبع سے اور اخراجات کو ندیوں سے تشبیہ دی ہے تشبیہ یہ بھی عمدہ ہے مگر یہ شیخ کی اُس تمثیل سے ماخوذ ہے جو اُسنے قطعہ میں بیان کی ہے لیکن چونکہ یہ تمثیل نہایت موٹی اور معمولی تھی اسلئے شیخ نے اُسکو ملاحوں کی طرف منسوب کیا ہے اور قاآنی کو یہ بات نہیں سوجھی ۔ پھر قاآنی کے بیان سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ سرچشمہ کے بند ہوتے ہی ندیاں خشک ہو جاتی ہیں ۔ اور شیخ کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسیقدر مدت کے بعد خشک ہوتی ہیں اور فی الواقع ایسا ہی ہوتا ہے جیسا شیخ نے لکھا ہے ۔ پھر شیخ نے منبع کے بند ہو جانے کو قدرتی اسباب یعنی امساک باران کی طرف مستند کیا ہے اور یہ کہا ہے " اگر باراں بکوہستاں نبارد " اور قاآنی کہتا ہے کہ جو شخص ندی جاری رہنا چاہے وہ سرچشمہ کی خبر رکھے یعنی اُسکو بند نہونے دے حالانکہ یہ امر انسان کی طاقت سے باہر ہے ۔ پھر قاآنی نے تمثیل سے نتیجہ یہ نکالا ہے کہ جو شخص ندی کا جاری رہنا چاہے وہ سرچشمہ کی خبر رکھے ۔ اگرچہ مطلب اس سے بھی مفہوم ہو جاتا ہے لیکن اس جگہ مقتضائے مقام کے موافق اُسکو یہ کہنا چاہیے تھا کہ جو شخص ہمیشہ اپنا خرچ جاری رکھنا چاہے اُسکو آمدنی پر نظر رکھنی چاہیئے کیونکہ تمثیل اسی مطلب کے سمجھانے کو دی گئی ہے نہ اسبات کے سمجھانے کو کہ اگر ندی میں پانی جاری رہنا چاہو تو سرچشمہ کی خبر رکھو ۔ دوسری عبارت کو قاآنی نے اس جملہ سے شروع کیا ہے " خرج باندازہ دخل باید کرد " اسکے بعد وہ کہتا ہے " نہ آنکہ خرج معلوم باشد و دخل موہوم " یہ دوسرا جملہ اُس نے مقتضائے مقام کے موافق نہیں بلکہ اپنی حالت کے موافق لکھا ہے کیونکہ سُنا گیا ہے کہ وہ اکثر جشن وعید وغیرہ کے موقعوں پر دخل موہوم یعنی قصاید کے صلہ

کی توقع پر قرض لیکر خرچ کر لیا کرتا تھا ورنہ مقتضائے مقام یہ ہونا چاہیئے تھا۔ "نہ آنکہ دخل اندک باشد و خرچ بسیار"، یا "نہ آنکہ دخل پنج باشد و خرچ دہ" یا اور اِسی مضمون کا کوئی جملہ ہوتا کیونکہ آمدنی کے موافق خرچ کرنے کا مفہوم مخالف یہی مضمون ہوسکتا ہے۔ اِس کے سوا وہ مضمون فی نفسہ صحیح بھی نہیں ہے۔ کیونکہ دخلِ موہوم کی امید پر خرچ کرنا خاص خاص صورتوں کے سوا کسیکے نزدیک مذموم نہیں ہے۔ تمام تاجر اور کاشتکار اور مُدبّران ملک دخل موہوم ہی کے بھروسے پر لکھو کھا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ پھر ایسے خرچ کو جو دخل موہوم کی امید پر کیا جائے موہوم یا معدوم گھوڑے پر سوار ہونے سے کچھ مناسبت نہیں معلوم ہوتی معدوم گھوڑے پر بے شک کوئی سوار نہیں ہوسکتا لیکن دخل موہوم کی امید پر جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہزاروں آدمی خرچ کرسکتے اور کرتے ہیں۔

مثال

گلستان۔ خشم بیش از حد گرفتن وحشت آرد و لطفِ بیوقت ہیبت ببرد نہ چنداں درشتی کن کہ از تو سیر گردند و چنداں نرمی کہ بر تو دلیر **ابیات** درشتی و نرمی بہم در بہ است۔ چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ است ۔ درشتی نگیرد خردمند پیش ۔ نہ سستی کہ نازل کند قدرِ خویش ۔ **نظم** جوانے با پدر گفت اے خردمند۔ مرا تعلیم کن پیرانہ

پریشاں۔ کسانیکہ ظرافت و شوخی بسیار کنند با نہایت رقیق القلب و وسیع الخلق باشند سرداری و سالاری لشکر را نشایند۔ چہ ایں صفات موجب جسارتِ لشکریاں شود و گاہ باشد کہ کہ ہر چہ گوید بہ ظرافت و شوخی حمل کنند و نیز اندک مہربانی و وسعتِ خلق لازم است کہ لشکریاں را بیم خشم و بستن نباشد۔ و دور نیست کہ از بیم خشم و

یک پند + بگفتا نیکمردی کن نہ چنداں
کہ گردد چیرہ گرگ تیز دنداں +

گوش بحقوق نعمت بادشاہ فراموش
کنند و در مخالفت ہمزباں شوند و
در وقت کار سستی کنند تا کار فاسد
شود مثنوی کسے را کہ شد حکراں
بر سپاہ + دو خصلت ہمیداشت باید
نگاہ + عتابے نہاں اندر و صد خطاب
خطابے نہاں اندر و صد عتاب +
بہر نوش او نیش تا جاں گداز + بہر
نیش او نوشہا دلنواز + بیکدست
شمشیر زہر آب دار + بیک دست دریائے
گوہر نثار +

اِس مثال میں گلستاں اور پریشاں کے مضمون میں کسقدر فرق ہے گلستاں میں کسی خاص گروہ کی تخصیص نہیں ہے اور پریشاں میں لشکر کے افسروں اور سپہ سالاروں کی تخصیص ہے اسلئے پورا پورا مقابلہ نہیں ہوسکتا لیکن چونکہ نفس مضمون متحد ہے اِسواسطے کچھ کچھ پہلو مقابلہ کے نکل سکتے ہیں۔ شیخ کا بیان لفظاً و معنیً قاآنی کے بیان سے بمراتب فائق تر ہے۔ اول تو شیخ کے فقروں میں ایک خاص قسم کا وزن اور توازن ہے جو قاآنی کے فقروں میں نہیں ہے۔ نثر میں ایسا تناسب بشرطیکہ معنی مقصود اور فصاحت و بلاغت میں کچھ فرق نہ آنے پرلے درجہ کا کمال انشاپردازی اور اعلیٰ سے اعلیٰ رتبہ کی شاعری ہے۔ شیخ کے چاروں

فقروں میں الفاظ متقابلہ ایسی خوبی سے واقع ہوئے ہیں کہ معنی مقصود کو اُن سے اور زیادہ رونق ہو گئی ہے۔ یعنی خشم اور لطف۔ بیش از حد اور بے وقت۔ وحشت اور ہیبت۔ آرد اور ببرد۔ درشتی اور نرمی کو جو فصّاد کی حالت سے تمثیل دی ہے وہ کیسی بلیغ ہے اور کسقدر مختصر لفظوں میں ادا کی گئی ہے۔ اور دوسری بیت میں کتنا وسیع مضمون دو مصرعوں میں بیان کیا ہے یعنی یہ کہ درشتی کو اپنا شعار بنا لینا اور کبھی نرمی نہ برتنا جیسا کہ افزا پیش گرفتن سے مستفاد ہوتا ہے اچھا نہیں ہے کیونکہ عقلمند ایسا نہیں کرتے اور بالکل نرمی ہی نرمی برتنا اور کبھی درشتی نکرنا جیسا کہ سستی کے لفظ سے مفہوم ہوتا ہے یہ بھی اچھا نہیں ہے کیونکہ اس سے انسان نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے۔ پھر دوسری نظم میں صرف اتنی سی بات کو جنکی بے محل کرنی نہیں چاہیئے خصوصاً چنداں کا قافیہ متناسب اور موزون لانیکے لئے کس مطلب کو کن لفظوں میں ادا کیا ہے۔ قاآنی کی نثر میں بمقابلہ شیخ کی نثر کے کوئی خوبی جو قابل ذکر ہو نہیں پائی جاتی۔ اور نظم میں بھی حقیقت اور معنی کی نسبت الفاظ کی چمک دمک زیادہ ہے۔ چونکہ دونو عبارتوں میں فرقِ بیّن معلوم ہوتا ہے اسلئے پریشان کی عبارت میں زیادہ نکتہ چینی کرنیکی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اب ہم ان اضافی خوبیوں کا بیان چھوڑ کر گلستان کے ذاتی محاسن کی طرف پھر متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی عمدہ خاصیتوں میں سے ایک یہ خاصیت بھی فارسی لٹریچر میں نہایت عجیب اور قابل لحاظ ہے کہ فارسی اور اردو کی تحریر و تقریر میں جسقدر گلستان کے جملے اور اشعار اور مصرعے

ضرب المثل ہیں اور کسی کتاب کے نہیں دیکھے گئے۔ اُن میں سے کسیقدر یہاں نقل کئے جاتے ہیں۔ ۱۔ ہر عیب کہ سلطان بپسندد ہنر است۔ ۲۔ ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت۔ ۳۔ حاجتِ مشاطہ نیست روی دلارام را۔ ۴۔ ہر چہ بقامت کہتر بقیمت بہتر۔ ۵۔ ہر کہ دست از جان بشوید ہر چہ در دل دارد بگوید۔ ۶۔ دہ درویش در گلیمے بخسپند و دو پادشاہ در اقلیمے نگنجند۔ ۷۔ سرچشمہ شاید گرفتن بہ بیل + چو پُر شد نشاید گذشتن بہ پیل۔ ۸۔ پرتوِ نیکاں نگیرد ہر کہ بنیادش بد است۔ ۹۔ افعی را کشتن و بچہ اش را نگاہ داشتن کار خردمندان نیست۔ ۱۰۔ پسرِ نوح با بدان بنشست + خاندانِ نبوتش گم شد۔ ۱۱۔ دشمن نتوان حقیر و بیچارہ شمرد ۱۲ عاقبت گرگ زادہ گرگ شود ۱۳۔ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس۔ ۱۴۔ تونگری بدل است نہ بمال بزرگی بعقل است نہ بسال ۱۵۔ دشمن چہ کند چو مہرباں باشد دوست ۱۶۔ خود را چکنم کز خود برنج درست ۱۷ قدرِ عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید۔ ۱۸ آنانکہ غنی تر اند محتاج تر اند۔ ۱۹ چو عضوے بدرد آورد روزگار + دگر عضوہا را نماند قرار۔ ۲۰ دامن از کجا آرم کہ جامہ ندارم۔ ۲۱ گاہے بسلامے برنجند و گاہے بدشنامے خلعت دہند ۲۲ ہر کجا چشمہ بود شیریں + مردم و مرغ و مور گرد آیند ۲۳ راستی موجب رضائے خداست۔ کس ندیدم کہ گم شد از رہِ راست۔ ۲۴ آنرا کہ حساب پاک است از محاسبہ چہ باک۔ ۲۵ تو پاک باش برادر مدار از کس باک + زنند جامۂ ناپاک گازراں بر سنگ۔ ۲۶ تا تریاق از عراق آوردہ

شود مار گزیده مرده شود ۲۷ به دریا در منافع بے شمار است + وگر خواهی
سلامت بر کنار است ۲۸ دوست آں باشد که گیرد دستِ دوست + در
پریشاں حالی و درماندگی ۲۹ درِ میر و وزیر و سلطاں را + بے وسیلت مگرد
پیرامن + سگ و درباں چو یافتند غریب + ایں گریباں گرفت و آں دامن
۳۰ خدائے راست مسلّم بزرگی و الطاف + که جرم بیند و ناں برقرار میدارد
۳۱ بنیادِ ظلم اوّل در جہاں اندک بود ہر که آمد براں مزید کرد تا بدیں غایت
رسید ۳۲ ہر که با فولاد بازو پنجه کرد + ساعدِ سیمینِ خود را رنجه کرد ۳۳
چو کردی با کلوخ انداز پیکار + سرِ خود را بنادانی شکستی + چو سنگ
انداختی بر روئے دشمن + حذر کن کاندر آماجش نشستی ۳۴ کس نیاموخت
علمِ تیر از من + که مرا عاقبت نشانه نه کرد ۳۵ دریاب کنوں که نعمت ہست
بدست + کایں دولت و ملک میرود دست بدست ۳۶ گر وزیر از خدا
بترسیدے + ہمچناں کز ملک ملک بودے ۳۷ بر گردنِ او بماند و بر ما بگذشت
۳۸ اگر شه روز را گوید شب است ایں + بباید گفت اینک ماه و پرویں
۳۹ جہاندیده بسیار گوید دروغ ۴۰ چو کارے بے فضولِ من برآید + مرا
در وے سخن گفتن نشاید ۴۱ اگر روزی بدانش برفزودے + ز ناداں
تنگ تر روزی نبودے ۴۲ محتسب را درونِ خانه چه کار ۴۳ ہر که عیبِ
دگراں پیشِ تو آورد و شمرد + بے گماں عیبِ تو پیشِ دگراں خواہد برد ۴۴
یار شاطرم نه بارِ خاطر ۴۵ چو از قومے یکے بیدانشی کرد + نه که را منزلت
ماند نه مه را ۴۶ من آنم که من دانم ۴۷ گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینیم + گہے

بُرپشتِ پاے خود آنہ بینیم ۴۸ فہمِ سخن گر نکند مُستمع + قُوّتِ طبع از مُتکلّم مجوے ۴۹
خانۂ دوستاں بروب و درِ دشمناں مکوب ۵۰ درویش صِفت باش و کلاہِ
تتری دار - ۵۱ نیک باشی و بدت گوید خلق + بہ کہ بد باشی و نیکت گویند -
۵۲ اگر دُنیا نباشد دردمندم + وگر باشد بمہرش پاے بندم ۵۳ درویش
ہر کجا کہ شب آمد سراے اوست ۵۴ پاے در زنجیرِ پیشِ دوستاں + بہ کہ با
بیگانگان در بوستاں ۵۵ زنِ بد در سراے مردِ نکو + ہمدریں عالم ست دوزخِ
او ۵۶ کوفتہ را نانِ تہی کوفتہ است ۵۷ او خویشتن گم ست کرا رہبری
کند - ۵۸ باطل ست انچہ مُدّعی گوید - ۵۹ مرد باید کہ گیرد اندر گوش + در
نوشتہ ست پند بر دیوار ۶۰ خاک شو پیش ازانکہ خاک شوی ۶۱ اگر خاکی
نباشد آدمی نیست ۶۲ ہمہ اگر شتاب کند ہمرہِ تو نیست ۶۳ خوے بد در
طبیعتے کہ نشست + نرود جز بوقتِ مرگ از دست ۶۴ حقّا کہ با عقوبتِ
دوزخ برابر است + رفتن بہ پایمردیِ ہمسایہ در بہشت ۶۵ خوردن براے
زیستن و ذکر کردن است + تو معتقد کہ زیستن از بہرِ خوردن است -
۶۶ نہ چنداں بخور کز دہانت برآید + نہ چنداں کہ از ضعف جانت برآید ۶۷
عطاے او بہ لقاے او بخشیدم ۶۸ ہر کہ نان از عملِ خویش خورد + مِنّتِ حاتم
طائی نبرد ۶۹ گربۂ مسکین اگر پر داشتی + تخمِ گنجشک از جہاں برداشتے -
۷۰ مور ہماں بہ کہ نباشد پرش ۷۱ گفت چشمِ تنگِ دُنیا دار را یا قناعت
پُر کند یا خاک گور ۷۲ مُنعِم بکوہ و دشت و بیاباں غریب نیست ۷۳ شاہد
آنجا کہ رود عزّت و حُرمت بیند + ور براندند بقہرش پدر و مادرِ خویش -

۷۵ به از روی زیباست آواز خوش + که این حظ نفس ست و آن قوت روح-
۷۶ رزق هر چند بیگمان برسد + شرط عقل ست جستن از درها ۷۷ بدوزد
طمع دیدهٔ هوشمند ۷۸ مورچگان را چو بود اتفاق + شیر ژیان را بدرانند پوست
۷۹ صیاد نه هر بار شغالی ببرد + باشد که یکی روز پلنگش بدرد- ۸۰
گاه باشد که کودکی نادان - بغلط بر هدف زند تیری ۸۱ گردن بی طمع بلند
بود ۸۲ این شکم بی هنر پیچ پیچ + صبر ندارد که بسازد به هیچ ۸۳ یکی نقصان
مایه و دوم شماتت همسایه ۸۴ اگر از هر دو جانب جاهلانند + اگر زنجیر باشد بگسلانند
۸۵ مرا بخیر تو امید نیست بد مرسان ۸۶ تو بر اوج فلک چه دانی چیست + چون
ندانی که در سرای تو کیست ۸۷ گر تو قرآن بدین نمط خوانی + ببری رونق
مسلمانی ۸۸ چشم بد اندیش که برکنده باد + عیب نماید هنرش در نظر ۸۹ نکویی
با بدان کردن چنان ست + که بد کردن بجای نیکمردان ۹۰ سر بانداری سر خویش
گیر ۹۱ نان بر آن کن که خریدارش تست ۹۲ خطای بزرگان گرفتن خطاست-
۹۳ چون مخبط شد اعتدال مزاج + نه عزیمت اثر کند نه علاج ۹۴ زن جوان را
اگر تیری در پهلو نشیند به که پیری ۹۵ تو بجای پدر چه کردی خیر + تا همان
چشم داری از پسرت ۹۶ اسپ تازی دو تگ رود بشتاب + اشتر آهسته
میرود شب و روز ۹۷ خر عیسی اگر بمکه رود + چون بیاید هنوز خر باشد- ۹۸
میراث پدر خواهی علم پدر آموز ۹۹ اگر صد عیب دارد مرد درویش- رفیقانش
یکی از صد ندانند + دگر یک ناپسند آید ز سلطان + ز اقلیمی به اقلیمی رسانند
۱۰۰ هر که در خردیش ادب نکند + در بزرگی صلاح ازو برخاست-

۱۰۱ ہر آں طفل کو جورِ آموزگار + نہ بیند جفا بیند از روزگار ۱۰۲ جورِ اُستاد
بہ ز مہرِ پدر ۱۰۳ چو دخلت نیست خرج آہستہ ترکن ۱۰۴ کریماں را بدست اندر
درم نیست + خداوندانِ نعمت را کرم نیست ۱۰۵ پراگندہ روزی پراگندہ
دل + خداوند روزی بحق مشتغل ۱۰۶ سگے را گر کلوخے بر سر آید + ز شادی
برجہد کایں استخوان ست + وگر نعشے دو کس بر دوش گیرند + لئیم الطبع پندارد
کہ خوان ست ۱۰۷ ہر جا کہ گل ست خار ست ۱۰۸ منت منہ کہ خدمتِ سُلطاں
ہمی کنم + منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت ۱۰۹ نہ مُحقّق بود نہ دانشمند
چارپاے براو کتابے چند ۱۱۰ پیش دیوار آنچہ گوئی ہوشدار ۔ تا نباشد
در پسِ دیوار گوش ۱۱۱ ہمہ کس را عقلِ خود بہ کمال نماید و فرزندِ خود بجمال۔
۱۱۲ گر از بسیطِ زمین عقل مُنعدم گردد + بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم ۱۱۳
کہ خُبثِ نفس نگردد بہ سالہا معلوم ۱۱۴ درشتی و نرمی بہم در بہ ست +
چو رگ زن کہ جراح و مرہم نہ ست ۱۱۵ مُشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار
بگوید ۱۱۶ اندک اندک بہم شود بسیار ۱۱۷ کہ بسیار خوار است بسیار
خوار ۱۱۸ بر رسولاں بلاغ باشد و بس ۱۱۹ کہن جامۂ خویش آراستن۔
بہ از جامۂ عاریت خواستن ۔

یہ تمام مقولے جو نقل کئے گئے ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو تحریر اور تقریر دونوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ مگر تقریباً اِسیقدر اور فقرے اور اشعار گلستاں میں ایسے بھی ہیں جو محض تحریروں میں برتے جاتے ہیں وہ یہاں نقل نہیں کئے گئے ۔ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ دُنیا میں جہاں جہاں

گلستاں اور بوستان شائع ہوئی ہیں وہاں زیادہ تر اُن کا استعمال کم عمر اور بے استعداد لڑکوں کی تعلیم و تعلم میں پایا جاتا ہے۔ اور اسی لئے چھ سو برس سے شیخ کے یہ دونو کارنامے برابر بازیچۂ طفلاں اور دستخوش کودکان رہی ہیں ظاہر ہے کہ جس سن و سال کی لڑکوں کو یہ کتابیں پڑہائی جاتی ہیں اُنکی استعداد اور سمجھ اس قابل نہیں ہوتی کہ شیخ کی فصاحت و بلاغت کا جو کہ اُسنے اِن کتابوں میں برتی ہے کچھ بھی اندازہ کر سکیں۔ لیکن چونکہ بچوں کا حافظہ عمدہ ہوتا ہے اسلئے کچھ فقرے یا اشعار اُن کو یاد رہ جاتے ہیں۔ پس جسقدر گلستاں اور بوستاں کے فقرے اور اشعار بول چال میں ضرب المثل ہو گئے ہیں اُنمیں زیادہ تر وہ ہیں جو لوگوں کو بچپن سے نوک زبان ہوتے ہیں اور جن کے مضمون سے وہ باوجود صغر سن کے لذت یاب ہو چکے ہیں۔ ورنہ اگر یہہ کتابیں بھی شکسپیر بلیز کی طرح ایشیا کے ہر طبقہ اور ہر گروہ کے مطالعہ میں رہتیں اور عورت اور مرد اور بوڑھے اور جوان سب لوگ اُن کو دیکھا کرتے تو میں امید کرتا ہوں کہ گلستاں کا ایک بڑا حصّہ اور اُس سے کسیقدر کم بوستاں کے اشعار جمہور کی زبان پر اسی طرح جاری ہو جاتے جیسے مذکورۂ بالا فقرے اور اشعار زباں زد خاص و عام ہیں۔ کیونکہ اِن دونو کتابوں میں شیخ کا بیان اسقدر عام طبائع کے مناسب اور ہر فرقہ اور ہر گروہ کی ضرورت اور مذاق اور اغراض کے موافق واقع ہوا ہے کہ ہر فقرہ اور ہر شعر میں ضرب المثل ہونے کی قابلیت پائی جاتی ہے۔ ہمیشہ وہ اقوال ضرب المثل بنتے ہیں جن کا مضمون عام لوگوں کے حسب حال ہو۔ الفاظ سیدھے اور صاف ہوں

اور انداز بیان میں کسی قدر لطافت پائی جائے۔ سو یہ خاصیت شیخ کے کلام میں عموماً اور گلستاں اور بوستاں میں خصوصاً پائی جاتی ہے +

یہاں ہم گلستاں کے متعلق بحث ملتوی کر کے کسی قدر بوستاں کا حال لکھتے ہیں۔ یہ کتاب بھی تقریباً اسیقدر مقبول ہوئی ہی جسقدر گلستاں اور اُس کی تعلیم بھی اکثر ملکوں میں اُسی طرح جاری ہے جیسے گلستاں کی۔ مثنوی میں فردوسی کو عموماً تمام شعرا پر ترجیح دی گئی ہے اور حقیقت میں رزم کا بیان باوجود نہایت سادگی اور صفائی کے جیسا مؤثر اور پرجوش اُسکے قلم سے تراوش کرتا ہے ایسا اور کسی سے بن نہیں آیا۔ لیکن مثنوی میں مطلقاً فردوسی کو سب سے افضل قرار دینا ٹھیک نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک جسطرح طعن و ضرب اور جنگ و حرب کا بیان فردوسی پر ختم ہے اسی طرح اخلاق نصیحت و پند۔ عشق و جوانی۔ ظرافت و مزاح زہد و ریا وغیرہ کا بیان شیخ پر ختم ہے۔ شاہنامہ میں جہاں کہیں فردوسی کو بہادری اور رزم کے سوا کوئی اور بیان کرنا پڑتا ہے وہاں اُس کے کلام میں وہ خوبی اور لطافت نہیں پائی جاتی۔ یہی سبب ہے کہ اُس کی عشقیہ مثنوی یوسف و زلیخا اسقدر مقبول نہیں ہوئی جسقدر شاہنامہ مقبول ہوا ہے۔ شیخ نے بوستاں میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے میرے کلام کی بہت سی تعریف کرنے کے بعد مجھ پر یہ اعتراض کیا کہ اسکو بہادری اور رزم کا بیان کرنا ویسا نہیں آتا جیسا اور لوگوں کو آتا ہے یہ قصہ نقل کر کے شیخصاحب فرماتے ہیں کہ "ہمکو لڑائی کا خیال ہی نہیں ہے ورنہ ہم کسی

بیان سے عاجز نہیں ہیں۔ ممکن ہے کہ میں اپنی تیغ زبان کو میان سے نکالکر تمام دفتر شعر وسخن پر قلم پھیردوں" اسکے بعد ایک حکایت شاطر صفاہانی کی جنگِ تاتار کے ذکر میں لکھی ہے جس سے اپنا رزمیہ بیان دکھانا مقصود ہے اگرچہ شیخ کی شیریں زبانی اور فصاحت کا انکار نہیں ہوسکتا لیکن شاہنامہ کی نظم کے سامنے اِس کا رنگ جمنا مشکل معلوم ہوتا ہے ❊

اصل یہ ہے کہ تمام محسوسات اور وجدانیات کے مرغوب و نامرغوب ہونے میں اُلف و عادت کو بڑا دخل ہے۔ ہینگ جسقدر عام ہندوستانیوں کو عادت مستمرہ کی وجہ سے مرغوب ہے اُسیقدر اکثر غیر ملک والوں کو خلاف عادت ہونے کے سبب نامرغوب ہے۔ اکثر عطر ہمکو خوشگوار اور غیر ملک والوں کو سخت ناگوار معلوم ہوتے ہیں۔ اِسی طرح لطفِ شعر جو کہ ایک وجدانی امر ہے بغیر اُلف و عادت کے ہرگز محسوس نہیں ہوتا۔ مثلاً انیس و دبیر کے مرثیے جس پیرایہ اور لباس میں مقبول ہوئے ہیں وہ پیرایہ اسقدر مانوس ہوگیا ہے کہ اُسکے بغیر مرثیہ مقبول ہونا مشکل ہے۔ یعنی ضرور ہے کہ کچھ بند تلوار کی اور کچھ گھوڑے کی تعریف میں لکھے جائیں۔ کچھ بند ایسے بھی ہوں جنسے خود مرثیہ گو کی تعلی اور فوقیت اَوروں پر ظاہر ہو۔ یہ بھی ضرور ہے کہ مرثیہ مسدس میں لکھا جائے اور مسدس اُنہیں بحروں میں سے کسی بحر میں ہو جو انیس و دبیر نے اختیار کی ہیں۔ پس جن خصوصیتوں کے ساتھ شاہنامہ مقبول ہوا ہے اُن کے بغیر کسی کی رزمیہ نظم مقبول نہیں ہوسکتی ضرور ہے کہ خالص فارسی میں جو عربی الفاظ سے پاک ہو رزم لکھی

جائے - اور بے شمار الفاظ جن میں فردوسی نے تصرّف کیا ہے اور قیاس لغوی کے خلاف استعمال کئے ہیں کبھی کبھی قصداً اُسی طرح برتے جائیں جیسے شاہنامہ میں برتے گئے ہیں اور بے انتہا حشو و زوائد جنسے شاہنامہ بھرا ہوا ہے اشعار میں بہ تکلف داخل کئے جائیں - پس شیخ کی رزمیہ حکایت جو شیخ کے شاہنامہ سے میل نہیں کھاتی اسکا یہی سبب ہے کہ شیخ نے ان باتوں میں سے کسی بات کا التزام نہیں کیا - فردوسی نے بھی یہی گُر اختیار کیا تھا جس سے اُسکی مثنوی مقبول ہوئی - دقیقی نے جو فردوسی سے پہلے ہزار بیتوں میں گشتاسپ اور ارجاسپ کی داستان نظم کی تھی وہ سب کو پسند آچکی تھی - جب دقیقی وہ داستان لکھکر دفعتہً مرگیا اور فردوسی کی نوبت آئی تو اُسنے بھی وہی روش اختیار کی جو دقیقی نے اختیار کی تھی - چنانچہ دقیقی کی لکھی ہوئی داستان عام شاہناموں میں موجود ہے - دونوں کے کلام میں کوئی نمایاں فرق نہیں معلوم ہوتا یہانتک کہ جو لوگ اس حال سے واقف نہیں ہیں وہ اُسکو بھی فردوسی ہی کا کلام سمجھتے ہیں *

فارسی میں چار مثنویاں ہیں جو شہرت اور قبولیت میں تقریباً متساوی الاقدام ہیں - شاہنامہ - سکندرنامہ - مثنوی معنوی - اور بوستان - شاہنامہ اور مثنوی معنوی کو سکندرنامہ اور بوستان سے وہ نسبت ہے جو ایک کامل خوشنویس کی بے ساختہ مشق کو اُسکے بنائے ہوئے اور مرتّب کئے ہوئے قطعہ سے ہوتی ہے - قطعہ

اگرچہ رُخ اور کرسی اور حروف کی نشست اور تقسیم وغیرہ کے لحاظ سے مشق کی نسبت بے عیب ہوتا ہے اور اُسکے اجزا میں پست و بلند کا تفاوت بہت کم ہوتا ہے اور تمام حروف تقریباً ہموار اور یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر مشق میں بہت سی کششیں اور دوائر وغیرہ بے ساختہ اُس کے قلم سے ایسے نکل جاتے ہیں کہ اگر خوشنویس خود کوشش کرے تو قطعہ میں شاید ویسی کششیں اور دائرے نہ لکھ سکے - یہی سبب ہے کہ خوشنویس لوگ اگلے استادوں کی مشق کو اُن کے قطعات سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں فردوسی اور مولانا روم نے اگرچہ اپنی مثنویوں میں بخلاف نظامی اور سعدی کے الفاظ کی زیادہ تنقیح و تہذیب اور کانٹ چھانٹ نہیں کی مگر باوجود اسکے صدہا مقامات اُن سے ایسے حُسن و خوبی کے ساتھ ادا ہوئے ہیں کہ تکلف اور ساختگی کیحالت میں شاید ادا نہ ہوسکتے ۔

بوستان اور سکندرنامہ صرف اس لحاظ سے کہ دونوں کمال تنقیح و تہذیب اور زحمتِ فکر و نظر کے ساتھ لکھی گئی ہیں اور دونوں میں صنعت شاعری کا پورا پورا حق ادا کیا گیا ہے - شاید ایک دوسرے سے مُشابہ ہوں - لیکن دونوں کے انداز بیان میں بہت بڑا تفاوت ہے - سکندرنامہ میں شاعرانہ مُبالغہ - زورِ بیان - شوکتِ الفاظ - طرفگیِ استعارات - تنوعِ تمثیلات - ایک ایک مطلب نئے نئے اسلوب سے ادا کرنا - ہر داستان کو ایک بڑی دھوم دھام کی تمہید کے ساتھ شروع کرنا اور اِسی طرح کی اور شاندار باتیں پائی جاتی ہیں - برخلاف اِسکے بوستان

میں نہایت سادگی۔ الفاظ کی نرمی اور گھلاوٹ۔ ترکیبوں کا سلجھاؤ۔ بیان کی صفائی۔ عبارت کی دلنشینی۔ خیالات کی ہمواری۔ مبالغہ میں اعتدال۔ ماخذ میں سہولیت۔ حسنِ ترتیب۔ لطفِ ادا۔ تمثیلات کی برجستگی۔ استعارات کی لطافت۔ کنایات کی شوخی۔ باوجود صنعت شاعری کے نہایت بے تکلفی اور باوجود ساختگی کے کمال بیساختہ پن پایا جاتا ہے۔

مثلاً اس مطلب کو کہ زمین میں خدا کی بے انتہا مخلوق دبی ہوئی ہے۔ مولانا نظامی سکندر نامہ میں اسطرح ادا کرتے ہیں۔

فلک بر بلندی زمیں در مغاک | یکے طشت خوں شد یکے طشتِ خاک
نشستہ بریں ہر دو آلودہ طشت | زخونِ سیاوش بسے سرنوشت
زمیں گر بضاعت بروں آورد | ہمہ خاک در زیرِ خوں آورد

یہی مطلب سکندر نامہ میں دوسری جگہ اسطرح بیان ہوا ہے۔

کہ داند کہ ایں دخمۂ دام و دد | چہ تاریخ ما دارد از نیک و بد
چہ نیرنگ با بخبرداں ساختہ ست | چہ گردن کشاں را سر انداختہ ست

شیخ نے اسی مطلب کو بوستاں میں یوں بیان کیا ہے۔

زدم تیشہ یک روز بر تلِ خاک | بگوشش آمد نالۂ دردناک
کہ زنہار گر مردی آہستہ تر | کہ چشم و بنا گوش و روی ست و سر

یہی مطلب بوستان میں دوسری جگہ اسطرح بیان ہوا ہے۔

دریں باغ سرو سے نیامد بلند | کہ بادِ اجل بیخش از بن نکند

عجب نیست بر خاک اگر گل شگفت | کہ چندیں گل اندام در خاک خفت

قناعت کی ترغیب سکندر نامہ میں اسطرح دی ہے*

تو نیز از تہی بارِ گردن زدوش | زگردن کشاں بر نیاری خروش
چو دریا بہ سرمایۂ خویش باش | ہم از بودِ خود سودِ خود بر تراش
بہمانی خویش تا روز مرگ* | درختے شو از خویشتن ساز برگ
چو پیلہ ز برگ کسان خورد گاز | ہمہ تن شد انگشت وسے کرد باز

بوستان میں یہی مطلب اسطرح ادا ہوا ہے*

شنیدی کہ در روزگار قدیم | شدے سنگ بر دست ابدال سیم
نپنداری ایں قول معقول نیست | چو قانع شدی سیم و سنگت یکیست
چو طفل اندروں دارد از حرص پاک | چہ مشتے زرش پیش و چہ مشت خاک
خبر دہ بدرویش سلطان پرست | کہ سلطان ز درویش مسکیں تر است
گدا را کند یک درم سیم سیر | فریدوں بملک عجم نیم سیر
گدائے کہ بر خاطرش بند نیست | بہ از پادشاہے کہ خورسند نیست
بخسپند خوش روستائی و جفت | بذوقے کہ سلطان در ایوان نخفت

مآل اندیشی اور پیش بینی کی نصیحت سکندر نامہ میں اس طرح کی گئی ہے*

میفگن گول گرچہ عار آیدت | کہ ہنگام سرما بکار آیدت
خرسے بہ کہ بود ز سختی بمرد | کہ از کاہلی جُل با خود نہ برد

یہی مضمون بوستان میں اسطرح ادا کیا گیا ہے*

بہ دختر چہ خوش گفت بانوی دہ ‏ ‏ ‏ ‏ کہ روز نوا برگِ سختی بنہ
ہمہ وقت پُر دار مشک و سبوی ‏ ‏ ‏ ‏ کہ پیوستہ در دہ روان نیست جوی

سکندر نامہ میں عہد شباب پر تحسّر اِس طرح کیا گیا ہے +

جوانی شد و زندگانی نماند ‏ ‏ ‏ ‏ جہاں گو ممان چون جوانی نماند
جوانی بود خوبیِ آدمی + ‏ ‏ ‏ ‏ چو خوبی رود کے بود خُرّمی
چو پے سست و پوسیدہ شد استخوان ‏ ‏ ‏ ‏ دگر قصۂ خوبروئی مخوان
غرورِ جوانی چو از سر گذشت ‏ ‏ ‏ ‏ زگستاخ کاری فروشوئی دست
بہی چہرۂ باغ چندان بود ‏ ‏ ‏ ‏ کہ شفتالو با لالہ خندان بود
چو بادِ خزانی در افتد بباغ ‏ ‏ ‏ ‏ زمانہ دہد جاے بلبل بزاغ
بود برگ ریزان ز شاخ بلند ‏ ‏ ‏ ‏ دلِ باغبان زان شود دردمند
ریاحین زبستان شود ناپدید ‏ ‏ ‏ ‏ درِ باغ را کس نجوید کلید
بنال اے کہن بلبلِ سالخورد ‏ ‏ ‏ ‏ کہ رخسارۂ سرخ گل گشت زرد
دوتا شد سہی سروِ آراستہ ‏ ‏ ‏ ‏ کدو پور شد از باغ برخاستہ
چو تاریخ پنجہ در آمد بسال ‏ ‏ ‏ ‏ دگرگونہ شد بر شتابندہ حال
سر از بارِ سنگی در آمد بسنگ ‏ ‏ ‏ ‏ جمازہ بہ تنگ آمد از راہِ تنگ
فرو ماند دستم زمے خواستن ‏ ‏ ‏ ‏ گران گشت پایم ز برخاستن
تنم گونۂ لاجوردی گرفت ‏ ‏ ‏ ‏ گلم سرخی انداخت زردی گرفت
ہیونِ روندہ زرہ ماندہ باز ‏ ‏ ‏ ‏ ببالیں گہ آمد سرم را نیاز
ہمان بود چوگانی بادپاے ‏ ‏ ‏ ‏ بصد زخم چوگان نجنبد ز جاے

طرب رابمیخانہ گم شد کلید　　نشانِ پشیمانی آمد پدید

بوستاں میں یہی مضمون ایک حکایت کے ضمن میں اِس طرح ادا کیا گیا ہے ٭

چو باد صبا بر گلستاں وزد　　چمیدن درختِ جواں را سزد
چمد تا جوان ست و سرسبز خید　　شکستہ شود چوں بہ زردی رسید
بہاراں کہ باد آورد بید مشک　　بریزد درختِ کہن برگِ خشک
نزیبد مرا با جواناں چمید　　کہ بر عارضم صبحِ پیری دمید
بقید اندرم جرّہ بازے کہ بود　　دمادم سرِ رشتہ خواہد ربود
شمارا ست نوبت بریں خواں نشست　　کہ ما از تنعم بشستیم دست
چو بر سر نشست از بزرگی غبار　　دگر چشمِ عیشِ جوانی مدار
مرا برف بارید بر پرِّ زاغ　　نشاید چو بلبل تماشاے زاغ
کند جلوہ طاؤسِ صاحب جمال　　چہ میخواہی از بازِ برکندہ بال
مرا غلّہ نیک آمد اندر درو　　شمارا کنوں میدمد سبزہ نو
گلستانِ مارا طراوت گزشت　　کہ گل دستہ بندد چو پژمردہ گشت
مرا تکیہ جانِ پدر بر عصاست　　دگر تکیہ بر زندگانی خطاست
مسلّم جواں راست برپای جست　　کہ پیراں برند استعانت بدست
گلِ سرخِ رویم نگر زرِّ ناب　　فرو رفت چوں زرد شد آفتاب
ہوس پختن از کودکِ ناتمام　　چناں زشت نبود کہ از پیرِ خام
مرا مے بباید چو طفلاں گریست　　ز شرمِ گناہاں نہ طفلانہ زیست

بگو گفت لقمان کہ نازیستن
بہ از سالہا بر خطا زیستن
ہم از بامداد اں در کلبہ بست
بہ از سود و سرمایہ دادن ز دست
جواں تا رساند سیاہی بہ نور
برد پیر مسکیں سپیدی بہ گور

مذکورۂ بالا مثالوں کے ملاحظہ سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ کے خیالات ہمیشہ سہل الماخذ ہوتے ہیں - وہ معنی مقصود کو ایسی تمثیلوں میں بیان کرتا ہے جو ہمیشہ خاص و عام کے مشاہدہ میں آتی ہیں - بخلاف مولانا نظامی کے کہ اُن کے خیالات اور تمثیلات اکثر غرابت اور ندرت سے خالی نہیں ہوتیں *

شیخ نے جو شاطرِ صفاہانی کی حکایت میں اپنا رزمیہ بیان دکھایا ہے وہ اگرچہ بے تکلفی اور سادگی میں فردوسی کے بیان سے نہیں ملتا لیکن مولانا نظامی کی رزم سے جس میں سادگی کی نسبت شاعری کا زیادہ لطف ہے بہت مشابہت رکھتا ہے چند شعر اس حکایت کے اور اُن کے ہم مضمون اشعار سکندرنامہ کے اس مقام پر نقل کئے جاتے ہیں *

بوستان

دو لشکر بہم بر زدند از کمیں
تو گفتی زدند آسمان بر زمیں
ز باریدنِ تیر ہمچوں تگرگ *
بہر گوشہ بر خاست طوفانِ مرگ

سکندرنامہ

دو لشکر چو مور و ملخ تاختند
نبرد جہاں در جہاں ساختند
بشمشیرِ پولاد و تیرِ خدنگ
گذرگاہ بر مور کردند تنگ

بتصویرِ ہنر بران پرخاش ساز | کمند اژدہائے مسلسل شکنج
کمند اژدہائے دہن کردہ باز | دہن باز کردہ بتاراجِ گنج
زمیں آسماں شد ز گردِ کبود | زمیں کو بساطے بُد آراستہ
چو انجم درو برق شمشیر و خود | غُبارے شد از جائے برخاستہ
چو ابر اسپِ تازی برانگیختیم | برانگیخت رزمے چو بارندہ میغ
چو باراں بلارک فرو ریختیم | تگرگش ز پیکان و باراں ز تیغ

مگر حق یہ ہے کہ ایک دو حکایت کے ملا دینے سے مساوات اور برابری کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ رزم میں فردوسی اپنی جگہ اور نظامی اپنی جگہ فی الحقیقت اپنا مثل نہیں رکھتے +

شیخ علی حزین نے جسکو ہندوستان میں خاتم الشعرا سمجھتے ہیں بیس بائیس صفحہ کی ایک مثنوی جس کا نام خرابات ہے بوستاں کی طرز میں لکھی ہے اور اپنی عادت کے موافق اُسپر بہت کچھ افتخار کیا ہے چنانچہ مثنوی کے خاتمہ میں فرماتے ہیں +

سخن سنج اگر ہست ہشیار مغز | کند قوّتِ جاں ازیں گوہرہاے نغز
ازیں نامہ گردوں پر آوازہ شد | روانِ سخن گستراں تازہ شد
نوائے کہ ایں خامہ بنیاد کرد | دلِ طوسی و رودکی شاد کرد
بگوشِ نظامی اگر میرسید | سرودے ازیں خسروانی شنید
بتعظیمِ من رُخ نہادے بخاک | کہ احسنت اے نیّرِ تابناک
وگر سعدیِ شہد پرور ادا | شنیدے ز صورِ مغنّے من نوا

سماعش ز سر عقل بردے و ہوش　　زباں مُہر کردے شدے جملہ گوش

معلوم ہوتا ہے کہ علی حزین نے اپنے نزدیک اس مثنوی میں بوستان کے تتبُّع کا پورا پورا حق ادا کیا ہے اور وُہ اُسکو اپنے لئے ایک سرمایہ نازش سمجھتا تھا۔ سوانح عمری میں اسی مثنوی کی نسبت لکھتا ہے کہ "بسیارے از مطالبِ عالیہ وسخنان دلپذیر دراں کتاب بسلکِ نظم درآمد" مگر دونو کتابوں یعنی بوستان اور خرابات کے مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ دو صورتیں ایک شکل کی ہیں۔ ایک جاندار دوسری بے جان۔ لفظ اچھے بیان اچھا مطالب عمدہ۔ یہ سب کچھ سہی۔ مگر شیخ کے بیان میں ایک چھپا ہوا جادو ہے جو بوستان کو خرابات سے بالکل الگ کردیتا ہے۔ چنانچہ ذیل کی مثال سے دونوں کا فرق بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔ قحط کا بیان ایک جگہ بوستان میں بھی کیا گیا ہے اور خرابات میں بھی اتفاق سے یہ مضمون نکل آیا ہے۔ ہم دونو کے اشعار اس مقام پر نقل کرتے ہیں اور جو فرق دونو کے طرز بیان اور طریقۂ ادا میں ہے اُسکو بھی کسیقدر بیان کریں گے ؎

خرابات	بوستان
۱۔ شنیدم کہ در عہد بہرام گور نمود از قضا قحط سالی ظہور	۱۔ چناں قحط سالی شد اندر دمشق کہ یاراں فراموش کردند عشق
۲۔ چو صحرائے محشر زمیں تف گرفت بدریوزۂ آسماں کف گرفت	۲۔ چناں آسماں بر زمیں شد بخیل کہ لب ترنکردند زرع و نخیل

۳- بخوشید سرچشمہ ہائے قدیم
نماند آب بجز آب چشم یتیم

۴- نبودے بجز آہ بیوہ زنے
اگر بر شدے دودی از روزنے

۵- چو درویش بے برگ دیدم درخت
قوی بازوان سست و درماندہ سخت

۶- نہ در کوہ سبزی نہ در باغ شخ
ملخ بوستاں خوردہ مردم ملخ

۳- سحاب سیہ دل نشد مہرباں
بحال لب تشنہ خاکیاں

۴- بخیلی نمود ابر کم التفات
بعہد زمیں سوختہ طفل نبات

۵- ز خشکی بر اندام خاک ستوہ
رگ شجر شد چو رگہائے کوہ

۶- ز تاب فروزندہ مہر بلند
زمیں تیرہ و دانہ او وش سپند

۷- لب طفل چو پستان بے شیر شد
ز خشکی چو پیکان گلوگیر شد

شیخ سعدی نے پہلے ہی شعر کے دوسرے مصرع میں جس سادگی حسن و لطافت کے ساتھ قحط کی سختی کی تصویر کھینچی ہے اس سے بہتر کوئی اسلوب بیان خیال میں نہیں آتا۔ قحط کی تشریح ایک کتاب میں ایسی خوبی کے ساتھ نہیں ہو سکتی جیسی اس ایک مصرع میں ہوتی ہے "کہ یاراں فراموش کردند عشق" سہل ممتنع کا لفظ جو اکثر بولا جاتا ہے وہ اسی قسم کے بیان کو کہتے ہیں کہ بادی النظر میں نہایت سرسری معلوم ہو مگر وہی مطلب دوسری بار کسی سے بلکہ خود مصنف سے بھی ویسا بیان نہ ہو سکے۔ اس بیان میں لطف یہ ہے کہ قحط کے بیان کے جتنے معمولی اسلوب ہیں یہ اسلوب اُن سب سے علیحدہ ہے۔ قحط کی سختی ہمیشہ اس طرح بیان کی جاتی ہے "ایسا قحط پڑا کہ روٹی جان سے زیادہ عزیز ہو گئی۔ آدمی

بھوک میں آدمیوں کو کھا گئے - ماں باپ نے ایک ایک روٹی کے بدلے اولاد کو بیچدیا - لاکھوں جاندار بھوکے مرگئے "- غرضکہ تمام بیان ایسے ہوتے ہیں جن سے غلّہ کی گرانی - پانی کی نایابی - بھوک کی تکلیف اور اور اِسی قسم کی باتیں سمجھی جائیں - شیخ نے وہ اسلوب اختیار کیا ہے جو سب سے نرالا اور سب سے بلیغ ہے - اِس اسلوب سے اُسکو یہ بتانا مقصود ہے کہ شاعر کے نزدیک عشق ایک ایسی چیز ہے جو کسی حالت میں فراموش نہیں ہوتی - باوجود اِس کے لوگ اُسکو بھول گئے تھے - اور یاراں کے لفظ سے یہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ مُصنّف بھی ایسی عُشاق کے جھنگے میں سے تھا - دوسرے شعر کا صرف یہ مطلب ہے کہ مینہ نہ برسا تھا مگر اُس کو کس عمدگی سے بیان کیا ہے - تیسرے شعر میں پانی کا نایاب ہونا اور پھر یتیم کے آنسو کو اُس سے مستثنیٰ کرنا - چوتھے شعر میں کسی گھر کے روزن سے باورچیخانے کے دھوئیں کا نکلنا اور پھر اُس سے رانڈوں کی آہ کے دھوئیں کو مستثنیٰ کرنا - پانچویں شعر میں درختوں کو بے برگی میں قحط زدہ درویشوں اور مسکینوں سے تشبیہ دینا اور قوی پہلوانوں کا بےبس اور عاجز ہو جانا - یہ تمام اسلوب کسقدر لطیف اور دلکش ہیں - چھٹا شعر بلاغت اور حسن بیان میں تقریباً ویسا ہی اعلیٰ درجہ کا ہے جیسا پہلا - باوجود ان تمام خوبیوں کے کوئی بات ایسی نہیں جو نیچر یا عادت کے خلاف ہو - قحط میں عشق کے ولولوں کا نیست و نابود ہو جانا - درختوں کا سرسبز نہ ہونا چشموں اور ندیوں کا خشک ہو جانا - یتیموں کا رونا - گھروں میں کھانا نہ پکنا - بے وارث رانڈوں کے آہ و نالے - درختوں کا بے برگ و بار اور غریبوں کا بے سروساماں ہونا - پہلوانوں اور زبردستوں کا

درماندہ ہو جانا - پہاڑ اور جنگل میں سبزہ اور ہریاول کا نہ رہنا - ٹڈیوں کا باغ اور کھیتی کو اور آدمیوں کا ٹڈیوں کو کھانا - یہ سب باتیں ایسی ہیں جو قحط کی زمانہ میں اکثر کم و بیش ظہور میں آتی ہیں ✦

حزین نے باوجود اسکے کہ غرابات جو چند اوراق سے زیادہ نہیں ہے بوستان سے پانسو برس بعد لکھی ہے اور جیسا کہ اُس کے بیان سے مترشح ہوتا ہے اپنی پوری طاقت شیخ کے تتبع میں صرف کی ہے کوئی کرشمہ اُس کی مثنوی میں ایسا نہیں پایا جاتا جسکو دیکھکر جی بے اختیار پھڑک اُٹھے ✦

پہلا شعر ہموار اور صاف ہے اُس میں کوئی خوبی قابلِ ذکر نہیں - دوسرے شعر میں زمینِ تفتہ کو صحرائے محشر سے تشبیہ دینا تعریف الشی بالمجہول کے قبیل سے ہے یعنی ایک ایسی تمثیل ہے جو اہلِ دُنیا کی نظر میں قحط کی تصویر کھینچنے سے قاصر ہے - صحرائے محشر اور تمام اعتقادیات خود تمثیل کی محتاج ہیں اُن پر قیاس کرنے سے کسی شی کی حقیقت نہیں کھُل سکتی - تیسرا شعر بوستان کے اُس شعر سے ماخوذ ہے جو ذوالنونِ مصری اور مصر کے قحط کے بیان میں شیخ نے لکھا ہے اور وُہ یہ ہے -

خبر شد بہ مدین پس از روز بیست　　که ابر سیہ دل بر ایشاں گریست

مگر اتنا فرق ہے کہ شیخ نے ابر کے برسنے کو رونے سے تعبیر کیا ہے جس سے ترحم اور برسنا دونو باتیں ٹپکتی ہیں اور حزین نے برسنے کو مہربان ہونے سے تعبیر کیا ہے جس سے دونو معنی ویسے صاف نہیں نکلتے - چوتھا شعر شیخ کے اس شعر سے ماخوذ ہے ✦

چناں آسماں بر زمیں شد بخیل　　کہ لب تر نکردند زرع و نخیل

مگر شیخ کے بیان میں اتنا لطف زیادہ ہے کہ کھڑی کھیتی کا خشک ہوجانا زیادہ حسرتناک ہے بہ نسبت اسکے کہ تخم زمین کے اندر ہی جل جاے - پانچویں شعر کا دوسرا مصرع بہت عمدہ مگر پہلا مصرعہ تکلّف سے خالی نہیں - شعر کا مطلب صرف اسقدر ہے کہ زمین کی خشکی کے سبب درختوں کی رگیں پہاڑ کی رگوں کی طرح سوکھ گئی تھیں پس اندام اور دو لوتہ کے لفظ کو افادۂ معنی میں کچھ دخل نہیں ہے - چھٹے شعر میں صرف یہ بیان ہے کہ آفتاب کی گرمی سے زمین انگیٹھی کیطرح جلتی تھی اور تخم جو اُسپر ڈالا جاتا تھا وہ سپند کا حکم رکھتا تھا پس فروزندہ اور بلند جو دو صفتیں مہر کی واقع ہوئی ہیں اُنھوں نے کچھ فائدہ نہیں دیا اور اگر یہ کہا جائے کہ فروزندہ مہر کہنے سے آفتاب کی گرمی کا زیادہ ثبوت ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ مہر بلند کہنے سے اسکی گرمی کا خیال کم ہوجاتا ہے اور ایسی دو متضاد صفتیں لانی بلاغت کے خلاف ہیں - ساتویں شعر کا مضمون بالکل خلافِ عادت اور خلاف مقتضائے مقام ہے - نہ قحط کا یہ خاصہ ہے کہ شراب کی صراحی کو خشک کردے اور نہ صراحی کا خشک ہونا اسبات کی دلیل ہے کہ قحط کی شدت ہو رہی ہے +

یہ جو کچھ ہمنے بطور محاکمہ کے لکھا ہے اِس سے خانِ آرزو کی طرح شیخ علی حزین پر حرفگیری کرنی ہمارا مقصود نہیں ہے اور نہ بوستان کو خرابات سے افضل ثابت کرنا مدنظر ہے کیونکہ نہ ہم شیخ علی حزین پر حرفگیری کرنے کی لیاقت رکھتے ہیں اور نہ بوستان کے افضل ہونے میں کسی کو شبہ ہے بلکہ یہ دکھانا منظور ہے کہ کوئی شئے فی نفسہ کیسی ہی بے عیب ہو جب وہ کسی ایسی شئے کے مقابلہ میں لائی

جاتی ہے جو اُس سے بمراتب افضل اور فائق ہو تو اُس میں بیسیوں فروگزاشتیں اور قصور نظر آنے لگتے ہیں اگر خرابات بوستان کے جواب میں نہ ہوتی اور حسنِ اتفاق سے ایک مضمون کی حکایتیں دونو مثنویوں میں نہ نکل آتیں تو حزین کے بیان میں چون وچرا کرنے کا ہم کو خیال بھی نہ آتا کیونکہ یہ باتیں تقریباً تمام شعرا کے ہاں عامتہ الورود ہیں +

اب ہم گلستاں اور بوستاں کی چند خاصیتیں ایسی بیان کرتے ہیں جو دونو کتابوں میں تقریباً یکساں پائی جاتی ہیں اور جن کو اُن کی مقبول ہونے میں بہت بڑا دخل ہے - مثالوں کی جہاں ضرورت ہوگی کہیں صرف گلستاں سے اور کہیں بوستان سے اور کہیں دونو سے نقل کی جائیں گی +

اکثر لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ان کتابوں کے مقبول ہونے کا اصل سبب یہ ہے کہ ان میں سراپا اخلاق اور تہذیبِ نفس کے مضامین مندرج ہیں مگر میرے نزدیک اُنکی قبولیت کی اصل وجہ یہ ہے کہ اخلاق اور مواعظ کو شیخ کے سوا کسی نے ایسی خوبی اور لطافت کے ساتھ فارسی زبان میں بیان نہیں کیا - اخلاق میں بیسیوں کتابیں فارسی میں لکھی گئی ہیں اور اب تک موجود ہیں اور غالباً گلستاں اور بوستاں میں کوئی پند و نصیحت ایسی نہ ہوگی جو اَور وں نے نہ لکھی ہو مگر کوئی کتاب اِن دونوں کتابوں کے برابر مقبول نہیں ہوئی - اِس سے ظاہر ہے کہ قبولِ عام کا مدار زیادہ تر حسنِ بیان اور لطف ادا پر ہے نہ کہ نفسِ مضامین پر - البتہ مضامین کو بھی

شہرت اور قبولیت میں بہت بڑا دخل ہوتا ہے - اِسی لئے جو محاسن اِن کتابوں کے ہم آگے لکھنے چاہتے ہیں وہ کسیقدر مضامین سے اور زیادہ تر حُسنِ معنی اور اسلوب بیان سے متعلق ہوں گے *

ا - سب سے زیادہ تعجب انگیز بات اِن دونو کتابون مین یہ ہے کہ جن باتون مین مشرقی لٹریچر عموماً بدنام ہے وہ اِن کتابوں مین اسقدر کم ہین کہ چند مقامات مستثنیٰ کرنے کے بعد کوئی ایسی بات باقی نہیں رہتی جو زمانۂ حال کے مورل اور سوشل خیالات کے برخلاف ہو - اور یہ امر ایسی پرانی کتابوں مین جن کے زمانۂ تصنیف کو ساڑھے چھ سو برس سے زیادہ گزر چکے ہیں کچھ کم تعجب انگیز نہیں ہے *

مثلاً مبالغہ اور اغراق جو مشرقی اِنشا کا خاصّہ ہے ان کتابوں میں اِتنا کم ہے جتنا ایران کے اور شعرا کے کلام میں سچ - اور جہاں ہے وہاں نہایت لطیف اور بامزہ ہے اور اعتدال کی حد سے متجاوز نہیں - مثلاً شیخ بوستان میں کہتا ہے -

میان دو کس دشمنی بود و جنگ | سر از کبر بر یکدگر چون پلنگ
ز دیدارِ ہم تا بحدّے رمان | کہ بر ہر دو تنگ آمدے آسمان

دوسری بیت کا یہ مطلب ہے کہ وہ ایکدوسرے کی صورت سے ایسے بیزار تھے کہ جب کبھی راہ میں دوچار ہوجاتے تھے تو ایک دوسرے کو دیکھکر رستے سے اُلٹے ہٹ جاتے تھے اور اُسوقت کمال نفرت سے اُن کا جی چاہتا تھا کہ آسمان جو سامنے حائل نظر آتا ہے اُسکو توڑ کر نکل جائیں - یہ مبالغہ

جیسا کہ بادی النظر میں بڑا معلوم ہوتا ہے فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ نفرت ایک نفسانی کیفیت ہے جسکا کوئی اندازہ اور پیمانہ مقرر نہیں ہے۔ پس جسطرح ادنی درجہ کی نفرت یہ ہے کہ دو دشمن ایک مجلس میں اکٹھا ہونا پسند نہیں کرتے۔ اسی طرح انتہا درجہ کی نفرت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ایک عالم میں رہنا پسند نہ کریں۔

اسیطرح شیخ کی نظم و نثر میں جہاں کہیں مبالغہ پایا جاتا ہے لطافت سے خالی نہیں ہوتا۔ مثلاً گلستان میں ایک دولتمند بخیل کا ذکر اسطرح سے کرتے ہیں "مالدارے را شنیدم کہ بہ بخل چناں معروف بود کہ حاتم طائی بسخاوت۔ ظاہر حالش بنعمت دنیا آراستہ و خست نفس در نہادش ہمچناں متمکن۔ تا بجائیکہ نانے بجانے از دست ندادے و گربۂ ابوہریرہ را بلقمہ نہ نواختے و سگ اصحاب کہف را استخوانی نہ بندا ختے۔ فی الجملہ کسے خانۂ اورا ندیدے درکشادہ و سفرۂ اورا سرکشادہ۔

بیت

درویش بجز بوی طعامش نشنیدی مرغ از پس نان خوردن او ریزہ نچیدے"

ایک اور جگہ سمندر کی موج اور طوفان کا بیان اسطرح کیا ہے "سہمگین آبے کہ مرغابی درو ایمن نبودے"۔ اگر غور سے دیکھیے تو حد سے زیادہ مبالغہ ہے مگر بادی النظر میں کوئی ناممکن بات نہیں معلوم ہوتی ÷

سو پرنیچرل یعنی فوق العادۃ باتیں اور عجیب و غریب قصے بھی جنسے قدیم اور متوسط زمانے کا مغربی اور مشرقی لٹریچر بھرا ہوا ہے ان کتابوں میں بہت کم ہیں۔ تمام گلستاں اور بوستاں میں صرف دو تین حکایتیں

ایسی ہیں جو اس زمانہ میں مستبعد معلوم ہوتی ہیں اور تاویل کے بعد انمیں بھی کچھ استبعاد باقی نہیں رہتا +

علم اخلاق کے بعض اصول جن میں ہمیشہ اختلاف رہا ہے اور اب بھی چلا جاتا ہے اگر کسی کتاب میں زمانہ حال کے فلسفہ مسلمہ کے برخلاف ہوں تو اُسپر کچھ اعتراض نہیں ہوسکتا - کیونکہ ایسی کوئی کتاب نہیں ہوسکتی جسکی سب باتوں پر تمام عالم کا اتفاق ہو - مثلاً شیخ کے اِس فقرہ پر کہ "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز" اکثر مشنری لوگ یہ کہتے ہیں کہ جھوٹ کیسا ہی مصلحت آمیز ہو سچ کے برابر یا سچ سے بہتر ہرگز نہیں ہوسکتا - اِس بحث کے متعلق ہمارے ایک دوست نے نہایت دلچسپ قصہ نقل کیا - اُنہوں نے کہا کہ ایک علمی سوسائٹی میں چند یوروپین عالم اور مشنری موجود تھے راستی اور دروغ پر ایک مضمون پڑھا گیا - جسمیں گلستان کی فقرۂ مذکور کی تائید کی گئی تھی - ایک پادری صاحب نے کہا کہ مضمون عمدہ ہے مگر جسقدر اِس فقرہ کی تائید میں لکھا گیا ہے اُسمیں سے نکالدینا چاہئے - اِسپر بہت دیر تک بحث ہوتی رہی مگر کچھ فیصلہ نہوا - آخر ہمارے دوست جو اِس قصہ کے راوی ہیں اُنہوں نے کھڑے ہوکر کہا کہ اِس بحث کا محاکمہ یوں ہوسکتا ہے کہ اپنی ذاتی اغراض کے لئے تو بیشک جھوٹ بولنا کسی حالت میں جائز نہیں لیکن اگر جھوٹ سے کسی مظلوم کی جان بچتی ہو تو ایسی حالت میں جھوٹ بولنا بیشک سچ بولنے سے بہتر ہے - اِسکے بعد اُنہوں نے یہ مثال دی کہ ۱۸۵۷ء میں جو اکثر لوگوں نے

رحم اور انسانی ہمدردی کی راہ سے یوروپین عورتوں اور بچّوں کو ظالموں اور بے رحموں کے شر سے بچانے کے لئے اپنے گھروں میں چھپالیا تھا اور باغی لوگ اُن کو ڈھونڈھتے پھرتے تھے اور ایک ایک سے اُن کا حال پُوچھتے تھے ایسی حالت میں جھوٹ بولکر اُن بیگناہوں کو خطرہ سے بچانا بے شک سچ بولنے سے بہتر تھا۔ اِس تقریر کو تمام مجلس نے پسند کیا اور وُہ فقرہ سب کے اتفاق سے مضمون میں بحال رکھا گیا۔ مذکورۂ بالا توجیہ کی تائید خود شیخ کے کلام سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ اُسنے گلستاں کے آٹھویں باب میں اپنی ذاتی غرض کے لئے جھوٹ بولنے کو بہت بُرا بتایا ہے چنانچہ وُہ کہتا ہے۔

گر راست سخن باشی و در بند بمانی ‌ ‌ ‌ بہ زانکہ دروغت دہد از بند رہائی

بعض صاحبوں کی یہ رائے ہے کہ صورتِ مفروضہ میں بھی مقتضائے جوانمردی یہی ہے کہ جھُوٹ نہ بولا جائے بلکہ ظالموں کا مقابلہ کرکے اپنے تئیں اُن مظلوموں پر نثار کیا جائے۔ جب اپنے میں سے کوئی باقی نرہے تب اُن مظلوموں کی باری آئے تو آئے"۔ لیکن ہمارے نزدیک جبھی تک جوانمردی ہے کہ ظالموں کے مقابلہ کرنے یا اپنی جان پر کھیلنے سے اُن بیگناہوں کی جان بچ جانے کا یقین کامل ہو ورنہ یہ حرکت تہوّر اور نادانی اور سفاہت میں شمار ہوگی۔

اِسیطرح شیخ کے اِس شعر کے مضمون پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے۔

شمشیرِ نیک ز آہنِ بد چوں کند کسے ‌ ‌ ‌ ناکس بہ تربیت نشود اے حکیم کس"

کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ تعلیم و تربیت اور قانون و مذہب اور تمام سیاستیں عبث اور فضول اور بیکار ہیں - مگر یہ مسئلہ کہ تعلیم سے انسان کی جبلت بدلجاتی ہے یا نہیں - علم اخلاق کے اُن مسائل میں سے ہے جنکا آجتک کسی قطعی دلیل سے فیصلہ نہیں ہوا - انگلستان کے ایک روشن ضمیر مؤرخ کی رای ہے کہ حال کی سویلزیشن سنے انسان کہ اخلاق پر اسکے سوا کچھ اثر نہیں کیا کہ گناہوں کی صورتیں اور نام بدل گئے ہیں مگر گناہ بدستور موجود ہیں - پہلے زمانہ میں بیشک گناہ بہت سخت اور شدید اور صریح ہوتے تھے لیکن بہت کم ہوتے تھے اور اب اگرچہ ویسے شدید اور سخت گناہ نہیں ہوتے لیکن نہایت کثرت سے ہوتے ہیں اور چھپے ہوے ہوتے ہیں - اسی لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو بھی انسان اپنی جبلت سے نہیں ٹلتا *

ایک جگہ شیخ نے کہا ہے کہ ”یہودی کیسا ہی دولت مند ہو جای شریف نہیں ہو سکتا،، فی الواقع اس سے کمال تعصب پایا جاتا ہے مگر اسپر کوئی مُہذب سے مہذب بھی اعتراض نہیں کر سکتا - ہر قوم اپنی حکومت کے زمانہ میں محکوم قوم کو ایسا ہی سمجھتی رہی ہے - آریائی ہندوستان کے قدیم باشندوں کو اس سے بھی زیادہ حقیر سمجھا تھا - مسلمانوں نے بھی اپنے دَورہ میں اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھا اور انگریز بھی باانہمہ شایستگی و تہذیب نوبلٹی یا شرافت کو اپنی ہی قوم کے ساتھ مخصوص

جلنتے ہیں *

ایک اور جگہ گلستاں میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک مریض بادشاہ کے لئے چند حکمائی یونان نے آدمی کا پتا جو خاص صفات سے موصوف ہو تجویز کیا تھا مگر تجربہ کی نوبت نہیں آئی - یہ بات حال کی تحقیقات کے برخلاف بتائی جاتی ہے - شاید ایسا ہی ہو - مگر شیخ اس اعتراض سے بری ہے - اسکا الزام جو کچھ ہے مجوّزین پر ہے نہ اُن کی تجویز کے راوی پر شیخ پر البتہ اُس صورت میں اعتراض ہو سکتا تھا کہ وہ اُن کی تجویز کو پسند کرتا - یا یہ لکھتا کہ اُس سے بادشاہ کو شفا ہو گئی - یا جو فرض معلّمین اخلاق کا ہے (یعنی ہر قصّہ اور افسانہ سے ایک مُفید نتیجہ استخراج کرنا) اُس سے عُہدہ برآر نہوتا *

بعض مُلّایانہ اعتراض بھی شیخ کے کلام پر سُنے گئے ہیں - مثلاً اُسنے گلستان میں کہا ہے "راہ راست بروا گرچہ دور است * زن بیوہ مکن اگرچہ حور است" اسپر بعض حضرات یہ نقض وارد کرتے ہیں کہ جب امر کی اجازت شریعت سے پائی جاتی ہے اُس سے منع کرنے کے کیا معنی - اور بعضے کٹ مُلّا بیوہ کی جگہ ہیوہ[۱] بتاتے ہیں جسکے معنی اُنہیں کو معلوم ہیں - یہ ویسا ہی اعتراض ہے جیسا کسی نے کہا تھا "شعر مرا بمدرسہ کہ برد" ظاہر ہے کہ شیخ کی کتاب گلستاں کوئی فقہ کا فتاوی نہیں ہے کہ

---

[۱] ہیوہ کے معنی لغت میں متجدد اور متغیر ہونے کے لکھے ہیں جو اس شعر میں کسی طرح چسپاں نہیں ہو سکتے ۱۲

جسکی ہر امر و نہی کو مصطلح فقہا پر محمول کیا جائے۔ وہ اکثر اپنے تجربہ اور رائے کے موافق جس بات کو بنی نوع کے حق میں مفید سمجھتا ہے اُس کی ترغیب دیتا ہے اور جسکو مضر سمجھتا ہے اُس سے منع کرتا ہے۔ گو فقہا نے اُسکو مباح لکھا ہو۔ کیونکہ مباحات میں فعل اور ترک دونو باتوں کا اختیار دیا گیا ہے۔ رہی یہ بات کہ شیخ کی رائے فی نفسہ کیسی ہے سو حدیث نبوی سے بھی ابکار کی ترجیح ثیبات پر ثابت ہوتی ہے ٭

سب سے زیادہ معقول اعتراض بوستان کی اُس حکایت پر وارد ہوتے ہیں جسمیں شیخ نے سومنات کا قصہ لکھا ہے مگر ہمنے اُسکی بابت پہلے باب میں کچھ عذر لکھے ہیں جن سے اعتراض کسی قدر ہلکے ہو سکتے ہیں ٭

امرد پرستی کا ذکر جو ان کتابوں میں اکثر آتا ہے یہ بھی سخت اعتراض کے قابل بات معلوم ہوتی ہے۔ مگر اس باب میں جو کچھ ہم نے خاتمۂ کتاب میں لکھا ہے وہ شاید ان اعتراضوں کے فیصلہ کیلئے کافی ہو ٭

ایسے ایسے اعتراضوں سے بجائے اسکے کہ ان کتابوں کی قدر و قیمت میں کچھ فرق آئے اور زیادہ اُن کی عظمت ثابت ہوتی ہے۔ کپڑا جسقدر اُجلا ہوتا ہے اُسیقدر جلد ذرا سے دھبے سے میلا ہوتا ہے ان کتابوں کا بھی یہی حال ہے۔ یہ کتابیں ساڑھے چھ سو برس سے برابر تعلیم میں داخل رہی ہیں اور آجکل بھی کہ نہایت نکتہ چینی کا زمانہ

ہے اُسی طرح مشرقی سلسلۂ تعلیم کا جزو اعظم ہیں اُن کے ایک ایک فقرہ اور ایک ایک مصرع کو نہایت غور سے دیکھا گیا ہے۔ مشنیریوں نے صرف اِس وجہ سے کہ اِن میں مُسلمانوں کی مذہبی باتیں بہت ملی ہوئی ہیں اور ایسے مضامین کا سلسلۂ تعلیم میں داخل رہنا مشن کے مقاصد کے برخلاف ہے۔ اپنی نکتہ چینی کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا اور گورنمنٹ میں پیش کرنے کے لئے بڑے بڑے طولانی رو یو لکھکر چھپوائے ہیں۔ نیز اِس لحاظ سے کہ اِن کتابوں کو زیادہ تر صغیرسن بچے پڑھتے ہیں اور بھی زیادہ چھان بین کی گئی ہے۔ باوجود اِن سب باتوں کے ایسے چند سرسری اعتراضوں کا وارد ہونا جیسے کہ اوپر ذکر کئے گئے اِس بات کی دلیل ہے کہ وہ بلاشبہ اسقدر بے عیب ہیں جسقدر کہ زمانۂ متوسط میں انسان کا کلام بے عیب ہو سکتا تھا۔

دوسری عام اور بڑی خوبی جو اِن کتابوں کی خصوصیّات میں سے ہے وہ شیخ کا اندازِ بیان ہے جسکا ملکہ اُسکی طبیعت میں ودیعت کیا گیا تھا۔ یہ بات نہ قواعد علم بلاغت کی پابندی سے حاصل ہو سکتی ہے اور نہ کسی اُستاد کی تعلیم سے آتی ہے بلکہ جسطرح حسن صورت اور حُسنِ صوتِ قدرتی خوبیاں ہیں اسی طرح حُسنِ بیان بھی ایک جبلّی خاصہ ہے جسمیں اکتساب کو کچھ دخل نہیں اور یہی وہ چیز ہے جسکی کمی اور زیادتی پر شاعری کا نقصان اور کمال موقوف ہے۔ جو مطلب اُسکو بیان کرنا ہوتا ہے اُسکے لئے وہ ایسا دلکش اور لطیف پیرایہ ڈھونڈ لاتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں نہیں

ہوتا۔ مثلاً عربی میں ایک قول مشہور ہے "الصَّمتُ زِینَۃُ العَالِمِ وَسِترُ الجَاھِلِ (یعنی خاموشی عالم کی زینت ہے اور جاہل کی پردہ پوش اس مطلب کو وُہ شعر میں اس طرح بیان کرتا ہے۔

ترا خاموشی اے خداوند ہوش وقارست و نا اہل را پردہ پوش
اگر عالمی ہیبتِ خود مبر وگر جاہلی پردۂ خود مدر

یا مثلاً اسکو بیان کرتا ہے کہ جو لوگ نصیحت نہیں سُنتے وہ آخر کو پچھتاتے ہیں یا زک اُٹھاتے ہیں۔ اِس مطلب کو وہ یوں ادا کرتا ہے " ہر کہ نصیحت نشنود سرِ ملامت شنیدن دارد" یا مثلاً اُسکو یہ بیان کرنا ہے کہ ہر شئے کی قدر اُسکے کمیاب ہونے سے ہوتی ہے۔ اسکو وہ اِسطرح کہتا ہے اگر شبہا ہمہ شب قدر بودے شب قدر بے قدر بودے یا مثلاً اُسکو یوں بیان کرنا ہے کہ اپنے سے زیادہ علم والے سے مباحثہ کرنا نادانی ہے۔ اِسکو وُہ اِس طرح بیان کرتا ہے " ہر کہ با دانا ترے از خود مجادلہ نماید تا بدانند کہ داناست بدانند کہ نادان ست" یا مثلاً اِس مطلب کو کہ سب پیٹ کی خاطر سختی اُٹھاتے ہیں۔ وُہ اِس عنوان سے بیان کرتا ہے " اگر جورِ شکم نبودے ہیچ مرغ در دام نیفتادے بلکہ صیاد خود دام نہادے" یا مثلاً یہ بات کہ حاکم رشوت سے ڈھیلا ہو جاتا ہے اِسطرح بیان کرتا ہے " ہمہ کس را دنداں بہ ترشی کُند گردد مگر قاضیاں را بہ شیرینی" یا مثلاً اِس مطلب کو کہ ریا کے لئے لذتوں کو ترک کرنا بُرا ہے وہ اِس اسلوب سے ادا کرتا ہے " ہر کہ ترک شہوت از بہر قبولِ خلق دادہ

ازشہوت حلال ورشہوت حرام افتادہ است،، یا مثلاً اسکو یہ لکھنا ہے کہ کسی کی آہ وزاری سے قضائے الٰہی نہیں بدلتی اور قانونِ قدرت نہیں ٹوٹتا - اِسکو وہ اِس طرح ادا کرتا ہے -

قضا دگر نشود ور بہزار نالہ و آہ بشکر یا بہ شکایت برآید از دہنے
فرشتۂ کہ وکیل ست بر خزانۂ باد چہ غم خورد کہ بمیرد چراغ بیوہ زنے

یا اُسکو یہ کہنا ہے کہ اے ریاکار یہ دکھاوے کی عبادت تجھکو خدا تک نہ پہنچائیگی - اِس مطلب کو وہ یوں ادا کرتا ہے -

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی کیں راہ کہ تو میروی بہ ترکستان ست

کبھی وہ ایک نصیحت کے مضمون کو جو اُسے بیان کرنا ہے ایک واقعہ کی صورت میں بیان کرکے اُسکو زیادہ پُرتاثیر اور دلنشین کردیتا ہے مثلاً اُسکو یہ بیان کرنا تھا کہ جس طرح ہم سے پہلے لوگ ہزاروں امیدیں اور ارمان دل میں لئے ہوئے مرگئے اِسی طرح ایکروز ہم تم بھی مرجائیں گے - اِس مطلب کو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے -

شنیدم کہ یکبار در دجلۂ سخن گفت با عابدے کلۂ
کہ من فرِّ فرماندہی داشتم بسر بر کلاہے مہی داشتم
سپہرم مدد کرد و نصرت وفاق گرفتم بہ بازوئے دولت عراق
طمع کردہ بودم کہ کرماں خورم کہ ناگہ بخوردند کرماں سرم
بکن پنبۂ غفلت از گوش ہوش کہ از مردگاں پندت آید بگوش

اخیر کے شعر سے اُسنے یہ بات جتادی ہے کہ حقیقت میں کوئی کھوپڑی نہیں

بولی تھی بلکہ یہ صرف ایک بیان کرنے کا پیرایہ ہے۔ یا مثلاً اُس کو یہہ دکھانا منظور تھا کہ ہر شخص اپنے مذہب کو حق اور دوسرے کے مذہب کو باطل سمجھتا ہے۔ اِس مطلب کو وہ اِسطرح بیان کرتا ہے۔

یکے جہود و مسلماں خلاف میجستند	چنانکہ خندہ گرفت از نزاعِ ایشانم
بطیرہ گفت مسلماں گر این قبالۂ من	درست نیست۔ خدایا جہود میرانم
جہود گفت بتوریت میخورم سوگند	وگر خلاف کنم ہمچو تو مسلمانم
گر از بسیطِ زمیں عقل منعدم گردد	بخود گماں نبرد ہیچکس کہ نادانم

یہ مطلب اگر ایک جملہ میں بیان کیا جائے تو بھی اتنا مؤثر اور دلاویز نہیں ہوسکتا جیسا کہ اِس پیرایہ نے اُسکو دلاویز اور مؤثر کردیا ہے۔ یا مثلاً اُسکو یہ بیان کرنا تھا کہ امن اور عافیت اِسی میں ہے کہ انسان لوگوں کے قصے جھگڑوں سے علیحدہ رہے اور خودداری کو ہاتھ سے نہ دے اِس مطلب کو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے۔

دو کس گرد دیدند و آشوب جنگ	پراگندہ نعلین و پرّندہ سنگ
یکے فتنہ دید از طرف برشکست	یکے درمیاں آمد و سر شکست
کسے خوشتر از خویشتن دار نیست	کہ با خوب و زشتِ کسش کار نیست

یا مثلاً اُسکو یہ لکھنا منظور تھا کہ جو شخص اپنا کام چھوڑکر دوسروں کے کام میں دخل دیتا ہے وہ ایک بڑی جوابدہی اپنے ذمّہ لیتا ہے۔ اِس مطلب کو وہ اِس طرح ادا کرتا ہے۔

آں شنیدی کہ صوفئی میکوفت	زیرِ نعلینِ خویش میخے چند

آستینش گرفت سرہنگے ، کہ بیا نعل بر ستورم بند"

اسمیں پیرایۂ بیان کے علاوہ صوفی کی تخصیص کرنے سے شوخی اور ظرافت بھی انتہا کے درجہ کی برتی ہے۔ یا مثلاً اُسکو یہ لکھنا تھا کہ بھیک مانگنا جو ایک مذموم خصلت ہے اسکا الزام صرف فقیروں ہی پر نہیں بلکہ دولتمندوں پر بھی ہے۔ اِس مطلب کو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے "خواہندۂ مغربی در صفِ بزازانِ حلب می گفت اے خداوندانِ نعمت اگر شمارا انصاف بودے و مارا قناعت رسمِ سوال از جہان برخاستے"۔ یا مثلاً یہ بیان کرنا مقصود تھا کہ تواضع اور انکسار سے عزت اور مرتبہ حاصل ہوتا ہے اُس کو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے۔

یکے قطرہ باراں ز ابرے چکید ، خجل شد چو پہنائے دریا بدید
کہ جائیکہ دریاست من کیستم ، گر او ہست حقا کہ من نیستم
چو خود را بچشمِ حقارت بدید ، صدف در کنارش بجاں پرورید
سپہرش بجائے رسانید کار ، کہ شد نامور لولوے شاہوار
بلندی بدان یافت کو پست شد ، درِ نیستی کوفت تا ہست شد

یا مثلاً اُسکو یہ بیان کرنا تھا کہ جس طرح پارسا لوگ رندوں کی صحبت سے منقبض ہوتے ہیں اسی طرح رند لوگ پارساؤں کی صحبت سے گھبراتے ہیں۔ اسکو وہ اِس طرح بیان کرتا ہے۔

زاہدے در میان رنداں بود ، زاں میاں گفت شاہدی بلخی

گر بگوئی زما ترش منشیں | کہ تو ہم درمیانِ ما تلخی

کبھی وہ اپنے ہی کلام کو کسی اور کا مقولہ قرار دیکر نہایت بامزہ کر دیتا ہے۔ جیسے

دو یتیم جگر کردو روزے کباب | کہ میگفت گوئندۂ بار باب
دریغا کہ بے ما بسے روزگار | بروید گل و بشگفد نوبہار
بسے تیر و دے ماہ و اردی بہشت | بیاید کہ ما خاک باشیم و خشت

یا جیسے "چو دخلت نیست خرچ آہستہ ترکن | کہ مے گویند ملاحاں سرودے
اگر باراں بکوہستاں نہ بارد | بسالے دجلہ گردد خشک رودے"

یا جیسے۔

ہمچناں در فکرِ آں بیتم کہ گفت | پیلبانے برلبِ دریائے نیل
زیر پایت گر بدانی حالِ مور | ہمچو حالِ تست زیر پائے پیل

یا جیسے۔

چہ خوش گفت با کودک آموزگار | کہ کارے نکردیم و شد روزگار

یا جیسے۔

آں شنیدی کہ شاہدے بنہفت | با دل از دست دادۂ سے گفت
تا ترا قدرِ خویشتن باشد | پیشِ چشمت چہ قدر من باشد

۱۴- ان دونوں کتابوں میں یہ بات بھی تعجب انگیز ہے کہ باوجود صنائع لفظی و معنوی ان میں کثرت سے موجود ہیں۔ اور تقریباً گلستاں کے فقرے مسجع اور مقفّی ہیں باایںہمہ وہ سادگی میں

ہیں اور جہاں نثرِ عاری کا ذکر آتا ہے وہاں سب سے پہلے گلستان
کی مثال دی جاتی ہے۔ فی الواقع یہ شیخ کی کمال انشا پردازی کی ایک بہت
بڑی دلیل ہے۔ شاعر اور منشی جب الفاظ کی زیادہ رعایت کرتا ہے تو اُسکی
کلام میں خواہی نخواہی بناوٹ اور تکلف پیدا ہوجاتا ہے اور سر رشتہ حُسن
معنی ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔ شیخ نے صنائع لفظی و معنوی کو ایسی خوبصورتی
اور سلیقہ سے برتا ہے کہ کہیں ساختگی اور تصنع کا گمان نہیں ہوتا۔ مگر وہ اِن عارضی نشو
ونماؤں کا ایسا پابند نہیں ہے کہ اُن کے لئے فصاحت و بلاغت سے دست بردار
ہوجائے۔ جہاں الفاظ مساعدت کرتے ہیں وہاں ایک ہلکی سی چاشنی
اسکی بھی دیدیتا ہے۔ اُسکی نثر میں مسجّع اور مُرصّع فقرے سادہ فقروں
میں ایسے ملے ہوئے ہیں۔ جیسے پشمینے کی شال میں ریشم کی تار۔ جب تک
خاص توجہ سے نہ دیکھا جائے تمام فقرے یکساں اور ہموار معلوم ہوتے ہیں۔
البتہ بعض حکایتوں میں اُسنے صنائع لفظی و معنوی کی زیادہ رعایت کی
ہے جیسے ساتویں باب کی اُنیسویں حکایت جسمیں اپنا اور ایک شخص کا
مُناظرہ تونگری اور درویشی کے باب میں لکھا ہے۔ مگر اُس میں بھی
الفاظ کو حُسنِ معانی میں خلل انداز ہونے نہیں دیا۔ جسقدر اُس حکایت کے
الفاظ میں تناسب اور حسنِ انتظام پایا جاتا ہے اُس سے زیادہ خیالات
میں سنجیدگی اور اصلیت اور واقعیت موجود ہے۔ حکایت مذکور
کے چند متفرق فقرے بطور نمونہ کے یہاں نقل کئے جاتے ہیں:
"توانگراں دخلِ مسکینانند۔ و ذخیرۂ گوشہ نشیناں۔ و مقصدِ زائراں۔

وکہفِ مسافراں - وتحمّلِ بارِگراں از بہرِ راحت دگراں - دست بہ طعام آنگہ برند کہ مُتعلقاں وزیردستاں بخورند - وفضلۂ مکارمِ ایشاں بہ ارامل وایتام وپیراں واقارب وجیراں برسد *[1]* * ازمعدۂ خالی چہ قوّت آید - واز دستِ تہی چہ مرّوت زاید - واز پاے بستہ چہ سیر آید واز دستِ گرسنہ چہ خیر * * فراغت با فاقہ نے پیوندد - وجمعیت با تنگدستی صورت نہ بندد یکے تحریمۂ عشا بستہ - ودیگرے مُنتظرِ عشا نشستہ این بداں کے ماند * * اشارتِ خواجہ عالم بفقرِ طائفہ ایست کہ مردمیدانِ رضا اند - وتسلیم تیرِ قضا - نہ اینان کہ خرقۂ ابرار پوشند - ولقمۂ ادرار فروشند * * مشغولِ کفاف از دولتِ عفاف محروم ست - ومُلکِ فراغت زیرِ نگینِ رزقِ معلوم * * *

گفت چنداں مُبالغہ در وصفِ ایشاں بکردی - وسخنہاے پریشاں بگفتی کہ وہم تصوّر کند تریاقند - یا کلیدِ خانۂ ارزاق * مُشتے مُتکبر ومغرور - ومُعجب ونفور مُشتغلِ مال ونعمت - ومُفتتنِ جاہ وثروت - سخن نگویند الّا بسفاہت - ونظر نکنند الّا بکراہت - عُلما را بہ گدائی منسوب کنند - وفقرا را بہ بے سروپائی معیوب گردانند - بعزّتِ مالے کہ دانند - وغیرتِ جاہے کہ پندارند برتر از ہمہ نشینند - وخود را بہتر از ہمہ شناسند - نہ آں در سر دارند - کہ سر بکسے فرود آرند - بیخبر از قولِ حکما کہ گفتہ اند " ہر کہ بطاعت از دیگراں کم ست * بنعمت بیش - بصورت توانگر ست وبمعنی درویش " * * گفتم مذمتِ ایشاں روا مدار کہ خداوندانِ کرم اند - گفت غلط کردی کہ بندگانِ درم اند -

---

[1] یہ نشان * * اسبات کا ہے کہ یہاں کچھ فقرے چھوڑ دیے گئے ہیں * ۱۲

چه فائده که ابر آذارند - و بر کس نمی بارند - و چشمهٔ آفتابند و بر کس نمی تابند - و بر
مرکبِ استطاعت سوارند و نمیرانند - و قدمی بهرِ خدا ننهند - و درمی بی منّ
و اذیٰ ندهند - مالی بمشقت فراهم آرند - و بخسّت نگهدارند - و بحسرت بگذارند -
چنانکه بزرگان گفته اند "سیمِ بخیل وقتی از خاک برآید که بخیل به خاک در آید -
✤ ✤ گفتمش بر بخلِ خداوندانِ نعمت وقوف نیافتهٔ الا بعلتِ گدائی -
وگرنه هر که طمع یکسو نهد کریم و بخیلش یکے نماید - محک داند که زر چیست - و گدا
داند که مُمسک کیست ✤ ✤ ✤ محالِ عقلست کاگر ریگِ بیابان دُر شود -
چشمِ گدایان پُر شود ✤ ✤ ✤ هرگز دیدهٔ دستِ وغائی برکتف بسته - یا
بعلتِ بینوائی در زندان نشسته - یا پردهٔ معصومی دریده - یا کفی از معصم
بُریده - الا بعلتِ درویشی - شیرمردان را بحکمِ ضرورت در نقبها گرفته اند -
و کعبها سُفته ✤ ✤ ✤ اغلب تهیدستان دامنِ عصمت بمعصیت
آلایند - و گرسنگان نان مردم ربایند **بیت**

چون سگِ درنده گوشت یافت نپرسد ✤ کین شترِ صالح ست یا خرِ دجّال

✤ ✤ گفتا نه - که من بر حالِ ایشان رحمت می برم - گفتم نه - که بر مالِ ایشان
حسرت می خوری ✤ ✤ ✤ هر بیذقی که براندی بدفعِ آن کوشیدمی -
و هر شاهی که بخواندی بفرزین بپوشیدمی - تا نقدِ کیسهٔ همت درباخت - و تیرِ
جعبهٔ حجت همه بینداخت ✤ ✤ ✤ هر جا که گلست خارست - و با خمر خمار -
و بر سرِ گنج مار - و آنجا که دُرِّ شاهوارست - نهنگِ مردم خوار - لذّتِ عیشِ دنیا را
لدغهٔ اجل در پس ست - و نعیمِ بهشت را دیوارِ مکاره در پیش ✤ ✤ ✤

نظر نکنی در بستاں کہ بید مشک ست و چوب خشک ہچنیں در زمرۂ تونگراں شاکرند وکفور۔ و در حلقۂ درویشاں صابرند و ضجور * * مقربان حضرت حق جلّ وعلا توانگرانند درویش سیرت و درویشانند تونگر ہمت۔ مہین تونگراں آنست کہ غم درویشاں بخورد۔ و بہین درویشاں آں کہ کم تونگراں گیرد * * نعم طائفہ ہستند بدیں صفت کہ بیان کردی۔ قاصر ہمت ود کافر نعمت۔ کہ ببرند و بنہند و بخورند و ندہند * * قومے بریں نمط ہستند کہ شنیدی۔ و طائفہ خوان نعمت نہادہ وصلاے کرم درداده و میاں بخدمت بستہ۔ و ابرو بتواضع کشادہ۔ طالب نام اند و مغفرت۔ و صاحب دنیا و آخرت *

۴۔ شیخ اکثر ان کتابوں میں ایسی حکایتیں لکھتا ہے جن میں باوجود موعظت بلیغ کے کسیقدر ظرافت وخوش طبعی کی بھی گنجایش ہو۔ پھر اپنے حسنِ بیان سے تمام حکایت کو نہایت لطیف و ملیح کر دیتا ہے۔ اور کبھی وہ ایک سیدھی سادی حکایت میں کوئی گرم فقرہ یا لطیف کنایہ ایراد کرکے اُس میں لون مرچ لگا دیتا ہے تاکہ پند و موعظت کی تلخی ظرافت کی چاشنی سے دور ہوجاسے۔ چنانچہ گلستاں کے خاتمہ میں اُسنے لکھا ہے کہ:۔

غالب گفتارِ سعدی طرب انگیز ست وطیب آمیز۔ وکوتہ نظراں را بدیں علت زبانِ طعنہ دراز کہ " مغز دماغ بیہودہ بردن و دود چراغ بیفائدہ خوردن کار خردمنداں نیست،، ولیکن برراے روشنِ صاحبدلاں کہ روی سخن در ایشان

ست پوشیدہ نماند کہ دُرِ موعظت ہائے صافی در سلکِ عبارت کشیدہ است و دارو سے تلخ نصیحت بشہد ظرافت آمیختہ۔ تا طبع ملول انسان از دولت قبول محروم نماند" جو ظرافت اُسنے گلستاں اور نیز بوستاں میں برتی ہے وہ اکثر نہایت سنجیدہ اور معقول ہے البتہ کہیں کہیں اُس کے قلم سے ایسے الفاظ بھی ٹپک پڑے ہیں جو قانون شرم وحیا سے کسیقدر متجاوز ہیں۔ لیکن ایک ظریف طبع اور شوخ مزاج آدمی کا ایسے الفاظ سے بچنا اُسی سوسائٹی میں ممکن ہے جسمیں مرد عورت تقریباً تمام جلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور جہاں مردوں کو عورتوں کی مجالست اور اُن کے تعلیم یافتہ ہونے کے سبب ہمیشہ تقریر و تحریر میں زبان قابو میں رکھنی پڑتی ہے - ورنہ طبیعت کی شوخی ایک ایسی چیز ہے جو بغیر سخت مزاحمت کے کسی طرح رُک نہیں سکتی -

نخورد تاب مستوری ندارد ۔ چو در بندی سر از روزن بر آرد

اِس قسم کی چند حکایتیں مثال کے طور پر یہاں لکھی جاتی ہیں +

مثال ۱ - مہمان پیرے بودم در دیار بکر کہ مال فراوان داشت و فرزندے خوبروے - شبے حکایت کرد کہ " مرا در ہمہ عمر جز ایں فرزند نبودہ است درختے درین وادی زیارتگاہ است کہ مردمان بحاجت خواستن آنجا روند۔ شبہائے دراز درپائے آں درخت بحق نالیدہ ام تا مرا ایں فرزند بخشیدہ" شنیدم کہ پسر با رفیقاں ہمیگفت " چہ بودے اگر من آں درخت را بدانستمے کہ کجاست تا دعا کردمے کہ پدرم بزودتر بمیرد" خواجہ شادی کناں کہ پسرم عاقل است و پسر

طعنہ زن کہ پدرم فوت وت لاَیَنقَل **قطعہ** سالہا بر تو بگذرد کہ گذر۔ نکنی سوئے تربتِ پدرت ٭ تو بجاے پدر چہ کردی خیر۔ تا ہماں چشم داری از پسرت ٭

مثال ۲۔ پیرمردے را حکایت کنند کہ دخترے خواستہ وحجرہ بگل آراستہ وبخلوت با او نشستہ ودیدہ ودل دروبستہ۔ شبہاے دراز نخفتے وبذلہا ولطیفہا گفتے۔ باشد کہ موانست پذیرد۔ ووحشت نگیرد۔ بالجملہ شبے میگفت بخت بلند یار بود وچشم دولت بیدار کہ بصحبتِ پیرے افتادی پختہ۔ پروردہ۔ جہاندیدہ آرمیدہ۔ نیک وبد جہاں آزمودہ۔ سرد وگرم روزگار چشیدہ۔ کہ حقِ صحبت بداند۔ وشرطِ مودّت بجاے آرد۔ مشفق ومہربان۔ خوش طبع وشیرین زبان **مثنوی** تا توانم دلت بدست آرم۔ ور بیازاریم نیازارم ٭ ور چو طوطی شکر بود خورشت۔ جانِ شیریں فداے پرورشت ٭ نہ گرفتار آمدی بدست جوانی معجب۔ خیرہ راے۔ سرتیز۔ سُبک پاے۔ کہ ہردم ہوَسے پزد۔ وہر شب جاے خسپد۔ وہر روز یارے گیرد **قطعہ** جوانان خرّم اند وخوب رخسار۔ ولیکن در وفا باکس نپایند ٭ وفاداری مجو از بلبلاں چشم۔ کہ ہردم برگلے دیگر سرایند ٭ برخلافِ پیراں کہ بعقل وادب زندگانی کنند۔ نہ بمقتضاے جہلِ جوانی **بیت** زخود بہترے جوئے وفرصت شمار ٭ کہ با چوں خودے گم کنی روزگار ٭ گفت چنداں کہ بریں نمط بگفتم گمان بردم کہ دلش درقیدِ من آمد۔ وصیدِ من شد۔ ناگاہ نفسے سرد از دلِ پُر درد برآورد وگفت۔ کہ چندیں سخن کہ گفتی در ترازوے عقلِ من وزنِ آن یک سخن ندارد کہ وقتے شنیدہ ام از قابلۂ

خویش کہ گفت" زن جوان را اگر تیرے در پہلو نشیند بہ کہ پیرے" فی الجملہ امکان موافقت نبود بمفارقت انجامید - چون مدت عدتش بسر آمد عقد نکاحش بستند با جوانے تند - ترشروے - تہیدست - بدخوے - جور وجفاے دید ورنج عنا میکشید - وشکر نعمت حق ہمچناں میگفت کہ الحمد اللہ از اں عذاب الیم برہیدم - وبدیں نعمت مقیم رسیدم **قطعہ**

با تو مرا سوختن اندر عذاب | بہ کہ شدن با دگری در بہشت
بوے پیاز از دہن خوبروے | خواب ترآید کہ گل از دست زشت

مثال ۳ - مراحاجیے شانۂ عاج داد | کہ رحمت برا خلاق حجاج باد
شنیدم کہ باری سگم خوانده بود | کہ از من بنوعے دلش مانده بود
بینداختم شانہ کیں استخواں | نمی بایدم دیگرم سگ مخواں
مپندار چوں سرکہ خود خورم | کہ جور خداوند حلوا برم
قناعت کن اے نفس اندکے | کہ سلطان و درویش بینی یکے
چرا پیش خسرو بحاجت روی | چو یکسو نہادی طمع خسروی

یہاں پہلی بیت کے دوسرے مصرع میں **رحمت** کا لفظ کنایۃً بجاے نفرین اور اُس کے مُرادف الفاظ کے لایا گیا ہے - کیونکہ شعرا کے نزدیک حاجیوں کی سنگدلی - قساوت اور تکبّر وغیرہ صفات ذمیمہ مسلّم ہیں - چنانچہ گلستاں میں بھی شیخ نے ایک جگہ لکھا ہے " ازمن بگوے حاجی مردم گزاے را * کو پوستین خلق بہ آزار میدرد * حاجی تو نیستی شتر ست ازبراے آنکہ - بیچارہ خار میخورد و بار مے برد" ایک اور شاعر کہتا ہے"

چوں عاملے کہ دلِ زر ویرانہ جمع کرد - حاجی ستم نخلقِ خدا بیشتر کند* پس ظاہر ہے کہ جو شوخی اِس کنایہ میں ہے وہ صراحت میں ہرگز ممکن نہ تھی۔ اکثر ناواقف لوگ اِس جگہ رحمت کو اپنے حقیقی معنی پر محمول کرتے ہیں مگر حکایت کا مضمون جس سے رنجش اور شکایت پائی جاتی ہے حقیقی معنی سے ابا کرتا ہے*

مثال ۴ - بازرگانے را دیدم کہ صد و پنجاہ شتر بار داشت - و چہل بندۂ خدمتگار شبے در جزیرۂ کیش مرا بحجرہ خویش بُرد - و ہمہ شب نیارمید از سخنہائے پریشاں گفتن کہ "فلاں انبارم بہ ترکستاں ست - و فلاں بضاعت بہندوستاں - و ایں قبالۂ فلاں زمین است - و فلاں مال را فلاں کس ضمین" گاہ گفتے کہ خاطرِ اسکندریہ دارم کہ ہوایش خوش ست - و باز گفتے نے - دریائے مغرب مُشوّش ست - سعدیا سفرے دیگر در پیش ست - اگر آں کردہ شود بقیتِ عُمر بگوشہ بنشینم - گفتم آں کدام سفر است - گفت "گوگرد پارسی بہ چین خواہم بُردن کہ شنیدم قیمتِ عظیم دارد - و از انجا کاسۂ چینی بروم برم - و دیبائے رومی بہند - و پولادِ ہندی بحلب - و آبگینۂ حلبی بہ یمن - و بُردِ یمانی بہ پارس - از اں پس ترکِ سفر کنم و بدکانے نشینم" چندانے ازیں مالیخولیا فرو گفت کہ بیش طاقت گفتنش نماند - گفت سعدی تو ہم سخنے بگو از انہا کہ دیدی و شنیدی - گفتم **نظم**

آں شنیدستی کہ وقتے تاجرے
در بیابانے بیفتاد از ستور
گفت چشمِ تنگ دُنیا دار را
یا قناعت پر کند یا خاکِ گور

مثال ۵ - ملک صالح از پادشاهان شام برون آمدی صبحدم با غلام

بگشتی در اطراف بازار و کوے برسم عرب نیمه بربسته روے

که صاحب نظر بود و درویش دوست هر آن کین دو دارد ملک صالح اوست

دو درویش در مسجدی خفته یافت پریشان دل و خاطر آشفته یافت

شب سردشان دیده نابرده خواب چو حربا تامل کنان آفتاب

یکے زان دو میگفت با دیگرے که در روز محشر بود داورے

گر این پادشاهان گردن فراز که در لهو و عیش اند و با کام و ناز

درآیند با عاجزان در بهشت من از گور سر بر نگیرم ز خشت

بهشت برین ملک و ماوای ماست که بند غم امروز بر پای ماست

همه عمر از اینان چه دیدی خوشی که در آخرت نیز زحمت کشی

اگر صالح آنجا بدیوار باغ درآید بکفشش بدرّم دماغ

چو مرد این سخن گفت و صالح شنید دگر بودن آنجا مصالح ندید

دمے رفت تا چشمهٔ آفتاب ز چشم خلایق فروشست خواب

روان هر دو کس را فرستاد و خواند بهیبت نشست و بحرمت نشاند

بر ایشان ببارید باران جود فروشستشان گرد ذل از وجود

پس از رنج سرما و باران و سیل نشستند با نامداران خیل

گدایان بے جامه شب کرده روز معطر کنان جامه بر عود سوز

یکے گفت از اینان ملک را نهان که ای حلقه در گوش حکمت جهان

پسندیدگان در بزرگی رسند ز ما بندگانت چه آمد پسند

شہنشہ ز شادی چو گل برشگفت | بخندید در روی درویش و گفت
من آن محسن نیم کز غرور حشم | ز بیچارگاں روی درہم کشم
تو ہم با من از سر بنہ خوی زشت | کہ ناسازگاری کنی در بہشت
من امروز کردم در صلح باز | تو فردا مکن در برویم فراز
چنیں راہ گر مقبلی پیش گیر | شرف بایدت دست درویش گیر
بر از شاخ طوبی کسی بر نداشت | کہ امروز تخم ارادت نکاشت
ارادت نداری سعادت مجوی | بچوگان خدمت تواں برد گوی
ترا کے بود چوں چراغ التہاب | کہ از خود پُری ہمچو قندیل ز آب
وجودے دہد روشنائی بجمع | کہ سوزیش در سینہ باشد چو شمع

۵ - وہ اکثر نہایت پاکیزہ اور لطیف نکتے جنسے عموماً اذہان خالی ہوتے ہیں ایسی معمولی اور سرسری باتوں سے نکال لیتا ہے جو عام ذہنوں میں موجود ہوتی ہیں ‌•

مثال - ہر نفسے کہ فرو میرود مُمدِ حیات ست و چون برمی آید مُفرّحِ ذات - پس در ہر نفسے دو نعمت موجود است و بر ہر نعمتے شکرے واجب - یہ بات کہ داخلی اور خارجی دونو سانس انسان کی زندگی اور تفریح کے باعث ہیں سب کو معلوم تھی اور یہ بھی معلوم تھا کہ ہر ایک نعمت کا شکر ادا کرنا چاہیئے مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ ہر سانس میں خدا کا شکر کرنا واجب ہے •

مثال ۲ - چو طفل اندروں دارد از حرص پاک | چہ مشتِ زرش پیش و چہ مشتِ خاک

یہ بات سبکو معلوم تھی کہ بچہ حرص اور طمع سے پاک ہوتا ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ اُسکو سونے اور مٹی میں کچھ تمیز نہیں ہوتی - مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ سونے اور مٹی کو برابر جاننا جو کہ اعلیٰ درجہ کے عُرفا اور خدا رسیدہ لوگوں کا منصب ہے بچہ کو گویا فقط حرص اور طمع سے پاک ہونے کے سبب حاصل ہے کیونکہ سونے اور مٹی میں کچھ فرق نکرنا اُس میں جبھی تک باقی رہتا ہے جب تک حرص اور طمع پیدا نہیں ہوتی - پس ایک شاعر نہ کہ فلسفی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ یہ دونوں باتیں لازم وملزوم ہیں +

مثال ۳ - "ازاں کز تو ترسد بترس اے حکیم + وگر با چو او صد بر آئی بجنگ + ازاں مار بر پاے راعی زند + کہ ترسد سرش را بکوبد بسنگ" +

یہ بات سب جانتے ہیں کہ کبھی کبھی عاجز اور زیر دست بھی زبردستوں پر غالب آجاتے ہیں اور سانپ کا وار بھی کبھی کبھی چرواہے پر چل جاتا ہے - مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ جو اپنے سے ڈرے اُس سے ڈرنا چاہیئے کیونکہ عام خیال یہ ہے کہ جو اپنے سے ڈرے اُس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں +

مثال ۴ - "وہ کہ گر مُردہ باز گردیدے + بمیانِ قبیلہ و پیوند + ردِّ میراث سخت تر بودے + وارثاں را ز مرگ خویشاوند + یہ بات سبکو معلوم تھی کہ میراث بہت عزیز چیز ہے اور یہ بھی معلوم تھا کہ مرگِ خویشاوند سخت مُصیبت ہے مگر یہ نکتہ مخفی تھا کہ اگر مُردہ پلٹ کر آتا تو وارثوں کو میراث کا واپس دینا اُسکے ماتم کے رنج سے زیادہ سخت

اور ناگوار ہوتا *

اِسی طرح وہ نہایت سرسری اور معمولی سرگزشتوں سے ایسے نادر اور اچھوتے نتیجے نکال لیتا ہے جو وہم و گمان میں نہیں ہوتے۔ مثلاً یہ کہ میرے باپ نے بچپن میں مجھکو ایک انگوٹھی پہنا دی تھی۔ ایکروز ایک شخص نے ایک کھجور دیکر مجھ سے وہ انگوٹھی لے لی۔ چونکہ بچّہ انگوٹھی کی قدر نہیں جانتا اسلئے ذرا سی مٹھاس کا لالچ دیکر اُس سے لی جاسکتی ہے۔ پس جو لوگ عمر کو عیش شیرین میں برباد کرتے ہیں شاید وُہ عُمر کی قدر نہیں جانتے۔ یا مثلاً میں ایکبار عید کے دن باپ کے ساتھ عید گاہ میں گیا۔ اِتفاقاً خلقت کے ہجوم میں باپ سے بچھڑ گیا میں اُسی حالت میں رو رہا تھا کہ باپ نے آکر دفعتہً میرا کان مروڑا اور فرمایا "میں نے تجھکو بارہا کہا ہے کہ میرا دامن پکڑے رہا کر مگر تو نہیں مانتا" سچ ہے جس طرح انجان بچّہ اپنے آپ رستہ نہیں چل سکتا اسیطرح سالک بغیر مشائخ اور کاملین کی دستگیری کے منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکتا یا مثلاً میرے جسم میں کپڑوں کے اندر ایک زخم تھا شیخ علیہ الرحمتہ ہمیشہ پوچھتے تھے کہ کیسا ہے مگر یہ کبھی نہ کہتے تھے کہ کہاں ہے اِس سے میں نے جانا کہ ہر عضو کا نام لینا روا نہیں ہے۔ یا مثلاً ایک شخص نے اپنے بیٹے کے کان امیٹھکر کہا کہ "نالایق! میں نے تجھکو کلہاڑی لکڑیاں چیرنے کو دی تھی مسجد کی دیوار ڈھانے کو نہیں دی تھی" اِسی طرح زبان ذکر اور شکر کے لئے بنی ہے لوگوں کی غیبت کرنیکے لئے

نہیں بنی - یا ایک شخص مٹی میں سنا ہوا مسجد میں جانے لگا - دوسرے نے
اُسکو جھڑک دیا کہ خبردار جو مسجد میں قدم رکھا " میرا دل یہ بات سُنکر بھر آیا
کہ افسوس بہشت میں بھی جو ایک پاک جگہ ہے دامن آلودہ لوگ نہ جا
سکیں گے +

۶ - حُسنِ تاویل اور لُطفِ استدلال جیسا جیسا اُسکے کلام میں پایا جاتا ہے
ایسا اور شعرا کے کلام میں نہیں دیکھا گیا +

مثال ۱ - شنیدی کہ در روزگارِ قدیم + شدے سنگ در دست ابدال سیم +
نہ پنداری ایں قول معقول نیست - چو قانع شدی سیم و سنگت یکے ست +
یعنی یہ جو مشہور ہے کہ اگلے زمانہ میں اَبدال کے ہاتھ میں پتھر چاندی ہو جاتے
تھے - اِسمیں کوئی بات عقل کے خلاف نہیں ہے - کیونکہ جو لوگ قانع
ہوتے ہیں اُن کے نزدیک پتھر اور چاندی میں فرق نہیں ہوتا - ایک امر
خارقِ عادت کو کس حُسنِ بیان کے ساتھ کیسے مختصر لفظوں میں عادت کے
موافق ثابت کیا ہے +

مثال ۲ - رہِ عقل جُز پیچ در پیچ نیست | بر عارفاں جُز خدا ہیچ نیست
تواں گفتن ایں با حقایق شناس | ولے خوردہ گیرند اہلِ قیاس
کہ پس آسمان و زمیں چیستند | بنی آدم و دام و دد کیستند
پسندیدہ پرسیدی اے ہوشمند | بگویم گر آید جوابت پسند
کہ ہامون و دریا و کوہ و فلک | پری آدمی زاد و دیو و ملک
ہمہ ہرچہ ہستند ازاں کمتر اند | کہ با ہستیش نامِ ہستی برند

عظیم ست پیش تو دریا بہ موج | بلندست گردونِ گرداں بہ اوج
وے اہلِ صورت کجا پے برند | کہ ارباب معنی بملکے درند
کہ گر آفتابست یک ذرہ نیست | وگر ہفت دریاست یکقطرہ نیست
چو سلطانِ عزت عَلَم بر کشد | جہاں سر بجیبِ عدم درکشد

یہاں اُسنے وحدتِ وجود کے اصلی معنی جو کہ اہل نظر کی سمجھ سے بالاتر تھے نہیں بتائے۔ بلکہ ایک اور معنی جنکو ہر شخص تسلیم کرسکتا ہے نظم میں ایسی لطافت اور خوبی سے بیان کئے ہیں کہ کوئی اور نثر میں بھی مُشکل سے بیان کرسکتا ؛

مثال ۲۴ نگہدار فرصت کہ عالم دمیست | دمے پیش دانا بہ از عالمیست
سکندر کہ بر عالمی حکم داشت | دراں دم کہ بگذشت و عالم گذاشت
میسر نبودش کزو عالمے | ستانند و فرصت دہندش دمے

یہاں اُسنے دو متضاد دعوے کئے ہیں ایک یہ کہ عالم ایک سانس کا نام ہے۔ دوسرا یہ کہ ایک سانس عاقل کے نزدیک تمام عالم سے بہتر ہے پھر دونو دعووں کو ایک دلیل سے ثابت کیا ہے۔ کیونکہ جب ایک سانس کے نہ آنے سے تمام عالم سکندر کے ہاتھ سے جاتارہا تو معلوم ہوا کہ اُسی سانس کا نام عالم تھا اور جب کہ ایک سانس اُسکو تمام عالم کی عوض میں نہ مل سکا تو معلوم ہوا کہ ایک سانس تمام عالم سے بہتر تھا۔ یہ نہایت درجہ کا حُسنِ استدلال ہے کہ دو متضاد دعوے ایسی شگفتہ بیانی اور اختصار اور صفائی کے ساتھ ایک ہی دلیل سے ثابت کئے جائیں لعہ

حُسنِ شعری بھی ہاتھ سے نہ جانے ۔

۷ ۔ نیچر کے بیان میں شیخ کا کلام فی الواقع لاثانی ہے ۔ خدا کی صنعت اور حکمت کے متعلق وہ وہی باتیں بیان کرتا ہے جو سب جانتے ہیں لیکن یہ کسی کی طاقت نہیں کہ انکو ویسے پاکیزہ اور دلنشین بیان کے ساتھ ادا کر سکے ۔ اُس کے نیچرل بیان پر غالب مرحوم کا یہ شعر صادق آتا ہے ۔

شعر

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا | میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

مثال ۱ ۔ گر از حق نہ توفیقِ خیری رسد | کے از بندہ خیرے بغیرے رسد
زباں را پہ بینی کہ اقرار داد | ببیں تا زباں را کہ گفتار داد
در معرفت دیدۂ آدمیست | کہ بکشادہ بر آسمان و زمیست
کیت فہم بودی نشیب و فراز | گر ایں در نکردی بروی تو باز
سر آورد و دوست از عدم در وجود | دریں جود بنہادہ روے سجود
وگر نہ کے از دست جود آمدی | محالست کز سر سجود آمدے
بحکمت زبان داد و گوش آفرید | کہ باشند صندوق دل را کلید
اگر نہ زباں قصہ برداشتے | کس از سرِ دل کی خبر داشتے
وگر نیستے سعیِ جاسوسِ گوش | خبر کے رسیدی بسلطانِ ہوش
مرا لفظِ شیریں خوانندہ داد | ترا سمعِ درّاک دانندہ داد
مدام ایں دو چوں حاجبان بر درند | ز سلطاں بسلطان خبر مے برند
چہ اندیشی از خود کہ فعلم نکوست | ازاں در نگہ کن کہ تقدیر اوست

بروبوستاں‌ہاں بہ ایوانِ شاہ | بہ تحفہ ثمر ہم ز ایوان شاہ

اِس نظم میں اُسنے یہ بات بیان کی ہے کہ بدون خدا کی توفیق کے آدمی سے کچھ نہیں ہوسکتا اور زبان - کان - آنکھ - سر اور ہاتھ جن ظاہری اغراض کے لیے پیدا کئے گئے ہیں وہ اغراض بیان کی ہیں - یہ تمام باتیں کم و بیش ہر شخص کو معلوم ہوتی ہیں مگر جس ترتیب سے شیخ نے انکو بیان کیا ہے اُسکے لحاظ سے تمام مضمون نرالا معلوم ہوتا ہے اخیر بیت میں انسان کی بندگی اور بندگی کو باغبان کی ڈالی سے جو کہ بادشاہ ہی کے باغ میں سے بادشاہ کے لیے لاکر دیتا ہے تشبیہ دیکر مضمون کا حُسن انتہا کو پہنچا دیا ہے ۔

مثال ۲ دو صد مہرہ در یکدگر ساختت | کہ گل مہرہ چون تو پرداختست
رگت در تن ای پسندیدہ خوی | زمینے در و سیصد و شصت جوی
بصر در سر و فکر و رای و تمیز | جوارح بدل دل بدانش عزیز
بہائم بروی اندر افتادہ خوار | تو ہمچو الف بر قدمہا سوار
نگون کردہ ایشان سر از بہر خور | تو آری بعزت خورش پیش سر
نزیبد ترا با چنین سروری | کہ سر جز بطاعت فرود آوری

مثال ۳ شب از بہر آسایش تست و روز | مہ روشن و مہر گیتی فروز
صبا از برای تو فراش وار | ہمی گسترانَد بساط بہار
اگر باد و برفست و باران و میغ | وگر رعد چوگان زند برق تیغ
ہمہ کارداران فرمان برند | کہ تخم تو در خاک می پرورند

وگر تشنہ مانی ز سختی مجوش	کہ سقاے ابر آبت آرد بدوش
ز خاک آورد رنگ و بوی و طعام	تماشا گہ دیدہ و مغز و کام
عسل دادت از نحل و منّ از ہوا	رطب دادت از نخل و نخل از نوا
ہمہ نخلبنداں بخایند دست	ز حیرت کہ نخلے چنیں کس نبست
خور و ماہ و پرویں براے تو اند	قنادیلِ سقفِ سراے تو اند
ز خارت گل آورد و از نافہ مشک	زر از کان و برگ تر از چوب خشک
بدستِ خودت چشم و ابرو نگاشت	کہ محرم باغیار نتواں گذاشت
توانا کہ آں نازنیں پرورد	بالوان نعمت چنیں پرورد
بجاں گفت باید نفس بر نفس	کہ شکرش نہ کار زبانست و بس

۸- وہ اکثر قانون قدرت سے اشیا کے حُسن و قبح اور اصولِ اخلاق کے ثبوت پر استدلال کرتا ہے اور ایسا استدلال ہمیشہ دیگر اقسام استدلال کی نسبت زیادہ دلنشین اور عام فہم ہوتا ہے - کلام الٰہی میں بھی مبدا و معاد کے ثبوت پر زیادہ تر اسی قسم کا استدلال کیا گیا ہے *

مثال ۱-

پلیدی کند گربہ بر جاے پاک	چو زشتش نماید بپوشد بخاک
تو آزادی از ناپسندیدہ ہا	نترسی کہ بر وے فتد دیدہ ہا

بلی کو جو قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ وہ جہاں کہیں بول و براز کرتی ہے اسکو فوراً مٹی سے ڈھانک دیتی ہے - اس سے وہ اس بات پر استدلال کرتا ہے کہ بُرے اعمال کو ہمیشہ لوگوں سے چھپانا چاہئے جو

ایسا نہیں کرتے وہ ایک جانور کے برابر بھی سمجھ نہیں رکھتے ؛

مثال ۲ - حلمِ شتر چنانکہ معلوم ست اگر طفلے مہارش گیرد و صد فرسنگ برد گردن از متابعتِ او نپیچد - امّا اگر راہے ہولناک پیش آید کہ موجب ہلاک باشد و طفل آنجا بنادانی خواہد رفتن زمام از کفش درگسلاند و بیش متابعت نکند کہ ہنگامِ درشتی مُلاطفت مذموم است ؛

قطعہ

کسے کہ لطف کند با تو خاک پایش باش | وگر ستیزہ کند در دو چشمش افگن خاک
سخن بلطف و کرم با درشت خوی مگوے | کہ زنگ خوردہ نگردد بہ نرم سوہن پاک

یہاں اسکو یہ سوجھانا منظور تھا کہ نرمی وہیں تک پسندیدہ ہے جہاں تک دوسری طرف سے درشتی اور سختی اور اپنی مضرت کا احتمال نہو ورنہ مذموم ہے - اِس مطلب پر وہ یہ دلیل لایا ہے کہ اونٹ کو بھی قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ جب تک کچھ خطرہ نہیں ہوتا ایک بچہ اُسکی نکیل پکڑ کر جہاں تک چاہتا ہے لیجاتا ہے مگر جہاں کچھ خوف ہوتا ہے وہاں اُس کی اطاعت نہیں کرتا اور رسّی توڑ اکر بھاگ جاتا ہے ؛

مثال ۳ برہ بریکے پشیم آمد جواں | بہ تگ در پیش گم سفند دواں
بدو گفتم این ریسمانست و بند | کہ مے آرد اندر پیت گوسفند
سبک طوق و زنجیر ازو باز کرد | چپ و راست پوئیدن آغاز کرد
برہ همچنان میدوید | کہ جو خوردہ بود از کف مرد خید
چو باز آمد از عیش و بازی بجائے | مرا دید و گفت ای خداوند رائے

نه این ریسمان می بهد بانش	که احسان کمندیست در گردنش
به لطفے که دیدست پیل دمان	نیارد همے حمله بر پیلبان
بدان را نوازش کن ای نیکمرد	که سگ پاس دارد چو نانِ تو خورد
بران مرد کندست دندانِ یوز	که مالد زبان بر پنیرش دو روز

یہاں اُسکو یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ جسقدر تم لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کروگے اُسیقدر لوگ تمہارے دوست اور خیر خواہ و جان نثار ہونگے اسپر وہ یہ دلیل لایا ہے کہ بکری ۔ ہاتھی ۔ کتا ۔ چیتا اور اسی طرح تمام حیوانات کو قدرت نے یہ بات سکھائی ہے کہ جو شخص اُن کی پرورش کرتا ہے اور اُنکو کھلاتا پلاتا ہے وہ اُسی کا دم بھرنے لگتے ہیں ۔ یہانتک کہ وحشیوں میں وحشت اور درندوں میں بہیمیت باقی نہیں رہتی ؛

۹ ۔ وہ کیسی ہی فصیحانہ اور واعظانہ نصیحتیں جو اکثر تلخ [illegible] اور سامعین کے دل پر کچھ اثر نہیں کرتیں بلکہ [illegible] اور [illegible] نصیحت [illegible] کرتا ہے جو [illegible] سے اسی قدر [illegible] ہوتی ہیں لیکن شیریں [illegible] ہیں اور اسلئے انکو اہل [illegible] رند و دنو پسند کرتے ہیں ؛

مثال ۔ ابسر تاب سلطان شبی گفت زن	که خیز اے مبارک در رزق زن
برو تا ز خوانت نصیبے دهند	که فرزندگانت بسختی درند
بگفتا بود مطبخ امروز سرد	که سلطان بشب نیت روزه کرد
زن از نا امیدی سر انداخت پیش	همی گفت با خود دل از فاقه ریش

کہ سلطان ازیں روزہ گوئی چہ خواست | کہ افطار او عید طفلان ماست
خورندہ کہ خیرش برآید زدست | بہ از صائم الدہر دنیا پرست
مُسلّم کسے را بود روزہ داشت | کہ درماندۂ را دہد نان چاشت
وگرنہ چہ حاجت کہ زحمت بری | زخود باز گیری و ہم خود خوری

مثال ۲ شنیدم کہ مردی براہِ حجاز | بہر خطوہ کردے دو رکعت نماز
چناں گرم رو در طریقِ خدائے | کہ خارِ مغیلاں نکندے ز پاے
بہ آخر ز وسواس خاطر پریش | پسند آمدش در نظر کارِ خویش
بہ تلبیسِ ابلیس در چاہ رفت | کہ نتواں ازیں خوبتر راہ رفت
گرش رحمتِ حق نہ دریافتے | غرورش سر از جادہ برتافتے
یکے ہاتف از غیب آواز داد | کہ اے نیکبخت مبارک نہاد
مپندار گر طاعتے کردۂ | کہ نُزلے دریں حضرت آوردۂ
بہ احسانے آسودہ کردن دلے | بہ از الف رکعت بہر منزلے

١٠ - جب اُسکو کسی خاص فرقہ یا جماعت کے واقعی عیوب بیان کرنے ہوتے ہیں تو اُن کو ایسے عُمدہ پیرایوں میں بیان کرتا ہے کہ کسیکو ناگوار نہیں معلوم ہوتے ۔ مثلاً اُسکو یہ منظور تھا کہ اُمرا اور دولتمندوں کو اُن کے عیوب سے مطلع کرے تو اُسنے اِس مطلب کو صاف صاف نہیں لکھا بلکہ ایک فرضی مُناظرہ اپنا اور ایک اور شخص کا جس میں اپنے تئیں امرا کا طرفدار اور اپنے حریف کو فقرا اور درویشوں کا حامیتی قرار دیا ہے لکھکر تمام دل کے خیالات ظاہر کئے ہیں ۔ طرف ثانی امیروں کی بُرائیاں اور درویشوں

کی خوبیاں بیان کرتا ہے اور شیخ اسکی تقریر کو رد کر کے امرا کی خوبیاں اور درویشوں کی برائیاں ظاہر کرتا ہے - اسی طرح اسنے تمام سلاطین عہد اور وزرا اور امرا کی خاطر خواہ خبر لی ہے - چنانچہ گلستان کے ساتویں باب میں یہ مناظرہ موجود ہے - یا مثلاً اسکو مشائخ و زہاد کی قلعی کھولنی منظور تھی اس مضمون کو اسنے کھلم کھلا ادا نہیں کیا بلکہ ایک قصہ جو بوستان کے چوتھے باب میں مذکور ہے نقل کیا جسکا ماحصل یہ ہے کہ ایک شوخ چشم سائل کسی بزرگ کے دروازے پر بھیک مانگنے گیا - صاحب خانہ کے پاس اسوقت کچھ نہ تھا اسلیئے کچھ نہ دیا - سائل نے ڈیوڑھی سے ذرا پرے ہٹ کر اسکی اور اسکے ساتھ تمام فقرا اور مشائخ کی تفضیح اور توہین کرنی شروع کی اور خوب دل کے بخارات نکالے - جتنے واقعی عیب اکثر ان لوگوں میں ہوتے ہیں وہ سب ظاہر کر دیئے - جب شیخ صاحب ان کے پتر سے کھول چکے تو سائل کے بیان کو اپنے اس مقولے پر ختم کرتے ہیں "نخواہم دریں باب ازیں بیش گفت - کہ شنعت بود سیرت خویش گفت" یعنی میں اس باب میں اس سے زیادہ کہنا نہیں چاہتا ورنہ وہی مثل ہوگی "اپنا گھٹنا کھولئے اور آپ ہی لاجوں مرئیے" کیونکہ آپ بھی اسی گروہ میں سے ہیں پھر اس بزرگ کی تواضع اور تحمل اور حلم کا بیان کیا ہے کہ باوجود ایسی زبان درازیوں کے اس نے کچھ برا نہ مانا اور اس کے گمان سے زیادہ اپنے عیبوں کا اقرار کیا ٭

اور یہ بات بھی دیکھی گئی ہے کہ جو واقعات اسلاف سے نقل کیے جاتے ہیں وہ اتنے مؤثر نہیں ہوتے جتنا اپنی سرگزشت اور روداد کا بیان مؤثر ہوتا ہے بشرطیکہ بیان کرنے والا نہایت فصیح و بلیغ اور اپنے جذبات کا اظہار کرنے پر قادر ہو کیونکہ جو روایت ایک واسطہ سے سُنی جاتی ہے اُسکا نتیجہ بہ نسبت اُس روایت کے زیادہ ہوتا ہے جو متعدد واسطوں سے سُنی جائے۔ دوسرے ناقل اپنی سرگزشت کو بہ نسبت اخبار ماضیہ کے زیادہ پُرجوش الفاظ میں بیان کر سکتا ہے۔ گلستاں اور بوستاں میں چونکہ شیخ نے زیادہ تر اپنے ہی واقعات لکھے ہیں اور اُن سے نتائج استخراج کئے ہیں اسلئے اُن کا زیادہ اثر ہوتا ہے اور ناظرین کو زیادہ پسند آتے ہیں خصوصاً اس وجہ سے کہ شیخ جیسا جادو بیان اُن کو بیان کرتا ہے ایسی مثالوں سے دونوں کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے ٭

مثال

بصنعا درم طفلے اندر گزشت — چہ گویم کز انم چہ بر سر گزشت
قضا نقش یوسف جمالے نکرد — کہ ماہی گورش چو یونس نخورد
دریں باغ سروے نیامد بلند — کہ باد اجل بیخش از بن نکند
عجب نیست برخاک اگر گل شگفت — کہ چندیں گل اندام در خاک خفت
بدل گفتم اے ننگ مرداں بمیر — کہ کودک رود پاک و آلودہ پیر
ز سودائے آشفتگی بر قدش — برانداختم سنگے از مرقدش
ز ہولم دراں جائے تاریک تنگ — بشورید حال و بگردید رنگ

چو باز آمدم زاں تغیّر بہوش | ز فرزند دلبندم آمد بگوش
گرت وحشت آمد ز تاریک جاے | بہش باش و با روشنی در آے
شب گور خواہی منوّر چو روز | ازینجا چراغ عمل بر فروز
تن کارکن می بلرزد ز تب | مبادا کہ نخلش نیارد رطب
گروہے فراواں طمع ظن برند | کہ گندم نیفشاندہ خرمن برند
بر آں خورد سعدی کہ بیخے نشاند | کسے برد خرمن کہ تخمے فشاند

۱۲- جب اُسکو کسی نیک کام کی ترغیب دینی ہوتی ہے تو ایسے غریب اور اجنبی مباحث پیش نہیں کرتا جو لوگوں کے خیالات میں بہت کم گزرتے ہیں بلکہ ایسی معمولی باتیں یاد دلاتا ہے جو اُس کام کی نسبت ہمیشہ خاص و عام کے دل میں گزرتی اور اُن کی آنکھوں کے سامنے پیش آتی رہتی ہیں - اور جب کسی امر پر اُسکو متنبّہ کرنا منظور ہوتا ہے تو ایسے صریح اور صاف نتیجے سوجھاتا ہے جو دنیا میں ہمیشہ دیکھے جاتے ہیں - وہ کوئی نئی بات نہیں سکھاتا بلکہ بھولی ہوئی باتوں کو یاد دلاتا ہے - یہی سبب ہے کہ اُسکے بیان کیطرف خودبخود لوگوں کے دل کھچتے ہیں اور اُسکے کلام میں ایسا مزہ آتا ہے جیسے کوئی مدّت کی کھائی ہوئی لذیذ چیز برسوں کے بعد سامنے آتی ہے اور نہایت رغبت اور شوق سے کھائی جاتی ہے +

مثال

اے پدر مردہ را سایہ بر سر فگن | غبارش بیفشان و خارش بکن
چو بینی یتیمے سر افگندہ پیش | مدہ بوسہ بر روے فرزند خویش

یتیم ار بگرید که نازش خرد؟ — وگر خشم گیرد که بارش برد؟
الا تا نگرید که عرش عظیم — بلرزد همی چون بگرید یتیم
برحمت بکن آبش از دیده پاک — بشفقت بیفشانش از چهره خاک
اگر سایهٔ او برفت از سرش — تو در سایهٔ خویشتن پرورش
من آنگه سر تاجور داشتم — که سر در کنار پدر داشتم
اگر بر وجودم نشستی مگس — پریشان شدی خاطر چند کس
کنون گر بزندان برندم اسیر — نباشد کس از دوستانم نصیر
مرا باشد از درد طفلان خبر — که در طفلی از سر برفتم پدر

مثال ۲ پسر چون ز ده برگذشتش سنین — ز نامحرمان گو فراتر نشین
بر پنبه آتش نشاید فروخت — که تا چشم برهم زنی خانه سوخت
چو خواهی که نامت بماند بجای — پسر را خردمندی آموز و رای
که گر عقل و رایش نباشد بسی — بمیری و از تو نماند کسی
بسا روزگارا که سختی برد — پسر چون پدر نازکش پرورد
خردمند و پرهیزگارش برآر — گرش دوست داری بنازش مدار
بخردی درش زجر و تعلیم کن — به نیک و بدش وعده و بیم کن
نوآموز را ذکر و تحسین و زه — ز توبیخ و تهدید استاد به
بیاموز پرورده را دست رنج — وگر دست داری چو قارون بگنج
مکن تکیه بر دستگاهی که هست — که باشد که نعمت نماند بدست
بپایان رسد کیسهٔ سیم و زر — نگردد تهی کیسهٔ پیشه ور

چہ دانی کہ گردیدن روزگار | بغربت بگرداندش در دیار
چو بر پیشۂ باشدش دسترس | کجا دستِ حاجت برد پیشِ کس
نہ دانی کہ سعدی مکاں از چہ یافت | نہ ناموں نوشت و نہ دریا شگافت
بخردی بخورد از بزرگاں قفا | خدا دادش اندر بزرگی صفا
ہر آں طفل کو جورِ آموزگار | نہ بیند۔ جفا بیند از روزگار
پسر را نکو دار و راحت رساں | کہ چشمش نماند بدستِ کساں
ہر آنکس کہ فرزند را غم نخورد | دگر کس غمش خورد و آوارہ کرد
نگہدار ز آمیزگارِ بدش | کہ بدبخت و بے رہ کند چوں خودش
پسر کو میانِ قلندر نشست | پدر گو ز خیرش فرو شوی دست
دریغش مخور بر ہلاک و تلف | کہ پیش از پدر مُردہ بہ ناخلف

یہ خصوصیتیں جو گلستاں اور بوستاں میں ہمنے بتائی ہیں زیادہ غور کرنے سے اور بھی بہت سی باتیں ایسی نکل سکتی ہیں جو ان کتابوں کی مزید شہرت اور قبولیت کا باعث ہوئی ہیں مگر ہم انہیں پر اقتصار کرکے اب شیخ کی غزلیات پر نظر ڈالتے ہیں ٭

غزلیاتِ شیخ

غزلیات کی ترتیب کا طریقہ جو فی زماننا فارسی اور اردو دیوانوں میں مروّج ہے اِس طریقہ پر غالباً سب سے اوّل شیخ ہی کا دیوان مدوّن کیا گیا ہی کیونکہ شیخ سے پہلے کے بعض دیوان غزلیات مثل خاقانی وغیرہ ابتک مجموعۂ قصائد کی طرح غیر مرتّب اور پراگندہ طور پر لکھے ہوئے ملتے ہیں ٭

علی بن احمد بے ستون جامعِ کلیاتِ شیخ نے اوّل ہر غزل کے مطلع کا حرفِ اوّل لیکر شیخ کے تمام دیوان بہ ترتیبِ حروفِ تہجّی جمع کئے تھے۔ مگر اِس ترتیب میں یہ قباحت نکلی کہ جس غزل کا مطلع معلوم نہو اُس کا دیوان میں ملنا دشوار تھا چنانچہ شیخ کی وفات سے بیالیس برس بعد اُسنے دوبارہ شیخ کے سب دیوان موجودہ طریقہ پر مرتّب کئے اور پھر یہ ترتیب عموماً جاری ہوگئی ٭

شیخ کی غزلیات کے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا چار دیوان ہیں جنمیں سب سے بڑا دیوان موسوم بہ طیبات ہے۔ باقی تین دیوان اِس سے چھوٹے ہیں اگرچہ اِن میں بعض دیوان ابتداے عمر کے اور بعض سنّ کہولت اور پیری کے زمانہ کے ہیں۔ مگر شیخ کا اندازِ بیان ابتدا ہی سے تغزّل میں ایسا صاف اور سلیس ہے کہ چاروں دیوانوں میں باعتبار صفائی

اور سلاست کے بہت کم تفاوت محسوس ہوتا ہے۔ شاعر کے کلام میں ہمیشہ صفائی اور گھلاوٹ ایک مدّت کی مشق و مہارت کے بعد آتی ہے عنفوانِ شباب کا کلام ویسا صاف اور شستہ نہیں ہوتا جیسا سنِ کہولت اور بڑھاپے کا ہوتا ہے مگر شیخ کا کلام اس سے مستثنیٰ ہے۔ البتہ طیّبات اور بدائع جو جوانی اور کہولت کے زمانہ کے دیوان ہیں اُن میں اور دیوانوں کی نسبت خیالات کی نزاکت اور زورِ بیان زیادہ پایا جاتا ہے۔

شیخ کے دیوان کو اکثر تذکرہ نویسوں نے نمکدانِ شعرا لکھا ہے اگرچہ اس سے پہلے انوری و خاقانی و ظہیر وغیرہ کی غزلیات موجود تھیں اور قدما کے قصائد میں بھی مثل متاخرین کے اکثر تشبیبوں میں تغزّل یعنی عاشقانہ اشعار ہوتے تھے۔ مگر اُسوقت غزل میں یہ لذّت نہ تھی جو شیخ نے اپنی جادو بیانی سے پیدا کی پہلے شاعری کا مدار زیادہ تر قصیدہ اور مثنوی پر تھا۔ بعضے دوبیتی (یعنی رباعی) اور قطعہ کے سوا اور کچھ نہ کہتے تھے۔

شیخ نے غزل کو ایسا رنگین اور بامزہ کر دیا کہ لوگ قصیدہ اور مثنوی کو چھوڑ کر غزل پر ٹوٹ پڑے۔ غزل گویوں کے نام یا تو انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے یا لاکھوں سے متجاوز ہو گئے۔ اسی واسطے بعض شعرا نے شیخ کو غزل کا پیمبر کہا ہے۔ مگر کلام کی نمکینی اور شیرینی محض وجدانی کیفیتیں ہیں جو بدون ذوقِ سلیم کے ہرگز معلوم نہیں ہو سکتیں پس

صرف یہ کہدینا کہ اُسکا دیوان نمکدانِ شعرا ہے یا وہ غزل کا پیمبر ہے اُنہیں کے لئے کافی ہے جو شعر کا پورا پورا مذاق رکھتے ہیں اُن کے سوا اور لوگ جب تک کوئی صریح مابہ الامتیاز شیخ اور قدما کی غزل میں بیان نہ کیا جاے یہ نہیں سمجھ سکتے کہ شیخ کی غزل کو کیا فوقیت ہے لیکن وجدانیات میں فرق بتانا کچھ آسان کام نہیں ہے +

میں نے شیخ اور انوری و خاقانی و ظہیر کی غزلیات کو صرف اس غرض سے دیکھا کہ وہ تفاوت جو شیخ اور قدما کی غزلیات میں ہو صاف صاف معلوم ہو۔ مجھکو چند باتیں شیخ کے دیوان میں ایسی ملی ہیں جو قدما کے کلام میں یا تو بالکل نہیں یا بہت کم پائی جاتی ہیں میرے نزدیک یہی وہ خصوصیتیں ہیں جنہوں نے غزل کو نہایت بامزہ اور لطف انگیز اور مرغوب طبائع خاص و عام کردیا ہے +

۱۔ شیخ اکثر غزل کی بحر اور زمین ایسی اختیار کرتا ہے جو تغزّل اور تغنّی کے واسطے بہت مناسب ہوتی ہے ۔ نظم میں سب سے بڑا کرشمہ جو کہ اکثر اُسکو نثر سے زیادہ دلفریب اور دلکش کردیتا ہے وزن اور قافیہ ہے ۔ پس ظاہر ہے کہ شگفتہ زمین اور مضمون کے مناسب وزن اختیار کرنے سے نظم کی دلفریبی زیادہ ہوجائیگی ۔ اسی لئے شیخ کی غزلیات ابتدا سے وجد و سماع کی مجلسوں میں گائی جاتی تھیں علی بن احمد جامع کلیاتِ شیخ جسنے شیخ سے ۴۴ برس بعد اُسکا کلام جمع کیا اپنا مشاہدہ لکھتا ہے کہ ایک جگہ رات کو مجلس سماع منعقد تھی جس میں

شیخ کی یہ غزل گائی گئی تھی ۔

نظر خدائے بیناں ز سر ہوا نباشد ۔ سفر نیاز منداں ز رہ خطا نباشد
مجلس کے خاص و عام جا بجا بیہوش اور خود فراموش پڑے تھے اور
مجلس کے برخاست ہونے کے بعد سب کا اس بات پر اتفاق تھا کہ
مدت عمر میں ایسا سماع نہیں دیکھا میں کہتا ہوں کہ ایکبار میں نے بھی
ایک بزرگ کو جو سماع سے ہمیشہ پرہیز کرتے تھے شیخ کے ایک مطلع پر جو
قوال نے بے مزامیر کے اُن کے سامنے گایا تھا دیکھا کہ اُن کا تمام بدن
کانپنے لگا تھا اور آنکھوں سے برابر آنسو جاری تھے اور یہی کیفیت
اُن پر بہت دیر تک طاری رہی تھی ۔ وہ مطلع یہ تھا :-

ایکہ آگاہ نۂ عالم درویشاں را ۔ تو چہ دانی کہ چہ سودا و سر است ایشاں را

۲- شیخ کی غزل کو اُس جبلّی عشق و محبّت نے جو اُس کی بات بات سے
ٹپکتی ہے اور بھی زیادہ چمکا دیا تھا - عرب اور عجم کے تمام شعرا جو عاشق
مزاج ہوئے ہیں اُن کی تشبیب اور تغزل میں ایک خاص حالت پائی
جاتی ہے جو اوروں کے کلام میں نہیں پائی جاتی - چنانچہ شیخ ایک
جگہ خود فرماتے ہیں "آنکہ نشنیدست ہرگز بوئے عشق ۔ گو بشیراز آ و خاک
ما ببوئے" یہی سبب ہے کہ وہ حسن و عشق وصل و جدائی ۔ یاس و امید
صبر و مجبوری - وعدہ و انتظار اور دیگر لوازم عشق کی جو کیفیتیں بیان
کرتا ہے اُن میں بالکل تصنع نہیں پایا جاتا اور وہ سب ایسی باتیں
ہوتی ہیں جو اُس عالم میں ہر شخص پر گزرتی ہیں - اسی واسطے عشاق کو

دل پر اُن کا زیادہ اثر ہوتا ہے۔ ایسے اشعار سے شیخ کے چاروں دیوان بھرے پڑے ہیں۔ مگر چند شعر بطور نمونہ کے یہاں لکھے جاتے ہیں ٭

مقدار یار ہمنفس چون من نداند ہیچکس ماہی کہ در خشک اوفتد قیمت بداند آب را
ایکہ گفتی ہیچ مشکل چون فراقِ یار نیست گر امید وصل باشد ہمچنان دشوار نیست
ہر کو ہمہ عمرش سودای گلے بودہ ست داند کہ چرا بلبل دیوانہ ہمی باشد
دل و جانم بتو مشغول و نگہ بر چپ و راست تا ندانند رقیبان کہ تو منظور منی
دیگران چون بروند از نظر از دل بروند تو چنان در دل من رفتہ کہ جان در بدنی
گفتہ بودم کہ رخت بر بندم تا رہِ بصرہ گیرم و بغداد
دست از دامنم نمی دارد خاک شیراز و آب رکنا باد
ہزار جہد بکردم کہ سرِ عشق بپوشم نبود بر سر آتش میسرم کہ نجوشم
بزخم خوردہ حکایت کنم ز دستِ جراحت کہ تندرست ملامت کند چو من بخروشم
نفحاتِ صبح دانی ز چہ روے دوست دارم کہ بروے دوست ماند کہ بر افگند نقابے
برو اے گداے مسکین و درے دگر طلب کن کہ ہزار بار گفتی و نیامدت جوابے
شربتے تلختر از دردِ فراقت باید تا کند لذتِ وصلِ تو فراموش مرا
بر عندلیبِ عاشق گر بشکنی قفس را از ذوق اندرونش پروای ذر نباشد
برق یمانی بجست باد بہاری بخاست طاقتِ مجنوں نماند خیمۂ لیلی کجاست

۳۔ اکثر وہ ایسے شعر کہتا ہے جن سے مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص موقع ہے اور وہاں جو حالت اُسنے انکھوں سے دیکھی ہے یا جو کیفیت اُسکے دل پر گذری ہے اُسکو بیان کر رہا ہے۔ اِس قسم کے اشعار اکثر ایسے موثر

جہاں اُسی طرح کی کیفیت پیش آتی ہے نہایت مزا دیتے ہیں + مثلاً

ای رہبرک چرا نشستی بجای خویش | باشیر پنجہ کردی و دیدی سزای خویش
ساربان آہستہ ران کارامِ جان در محمل ست | اشتران را بار بر پشت ست مارا بردل ست
چہ روے ست اینکہ پیشِ کاروانست | مگر شمعے بدستِ ساربان ست
سلیمان ست گوئی در عماری | کہ بر بادِ صبا تختش روان ست
ز روے کار من برقع برانداخت | بیکبار آنکہ در برقع نہان ست
شتر پیشی گرفت از من برفتار | کہ بر من بیش ازان بارِ گران ست
بدار اے ساربان محمل زمانے | کہ عہدِ وصل را آخر زمان ست
یار بار افتادہ را در کاروان بگذاشتند | بیوفا یاران کہ بربستند بارِ خویش را
ہر کرا در خاکِ غربت پای در گل ماندہ ماند | گو دگر در خوابِ خوش بیند دیارِ خویش را
پیوندِ روح میکند این بادِ مشک بیز | ہنگام نوبت سحر ست اے ندیم خیز
شاہد بخواں و شمع بسوزاں و گل بنہ | عنبر بسائے و عود بسوزاں و گل بریز
خادم بہر لبے راگو و حجرہ بند کن | [illegible]

۴ - وہ اکثر حالات و واردات کو جو اُسکے دلپذیر ہوتے ہیں تمثیلات میں بیان کرکے کلام کو نہایت بلیغ اور بلند کر دیتا ہے - اس قسم کی تمثیلات حکیم سنائی اور مولانا روم کے کلام میں بھی بہت پائی جاتی ہیں + مثلاً

بگنجِ شایگان اُفتادہ بودم | ندانستم کہ در گنج اند ماران
اے برادر ما بگرداب اندریم | وانکہ شنعت میزند بر ساحل ست

بحکایت شیرین و دست از نخل کوتاہ
استاد کیمیا را بسیار زر بباید

زلال ابد پنہان و تشنہ محروم
در خاک تیرہ کرون تا آنکہ زر بباشد

۵ - شیخ کی غزل میں باوجود کمال سادگی اور صفائی کے اکثر ایک نزاکت اور پیچ چلیا پایا جاتا ہے جس سے قدما کی غزل معرّا معلوم ہوتی ہے وہ ایک سیدھی سی بات کو ہیر پھیر کر ایسے لطیف اور خوشنما پیرایہ میں ادا کر دیتا ہے جس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ وہ سنگریزوں کو ترتیب دے کر موتیوں کی لڑی سے زیادہ خوشنما اور گراں بہا بنا دیتا ہے۔ مثلاً

بود ہمیشہ پیش ازیں رسم تو کینہ کشی
از چہ مرا نمے کشی من چہ گناہ کردہ ام

تعلق را بیدار باید بود ز آب چشم من
وین عجب کاں وقت می گریم کہ کس بیدار نیست

من ندانستم از اول کہ تو بے مہر و وفائی
عہد نابستن ازاں بہ کہ ببندی و نپائی

دوستان عیب کنندم کہ چرا دل بتو دادم
باید اول بتو گفتن کہ چنیں خوب چرائی

گفتہ بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم
چہ بگویم کہ غم از دل برود چون تو بیائی

من آں نیم کہ حلال از حرام نشناسم
شراب با تو حلال ست و آب بیتو حرام

اس خاصیت میں شیخ کی غزل سے جو نسبت قدما کی غزل کو ہے اُسکا اندازہ شیخ کے چند اشعار کا مقابلہ قدما کے اشعار کے ساتھ کرنے سے ہو سکتا ہے۔ چنانچہ اس مقام پر دو دو شعر خاقانی اور انوری کے اور اُن کے ہم مضمون اشعار شیخ کے دیوان سے نقل کئے جاتے ہیں۔

انوری

روے چوں ماہِ آسماں داری
قدچو سروِ بوستاں داری

ایضاً

ہمہ با من جفا کند لیکن
بجفا ہیچ ازو نیازارم

خاقانی

بہ رُخت چہ چشم دارم کہ نظر دریغ داری
بہ رہت چہ گوش دارم کہ خبر دریغ داری

ایضاً

شادباش از حسنِ خود کز وصفِ تو سحرِ حلال
طبعِ خاقانی بنظم آورد و دیواں تازہ کرد

سعدی

سرو را مانی ولیکن سرو را رفتار نیست
ماہ را مانی ولیکن ماہ را گفتار نیست

ایضاً

قادری بر ہر چہ میخواہی بجز آزارِ من
زانکہ گر شمشیر بر فرقم زنی آزار نیست

ایضاً

ہمہ چشمیم تا بروں آئی
ہمہ گوشیم تا چہ فرمائی

ایضاً

ہر دم از شاخِ زبانم میوۂ تر میرسد
بوستانہا رستہ زاں تخمم کہ در دل کاشتی

۶- سب سے بڑی بات جو شیخ اور قُدما کی غزل میں ما بہ الامتیاز ہے اور جس کے سبب سے اُس کے دیوان کو نمکدانِ شعرا کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ شیخ کی غزل کا مدار زیادہ تر مضامینِ مندرجۂ ذیل پر ہے تصوف اور درویشی۔ عشقِ حقیقی کو عشقِ مجازی کے پیرایہ میں ادا کرنا اور شاہدِ مُطلق کے شیون اور صفات کو زلف و خال و خط و لب و دندان وغیرہ سے تعبیر کرنا۔ کاملین اور عُرفا اور مشائخ پر رند۔ بادہ خوار۔ میفروش۔ پیرِ خرابات وغیرہ کے الفاظ اطلاق کرنے اور

اُن کے حالات اور واردات کو شراب و نغمہ و دف و چنگ وغیرہ کے لباس میں ظاہر کرنا۔ سلوک اور فقیری کے مدارج و مقامات یعنی صبر و رضا و تسلیم و توکل و قناعت وغیرہ کو نئے نئے عنوان اور اسلوب سے بیان کرنا۔ محتسب و زاہد و فقیہ اور ایسے لوگوں پر جو مذہب کی رو سے محلِ ادب ہیں طعن و تعریض کرنی اور غیر متشرع اور آزاد لوگ جو از روئے مذہب قابلِ توہین و مذمت ہیں اُن کی خوبی ظاہر کرنی۔ دنیا کی بے ثباتی اور انقلابات کو طرح طرح سے جتانا۔ ناصحوں کی نصیحت سے نفرت اور رسوائی و بدنامی کی رغبت ظاہر کرنی۔ عقل و دانش کی جا بجا توہین اور عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی کا زینہ قرار دیکر اُس کی تعریف کرنی۔ ساقی و مطرب کو بار بار پکارنا اور اُن سے شراب و نغمہ کا اسلئے طلبگار ہونا کہ دُنیا کے تعلقات سے انقطاع میسر آئے۔ بادِ صبا اور نسیمِ سحری اور بوئے گل کو اکثر مخاطب کرنا اور اُن کو قاصد و پیغامبر ٹھیراکر اپنی آرزوئیں اور مرادیں اور حسرتیں اُن سے بیان کرنی وغیرہ وغیرہ یہ تمام عنوان ہر شخص کو مرغوب ہوتے ہیں۔ مثلاً عشقِ حقیقی کی واردات اور کیفیات عشقِ مجازی کے پیرایہ میں بیان کرنی اور زلف و خال و خط سے شاہدِ مطلق کی شیون اور صفات مراد لینی زیادہ دلکش اور مؤثر ہیں بہ نسبت اسکے کہ کھلی سورٹھ گائی جائے یعنی عشقِ حقیقی کو صاف صاف اِس طرح بیان کیا جائے جیسے اکثر ادنیٰ درجہ کے شاعر یا ناموزون طبع مولوی اور واعظ نظم میں توحید و مناجات

وغیرہ لکھا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا۔ رحمۃ اللہ علیہ

خوشتر آں باشد کہ سِرّ دلبراں گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

اسی طرح واعظ۔ زاہد۔ شیخ۔ قاضی۔ صوفی۔ محتسب اور ایسے اشخاص کو جنکی مذہب میں تعظیم کی جاتی ہے۔ ریاکاری اور سالوس وغیرہ کے بہانے سے لتاڑنا اور رِندو آوباش اور حُسن پرست و بادہ خوار لوگوں کو اُنکی صاف باطنی۔ آزادی اور بے ریائی کی وجہ سے تعریف کرنی بہ نسبت اِس کے کہ رندوں کو ملامت کیجائے اور متشرع لوگوں کی تعریف کیجائے زیادہ مزہ دار ہے اور زیادہ توجہ سے سُنا جاتا ہے +

اگرچہ ان میں سے بعض عنوان جستہ جستہ قدما کی غزل میں بھی پائے جاتے ہیں لیکن شیخ کے ہاں اوّل تو کثرت سے ہیں اور دوسرے اُسکے حُسنِ بیان نے اُن کو بہت بامزہ اور لطف انگیز کر دیا ہے۔ شیخ کے بعد اوّل حضرت امیر خسرو اور میر حسن دہلوی نے اس خصوصیت میں شیخ کا تتبع کیا ہے کیونکہ شیخ نے اپنے چاروں دیوان جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے مُلتان میں خان شہید کے پاس جسکے ہاں امیر خسرو نوکر تھے اپنی زندگی ہی میں بھیجدے تھے۔ اُسوقت حضرت امیر کی عمر تیس برس سے بھی کچھ کم تھی اور شاعری میں ترقی کرنے کے لئے اُن کے آگے ایک وسیع میدان موجود تھا۔ وہ اگرچہ اور اصنافِ سخن میں جیساکہ مثنوی

ذیشان میں لکھتے ہیں اپنے تئیں شیخ سے بہتر سمجھتے تھے مگر شیخ کی غزل کو وہ بھی مانتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔

خسرو سرمست اندر ساغر معنی بریخت ۔۔۔ شیرہ از خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

نیز جس طرح شیخ نے بچپن کے زمانہ کی غزلوں کا نام غزلیات قدیم اور جوانی اور کہولت کی غزلیات کا نام طیّبات اور بدائع اور آخر عمر کی غزلیات کا خواتیم رکھا ہے اسی طرح حضرت امیر نے بھی عمر کے چار زمانوں کے موافق چار دیوان مرتب کئے ہیں۔ تحفۃ الصغر۔ وسط الحیوۃ۔ غرۃ الکمال۔ بقیہ نقیہ۔ ان قرینوں کے سوا حضرت امیر کی غزلیات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سعدی کے تتبع سے خالی نہ تھے۔

امیر خسرو کے بعد خواجہ حافظ شیراز نے بھی غزل کی بنیاد زیادہ تر انہیں خیالات پر رکھی ہے جن کو سب سے اول شیخ نے چمکایا تھا مگر ان میں بعض مضامین کو خواجہ حافظ نے ایسی رونق دی ہے کہ وہ انہیں کا حصہ ہو گئے ہیں جیسے تصوف۔ شراب۔ اہل ظاہر پر

طعنہ ۔ پہلے کے اشعار یہ ہیں:-

کس نہ بیند بسوئے نظم دگر ۔۔۔ کز نکو و بد بے منزل گیر
چوں شماند بہ دل خلقے یاد ۔۔۔ گرچہ شہزادہ ہماں وال کم نزاد
تا بجائے کہ حد پارسیاں ۔۔۔ اندریں عہد دو تن گشت عیاں
زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام ۔۔۔ ہر دو را در غزل آئین تمام
لیک اگر سوئے دگر یازی دست ۔۔۔ شعرشاں ہست بداں گونہ کہ ہست

خردہ گیری ۔ دنیا کی بے ثباتی ۔ عقل وتدبیر کی توہین ۔ عشق وجوانی کی ترغیب وغیرہ وغیرہ ۔ اب ہم کچھ غزلیں اور اشعار شیخ کے دیوان میں سے ایسی نقل کرتے ہیں جن میں مضامین مذکورہ بالا زیادہ تر باندھے گئے ہیں ۔

برخیز تا یکسو نہیم ایں دلقِ ازرق فام را
بر باد قلاشی دہیم ایں شرکِ تقوی نام را

مے با جواناں خوردنم خاطر تمنا میکند
تا کودکاں در پے فتند ایں پیرِ درد آشام را

زیں تنگنائے خلوتم خاطر بصحرا میکشد
کز بوستاں بادِ سحر خوش میدہد پیغام را

غافل مباش اے عاقلی دریاب گر صاحبدلی
باشد کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایام را

جائیکہ سروِ بوستاں با پیکرِ چوبیں میرود
ما نیز در رقص آوریم آں سروِ سیم اندام را

وقتِ طرب خوش یافتیم آں دلبرِ طنّاز را
ساقی بیار آں جامِ مے مطرب بساز آں ساز را

امشب کہ بزمِ عارفاں از شمعِ رویت روشن است
آہستہ تا بنود خبر رندانِ شاہد باز را

روے خوش و آوازِ خوش دارند ہر یک لذّتے
بنگر کہ لذّت چوں بود محبوبِ خوش آواز را

جاں ندارد ہر کہ جانانیش نیست
تنگ عیش ست آنکہ بستانیش نیست

گر دلے داری بہ دلدارے سپار
ضائع آں کشور کہ سلطانیش نیست

ماجراے عقل پرسیدم ز عشق
گفت معزول ست و فرمانیش نیست

دردِ عشق از تندرستی خوشتر ست
گرچہ غیر از صبر درمانیش نیست

چنان به بوی تو آشفته‌ام به بوی تو مست   که نیستم خبر از هر چه در دو عالم هست
دگر به روی کسم دیده بر نمی‌باشد   خلیل من همه بت‌های آزری بشکست
غلام همت آنم که پای بند یکیست   به جانبی متعلق شد از هزار برست
نگاه من به تو و دیگران به خود مشغول   معاشران ز می و عارفان ز ساقی مست
برادران و عزیزان نصیحتم مکنید   که اختیار من از دست رفت و تیر از شست

خوش‌تر از دوران عشق ایام نیست   بامداد عاشقان را شام نیست
مطربان رفتند و صوفی در سماع   عشق را آغاز هست انجام نیست
از هزاران در یکی گیرد سماع   زانکه هر کس محرم پیغام نیست
هر کسی را نام معشوقی که هست   می‌برد سعدی چه ذوق از نام نیست
پای‌بند دل در خاک شیراز آتشی است   هر که او در دست کس گرفت آرام نیست
سعدیا چون بت شکستی خود مباش   خودپرستی کمتر از اصنام نیست

دلی که عاشق و صابر بود مگر سنگ است   ز عشق تا به صبوری هزار فرسنگ است
برادران طریقت نصیحتم مکنید   که توبه در ره عشق آبگینه بر سنگ است
دگر به خفیه نمی‌بایدم شراب و سماع   که نیکنامی در دین عاشقان ننگ است
چه تربیت شنوم یا چه مصلحت بینم   مرا که چشم به ساقی و گوش بر چنگ است
به خشم رفته ما را که می‌برد پیغام   بیا که ما سپر انداختیم اگر جنگ است
بیادگار کسی دامن نسیم صباح   گرفته‌ایم و چه حاصل که باد در چنگ است

نجش چنانکه تو دانی که به مشاهده است | فراخنای جهان وجود با تنگ است
ملاست از دل سعدی فرو نشوید عشق | سیاهی از حبشی چون رود که خود رنگ است

دوش بی روی تو آتش بسرم بر میشد | آبم از دیده همی رفت و زمین تر میشد
تا بافسوس بپایان نرود عمر عزیز | همه شب ذکر تو میرفت و مکرر میشد
چشم مجنون چو بخفتی همه لیلی دیدی | مدعی بود اگرش خواب میسر میشد
یارب آن صبح کجا رفت که شبهای دگر | نفسی میزد و آفاق منور میشد
سعدیا عقد ثریا مگر امشب بگسیخت | ورنه هر شب ز گریبان سحر بر میشد

متقلب درون جامهٔ ناز | چه خبر دارد از شبان دراز
جهد کردم که دل بکس ندهم | چون توان کرد با دو دیدهٔ باز
محتسب در قفای رندان ست | غافل از صوفیان شاهد باز

از تو با مصلحت خویش نمی پردازم | همچو پروانه که میسوزم و در میپردازم
گر تو خواهی که بجوئی دلم امروز بجوی | ورنه بسیار بجوئی و نیابی بازم
من خراباتی و دیوانه ام و عاشق و بس | بیشتر زین چه حکایت بکند غمازم
ماجرای دل دیوانه بگفتم بطبیب | که همه شب در چشم ست بفکرت بازم
گفت ازین نوع شکایت که تو داری سعدی | درد عشق ست ندانم که چه درمان سازم

نیست بجز تا طریق تکلف رها کنیم — دکان معرفت بدو جو پر بها کنیم
گر دیگران [illegible] پوشش بگزرد — ما نیز جامهای تصوف قبا کنیم

ما قبله‌ی دو کون در میکش میخانه ایم — با خود ابا بت آشنا و از خرد بیگانه ایم
نور شمع [illegible] بسر بنهاده شمع وار — هر کجا در مجلسی شمعیست پروانه ایم
اهل دانش [illegible] گفتار ما کار نیست — عاقلان را کی زبان در کار ما دیوانه ایم
خلق [illegible] جاه و فضل و فرزانگیست — گو مباش اینها که ما رندان نافرزانه ایم
عیب بر تست ار چشم گوهر بین نداری ورنه ما — هر یک اندر بحر معنی گوهر یکدانه ایم

دو چشم مست میگونش ببرد آرام هشیاران — دو خواب آلوده بربودند عقل از دست بیداران
نصیحت گوی را از من بگو ای خواجه دم درکش — که سیل از سر گذشت آنرا که میترسانی از باران
چه بوی است آنکه عقل از من ببرد و صبر و هشیاری — ندانم باغ فردوس است یا بازار عطاران
تو با این مردم کوته نظر در چاه کنعانی — بمصر آ تا پدید آیند یوسف را خریداران

ای که ز دیده غایبی در دل ما نشسته — حسن تو جلوه میکند وینهمه پرده بسته
خاطر عام برده خون خواص خورده — با همه صید کرده خود ز کمند جسته

می بر زد ز مشرق شمع فلک زبانه — ای ساقی صبوحی در ده می شبانه
عقلم بدزد لختی چند اختیار دانش — هوشم ببر زمانی تا کی غم زمانه

صوفی چگونه گرد د گرد شراب صافی — گنجشک را نگنجد عنقا در آشیانه
آن کوزه بر کفم نه کاب حیات دارد — هم طعم نار دارد و هم رنگ ناردانه
گر مے بجان دهندت بستان که پیش دانا — ز آب حیات خوشتر خاک شرابخانه

هر روز باد مے برد از بوستان گلے — مجروح میکند دل مسکین بلبلے
رویست ماه پیکر و مویست مشکبوی — هر لاله که میدمد از خاک و سنبلے
بالاے خاک هیچ عمارت نکرده اند — کز وے بدیر و زود نباشد تحوّلے
مکروه طلعتست جهان فریبناک — هر بامداد کرده بشوخی تجمّلے
دی بوستان خرم و صحرا و لاله زار — وز بانگ مرغ در چمن افتاده غلغلے
وامروز خار ماند و مغیلان شد و تیغ — گوئی که خود نبود درین بوستان گلے
دنیا پلیست بر گذر راه آخرت — اهل تمیز خانه نگیرند بر پلے

نیک نگاه نه عالم درویشان را — تو چه دانی که چه سودا و سرست ایشان را
گنج آزادگی و کنج قناعت ملکیست — که بشمشیر میسر نشود سلطان را
طلب منصب فانی نکند صاحب عقل — عاقل آنست که اندیشه کند پایان را
جمع کردند و نهادند و بحسرت رفتند — وین چه دارد که بحسرت نگذارد آنرا
در ازل بود که پیمان محبت بستند — نشکند مرد اگرش سر برود پیمان را
عاشقے سرزده بے سر و سامان دیدم — گفتم اے یار مکن سرکشیت جان را
نفسے سر بر آورد ضعیف از سر درد — گفت بگذار من بے سر و بے سامان را

پند دلبند تو در گوش من آید هیهات — منکه بر خود نپسندم که کنم نادان را
سعدیا عمر عزیز است به غفلت مگذار — وقت قیمت نشود فوت مگر نادان را

لاابالی چه کند دفتر دانایی را — طاقت وعظ نباشد سر سودایی را
دیده را فایده آنست که دلبر بیند — ور نبیند چه بود فایده بینایی را
همه دانند که من سبزه خط دارم دوست — نه چو دیگر حیوان سبزه صحرایی را
سعدیا نوبت امشب دهل صبح نکوفت — یا مگر صبح نباشد شب تنهایی را

شبی و شمعی و گوینده‌ای و زیبایی — ندارم از همه عالم جز این تمنایی
فرشته رشک برد بر جمال مجلس من — گر التفات کند چون تو مجلس آرایی
ضرورتست بلا دیدن و جفا بردن — ز دوستی که ندارد به حسن همتایی
قیامت است که در روزگار برخاست — به راستی که بلاییست آن قد بالایی
دگر چه بینی اگر روی از او بگردانی — که نیست خوشتر از او در جهان تماشایی
دگر کنی نظر از دور کن که نزدیکت — که سر ببازی اگر پیش نهی پایی

عالم که عارفان را گوید نظر بدوزند — گر یار ما ببیند صاحب نظر باشد
زیرا که پادشاهی چون بقعه‌ای بگیرد — بنیاد حکم اول زیر و زبر باشد
دیوانه را که گویی هشیار باش و عاقل — ترسم که از نصیحت دیوانه‌تر باشد
ساقی بیار جامی مطرب بگوی چیزی — لب بر دهان نی نه تا نیشکر باشد

بوی زلف تو با جیش ما دارم — اگرچہ عیب کنندم کہ باد پیمائیست
ترا ملامت سعدی حلال کے باشد — کہ بر کناری و او در میان دریائیست

الغرض شیخ سے پہلے تغزل کا میلان زیادہ تر عشق مجازی کی طرف تھا اور عشق مجازی کے متعلق بھی صرف وہ بیرونی اور ظاہری باتیں بیان کی جاتی تھیں جو عام عشقبازوں کی زبان پر جاری ہوتی ہیں۔ شیخ نے اپنی غزل میں ایسی باتیں کم کہی ہیں بلکہ وہ اکثر عشق و محبت کے پوشیدہ بھید اور عشق و محبت کی کیفیات اور اندرونی حالات بیان کرتا ہے جو [illegible] زمانہ میں ہر انسان پر گزرتے ہیں لیکن ہر شخص ان کو بیان نہیں کر سکتا بلکہ یہ بھی نہیں سمجھ سکتا کہ مجھ پر کیا گزر رہا ہے۔ مثلاً یہ بات عشقبازوں اور بوالہوسوں کے زبان زد ہوتی ہے کہ معشوق کی جدائی ایسی سخت چیز ہے جو کسی طرح اور کسی حالت میں برداشت نہیں کی جا سکتی لیکن یہ بات عام نظروں سے مخفی ہوتی ہے کہ وصل کی امید پر جدائی بسر کرنی ایسی مشکل نہیں ہے جیسی خیال کی جاتی ہے جیسا کہ شیخ کہتا ہے:

اے کہ گفتی ہیچ مشکل چو فراق یار نیست
گر امید وصل باشد آنچنان دشوار نیست

یا مثلاً جو لوگ کسی کے عشق میں مبتلا ہیں اور باوجود کمال اشتیاق کے،

وفادار معشوق پر شیفتہ نہیں ہوتے وہ عموماً عشق و محبت کی قید سے آزاد ہونے کی آرزو کیا کرتے ہیں اور اُس موقع کو یاد کر کے پچھتاتے ہیں جبکہ دل لگی کے سامان اُنہوں نے خود مہیا کیے تھے اور بار بار صورت دیکھنے یا باتیں سننے یا ربط بڑھانے سے ایک ذرہ سی چنگاری کو زیادہ افروختہ کیا تھا لیکن اُنکو یہ شعور بہت کم ہوتا ہے کہ اس جلن اور سوزش میں کسقدر لذت چھپی ہوئی ہے اور یہ کہ اگر بالفرض ترک عشق و محبت پر اُنکو اختیار دیدیا جاوے تو وہ ہرگز اس دلبند قید سے چھوٹنا گوارا نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ شیخ نے کہا ہے ٭

بر عندلیب عاشق گر بشکنی قفس را　　　از ذوق اندورنش پروای ور نباشد

یا مثلاً عشاق کا عام خیال یہ ہے کہ معشوق کے دیکھنے سے کبھی جی سیر نہیں ہوتا اور جب تک وہ سامنے رہتا ہے عاشق اُسکے دیکھنے سے باز نہیں رہ سکتا مگر یہ بات بہت کم خیال میں گزرتی ہے کہ عشاق کو بسا اوقات ایسے مواقع بھی پیش آتے ہیں کہ باوجود کمال اشتیاق کے معشوق کیطرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتے جیسا کہ شیخ کہتا ہے ٭

دل و جانم بتو مشغول و نگہ بر چپ و راست　　　تا ندانند رقیبان کہ تو منظور منی

یا مثلاً عشاق کا عام خیال یہ ہے کہ دوست سے جب مدت کے بعد ملاقات ہوتی ہے تو وہ شکوہ و شکایت اور جدائی کی مصیبتیں بیان کرنیکا موقع ہوتا ہے مگر اس واقعی کیفیت سے بیخبر ہوتے ہیں کہ جب دوست سے ملاقات ہوتی ہے تو اُس کے ملنے کی خوشی میں اکثر تمام شکوے اور

جدائی کے صدمے یکقلم فراموش ہوجاتے ہیں چنانچہ شیخ نے اس مضمون کو
یوں بیان کیا ہے ؎

گفته بودم چو بیائی غم دل با تو بگویم — چہ بگویم کہ غم از دل برود چو تو بیائی

غرضکہ ایسے گہرے خیالات سے قدما کی غزل بالکل معرا تھی۔ اول شیخ ہی
نے ان مضامین کی بنیاد ڈالی ہے۔ تصوف و درویشی وغیرہ کے
مضامین سے غزل میں اور بھی زیادہ لذت اور نمک اور زور بھر دیا جن
اصول پر شیخ نے غزل کی بنیاد رکھی تھی اُسکے بعد اکثر متغزلین نے وہی
اصول اختیار کئے کیونکہ ان کے بغیر غزل کا سرسبز ہونا نہایت دشوار تھا
اور اس طرح رفتہ رفتہ تمام ایران اور ترکستان اور ہندوستان میں
ایک آگ سی لگ گئی۔ ہر موزون طبع نے غزل کہنی اختیار کی اور
غزل گویوں کی تعداد حد سے اور شمار سے زیادہ بڑھ گئی۔ ان سب میں سب سے
زیادہ کس کی غزل نے شہرت پائی۔ علی الخصوص
خواجہ حافظ شیراز کی غزل نے اپنا وہ سکہ جمایا کہ دور دور بالا نگر تک جو
لوگ شعر کا مذاق رکھتے تھے یا فقر و درویشی کی چاشنی رکھتے یا ناچ تھے
یا راگ راگنی سے آشنا تھے یا شراب و کباب کا چسکا رکھتے تھے یا عاشق
مزاج اور عیش دوست تھے سب جان و دل سے اسیر ترانہ ہو گئے۔
رقص و سرود کی محفلوں میں۔ حال و قال کی مجلسوں میں۔ قہوہ خانوں
اور شراب خانوں میں۔ شعرا کی صحبتوں میں۔ مشائخ کے حلقوں میں
در و دیوار سے لسان الغیب ہی کی آواز آنے لگی۔

اِس میں کچھ شک نہیں کہ تیخ کی غزل نے فارسی شاعری میں ایک خاص قسم کی وسعت پیدا کی جسکے سبب سے قدرتی جذبات کا ایک طویل اندیل باب یعنی عشق و محبت وغیرہ کے مضامین نہایت آب ورنگ کے ساتھ بیان کئے گئے - مگر اس میں بھی کچھ شبہہ نہیں کہ اس بادہ ہوش ربا یعنی غزل سے سوسائٹی کے اخلاق - خیالات - اور معاشرت پر کچھ اچھے ثمرے مترتب نہو سکے شعر کو خواہ وہ عاشقانہ ہو اور خواہ اخلاقی ایک پوشیدہ تعلق اخلاق کے ساتھ ہوتا ہے - اور جو اشعار کسی قوم میں زیادہ شائع ہو جاتے ہیں اور مجالس و محافل میں ہمیشہ پڑھے اور گائے جاتے ہیں وہ اندر ہی اندر تمام جماعت پر اپنا اثر اس طرح کرتے ہیں کہ جماعت کو اصلا شعور نہیں ہوتا اور جسقدر شعر میں نمک اور حسن زیادہ ہوتا ہے اُسی قدر اُس کی تاثیر جلد اور پائدار ہوتی ہے شیخ سعدی خواجہ حافظ - امیر خسرو - میر حسن سنجری - مولانا جامی وغیرہم کی غزلیں جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ممالک اسلامیہ کے ایک بڑے حصہ میں عموماً پڑھی اور گائی جاتی ہے - اگرچہ ان بزرگواروں کا کلام زیادہ تر حقائق اور معارف اور سلوک اور تصوف پر مبنی ہے - لیکن اُس میں مجاز و حقیقت کے دونو پہلو موجود ہیں - جس طرح اُس سے ایک صوفی خدا پرست روحانی کیفیت اٹھاتا ہے اسی طرح ایک بوالہوس صورت پرست کے نفسانی جذبات اُسکے سننے اور پڑھنے سے برانگیختہ ہوتے ہیں - سب سے زیادہ خواجہ حافظ کی غزل مجالس و محافل میں گائی جاتی ہے اور اُس کے

مضامین سے اکثر لوگ واقف ہیں۔ وہ ہمیشہ سامعین کو چند باتوں
کی ترغیب دیتی ہے۔ عشق حقیقی کے ساتھ ہی عشق مجازی اور صورت
پرستی و کامجوئی کو بھی وہ دین دنیا کی نعمتوں اور فضیلتوں سے افضل
بتاتی ہے۔ مال و دولت۔ علم و ہنر۔ نماز و روزہ۔ حج و زکوٰۃ۔ زہد و
تقویٰ غرضکہ کسی شے کو نظر بازی و شاہد پرستی کے برابر نہیں ٹھیراتی۔
وُہ عقل و تدبیر۔ مآل اندیشی۔ تمکین و وقار۔ ننگ و ناموس۔ جاہ و
منصب وغیرہ کی ہمیشہ مذمّت کرتی ہے۔ اور آوارگی۔ رسوائی۔
بدنامی۔ بدمستی۔ بے سروسامانی وغیرہ کو جو کہ عشق کی بدولت حاصل
ہو تمام حالتوں سے بہتر ظاہر کرتی ہے۔ دَولتِ دنیا پر لات مارنا۔ عقل
و تدبیر سے کبھی کام نہ لینا توکّل اور قناعت کے نشہ میں اپنی ہستی کو مٹانا
اور جوہر انسانیت کو خاک میں ملا دینا۔ دنیا و مافیہا کے زوال و فنا کا ہر وقت
تصوّر باندھے رکھنا۔ علم و حکمت کو لغو و پوچ اور حجابِ اکبر جاننا۔ حقائقِ
اشیاء میں کبھی غور و فکر نہ کرنا۔ کفایت شعاری اور انتظام کا ہمیشہ دشمن
رہنا۔ جو کچھ ہاتھ لگے اسکو فوراً رائگاں کھو دینا اور اسی طرح کی اور بہت
سی باتیں اُس سے مستفاد ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام مضامین
ایسے ہیں جو ہمیشہ بے فکروں اور نوجوانوں کو بالطبع مرغوب ہوتے
ہیں۔ اور کلام کا سادہ اور عام فہم ہونا اور شاعر کی فصاحت و بلاغت
اور مطرب و رقاصہ کی خوش آوازی اور حسن و جمال اور مزامیر کی سنّے
اُن کو لے اُڑتی ہے اور اُن کی تاثیر کو دس۱۰ بیس۲۰ گنا کر دیتی ہے۔

اور جب باوجود ان سب باتوں کے سامعین کو یہ بھی اعتقاد ہوتا ہے کہ
اِس کلام کے قائل اکابرِ صوفیہ اور مشائخ کرام ہیں جن کی تمام عمر
حقائق اور معارف کے بیان کرنے میں گزری ہے اور جن کا شعر شریعت
کا لُبّ لُباب اور طریقت کا رہنما اور عالم لاہوت کی آواز ہے تو یہ مضامین
اور بھی زیادہ دلنشین ہوتے ہیں۔ پس ممکن نہیں کہ شیخ اور اُسکے
مُتبعین کی غزل نے سوسائٹی کو اپنے جادو سے اچھوتا چھوڑا ہو۔ اور
جب ہم مسلمانوں کے اخلاق اور معاشرت پر نظر ڈالتے ہیں تو اُن کو
اکثر اُن صفات سے موصوف پاتے ہیں۔ جنکی اِس مجموعۂ غزلیات سے
ترغیب ہوتی ہے۔ عشق بازی۔ حُسن پرستی اُن کے ساتھ اِس قدر
مخصوص ہے کہ نہ صرف دولتمند بلکہ اکثر فاقہ مست بھی اِسکا چسکا
رکھتے ہیں۔ اور نہ صرف نوجوان بلکہ مُعمّر لوگ بھی اُس کا دم بھرتے
ہیں۔ فضول خرچی۔ ناعاقبت اندیشی۔ عقل و تدبیر سے کچھ کام نہ
لینا۔ توکّل اور قناعت کے دھوکے میں معاش کی کچھ فکر نہ کرنی۔
غیر قوموں کی ترقی کا ذکر سُنکر دُنیا و مافیہا کو ہیچ و پوچ بتانا۔ عقل انسانی کو
حقائق اشیاء کے ادراک سے عاجز جاننا اور موجودہ علمی ترقیات کو
سراسر ایک دھوکا سمجھنا وغیرہ وغیرہ ہماری قوم کی عام خاصیتیں
ہیں جو ہمارے ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لوگوں میں کم و بیش پائی
جاتی ہیں۔ اگرچہ بات کہنی مُشکل ہے کہ ہم لوگوں میں یہہ خاصیتیں
اسی شعر و غزل کی بدولت پیدا ہوئی ہیں۔ شاید اِس سے

اصلی اسباب کچھ اور ہوں لیکن اس میں شک نہیں کہ عاشقانہ اور متصوفانہ اشعار نے اس حالت کی ترقی دینے میں بہت کچھ مدد پہنچائی ہے +

سٹیڈن صاحب نے جو کلکتہ ریویو موٴرخہ جون ۱۸۵۶ء میں خواجہ حافظ کا حال لکھا ہے۔ اُس میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے جسکا نقل کرنا اس مقام پر شاید بے موقع نہ ہوگا۔ وُہ لکھتے ہیں کہ "سعدی جو کہ حافظ کا چچا ہے ایکروز وُہ اور حافظ کسی جگہ بیٹھے تھے اور سعدی غزل لکھ رہا تھا جسکا پہلا مصرعہ حافظ کی بھی نظر پڑ گیا۔ اتفاقاً اسیوقت سعدی کسی کام کے لئے وہاں سے اُٹھ گیا اور اپنی غزل کا کاغذ ساتھ لے گیا۔ حافظ نے اس مصرعہ پر دوسرا مصرعہ لگا کر اور پوری بیت ایک پرچہ پر لکھکر وہاں چھوڑ دی ... اور آپ چل دیا۔ شیخ نے پھر وہاں آکر حافظ کو نہ پایا مگر وُہ شعر لکھا ہوا دیکھا جسمیں سعدی پر کچھ چوٹ کی تھی۔ سعدی اس بات سے ناخوش ہوا اور حافظ کو بُلا کر پوچھا کہ یہ شعر تو نے لکھا ہے؟ اُسنے کہا ہاں۔ شیخ نے اُس سے ساری غزل پوری کرائی۔ اور جب وہ غزل سُنی تو اُسکو بددعا دی کہ جو شخص تیری غزل پڑھیگا وہ عقل سے بیگانہ رہیگا" اس کے بعد صاحب موصوف لکھتے ہیں کہ قسطنطنیہ کے اکثر شیعی مسلمان اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ بیشک سعدی کی بددعا حافظ کے حق میں مستجاب ہوئی کیونکہ اُس کے ہر ایک شعر میں یہ تاثیر پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد وہ لکھتے

ہیں کہ اگر یہ حکایت صحیح تو یا نہ ہو مگر یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حافظ کی غزل سے دیوانگی اور وحشت پیدا ہوتی ہے " میں کہتا ہوں کہ یہ خیال تو شاید غلط نہ ہو مگر یہ حکایت قطعی غلط ہے کیونکہ شیخ اور خواجہ کی وفات میں پورا ایک صدی کا آگا پیچھا ہے۔ قسطنطنیہ کے شیعوں کا خیال میرے نزدیک اس اعتبار سے صحیح ہے کہ خواجہ حافظ کی غزل کی ممارست اور مزاولت سے بیشک ابرار و احرار کے دلوں میں دنیا کی بے ثباتی اور توکل و استغنا و قناعت کا نہایت پختہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ اور اوباش و الواط کو بیفکری۔ ناعاقبت اندیشی۔ عشقبازی۔ بدنامی و رسوائی کی ترغیب ہوتی ہے۔ اور قوم کی موجودہ حالت کے لحاظ سے پہلی تاثیر بھی ویسی ہی خانہ بر انداز اور خانماں سوز ہے جیسی دوسری۔ ہر زمانہ کا جُدا جُدا اقتضا ہوتا ہے۔ جب دولتمند اور ذی اقتدار لوگ دُنیا طلبی اور حُبِ جاہ میں سراسر منہمک اور مستغرق ہو جاتے ہیں اور جسمانی خوشیوں میں محو ہو کر روحانی مسرتوں کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں اور عقل و شریعت کے احکام مُعطّل ہونے کے قریب جا پہنچتے ہیں اُس وقت البتہ یہ امید ہو سکتی ہے کہ ایسی ترغیبوں سے کوئی عُمدہ نتیجہ پیدا ہو۔ لیکن ایسی حالت میں جبکہ تمام قوم کم ہمت اور پست حوصلہ ہوگئی ہو اور اولوالعزمی کا تخم اُن کی طبیعت میں جل گیا ہو اور جبکہ تمام دُنیا کی قومیں ترقی کیطرف متوجہ ہوں اُس وقت دُنیا سے اُن کا دل سرد کرنا اور قناعت اور توکل کا اُن کو سبق پڑھانا بالکل

ایسا ہی ہے جیسے ٹمٹماتے ہوئے چراغ میں بجائے تیل ڈالنے کے زور سے پھونک مار کر اُسکو گل کر دینا - پس ممکن ہے کہ شیخ اور اس کے مُتتبّعین کی غزل نے اُس زمانہ میں جبکہ مسلمانوں کے دماغ میں نشۂ جاہِ دُنیوی عروج پر تھا کچھ مفید نتائج پیدا کئے ہوں لیکن اِس زمانہ میں میرے نزدیک اِس سے ضرر کا اندیشہ ہے +

اِس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ شیخ اور حافظ کی غزل پر کچھ اعتراض کرنا مقصود ہے بلکہ اِس سے اُن کی کمال سحر بیانی اور سیف زبانی ثابت ہوتی ہے - شاعر کا کمال یہی ہے کہ جو کچھ وہ کہے اُس سے لوگ مُتاثر ہوں - نہ یہ کہ اُس سے کبھی مُضر نتائج پیدا نہ ہونے پائیں - باروت نے باوجودیکہ بنی آدم کی ہزاروں جانیں تلف کی ہیں اور شراب نے بے شمار آدمیوں کو اخلاقی اور جسمانی مضرتیں پہنچائی ہیں یا اینہمہ اُن کے موجدوں کی دانشمندی کا تمام دُنیا اعتراف کرتی ہے اور کرے گی +

قصائد وغیرہ

اِس مجموعہ میں شیخ کے مدحیہ قصیدے - مرثیئے - ترجیع بند - مُلمع اور مثلث جمع کئے گئے ہیں - یہ مجموعہ غزلیات کی نسبت بہت تھوڑا ہے -

شیخ نے قصیدہ میں کچھ زیادہ نام اور شہرت حاصل نہیں کی۔ یا تو اُس کی طبیعت ہی قصیدہ گوئی اور مدح سرائی کی گوں نہ تھی اور یا اُسنے مدح و ستایش کے طریقۂ مروّجہ کو مکروہ سمجھ کر اختیار نہیں کیا۔ مگر چونکہ اُس زمانہ کے دستور کے موافق ایک ایسے نامور شاعر کو جیسا کہ شیخ تھا کچھ کچھ قصیدہ کے نام سے لکھنا ضرور تھا اِسلیے اُسنے کسیقدر قصائد لکھے ہیں جو کہ پہلے قصیدہ گویوں کی طرز سے بالکل مغائر ہیں ؀

شیخ سے پہلے جو حالت قصیدہ گوئی اور مدّاحی کی مُسلمانوں میں تھی اُسکی تفصیل کرنے کا یہاں محل نہیں مگر مختصر یہ ہے کہ منصور بن مہدی عبّاسی خلیفہ بغداد کے زمانہ سے شعرا کو نہایت گراں بہا صلے اور انعام ملنے لگے تھے۔ ایک ایک شعر پر لاکھ لاکھ درہم شاعروں کو ملجاتے تھے خلفا اور امرا کو اپنی تعریفیں سُننے کا ایسا شوق ہو گیا تھا کہ اُنکا مدّاح کسی اور شخص کی مدح میں زیادہ مبالغہ کرتا تھا تو اُن کو سخت ناگوار ہوتا تھا اور اگر تشبیب میں زیادہ شعر لکھ لاتا تو شکایت کرتے تھے کہ یہ لوگ طبیعت کا سارا زور تو خال و خط کی تعریف میں خرچ کر دیتے ہیں صرف کچھ بچے کھچے خیالات ہمارے سر مارتے ہیں۔ ہزاروں علما و فضلا نے قصیدہ گوئی اور مدّاحی کو اپنا پیشہ ٹھیرالیا تھا اور شاعری میں شہرت ہو جانے کے بعد کسیکو اِس بات سے چارہ نہ تھا کہ ذی اقتدار لوگوں کی مدح سرائی میں خامہ فرسائی کرے۔ شعرا تمام ممالکِ اسلامیہ میں اِس امید پر سفر کرتے تھے اور قصیدہ گوئی کی بدولت اطراف و جوانب سے

مال و دولت جمع کر کے لاتے تھے۔ عباسیوں کے علاوہ غالباً بویہی غزنوی۔ طاہری۔ صفاری۔ سامانی۔ غزنوی۔ سلجوقی۔ خوارزم شاہی وغیرہ تمام سلسلوں میں مدّاحوں کی نہایت قدر کی جاتی تھی۔ ایران میں بھی سامانیوں کے عہد سے پہلے تو عربی قصائد ہی کا زور شور رہا مگر سامانیوں کے زمانہ میں ایران کی شاعری کا مدار زیادہ تر فارسی زبان پر ٹھیرا۔ فارسی قصیدہ نے بھی خوب رواج پایا۔ ظہیر۔ رشید۔ خاقانی اور انوری وغیرہم نے فارسی قصیدہ میں وہی شہرت حاصل کی جو عربی میں متنبّی۔ ابو تمام۔ بحتری اور ذوالرمہ نے حاصل کی تھی +

اِس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ سعدی جیسے مشہور شاعر کو سلاطین و اُمرا ئے عہد کی تعریف میں قصیدہ لکھنا ایسا ہی ضروری تھا جیسے درباریوں کو جشن اور تہوار میں نذر دکھانا مگر قصیدہ کی حالت اُسوقت ایسی بُری تھی کہ شیخ کو اپنی جبلّی استقامت اور سنجیدگی کے سبب اُس روش پر چلنا دشوار تھا۔ ممدوح کی ستایش میں سراسر عقل و عادت کے خلاف مُبالغے کئے جاتے تھے الفاظ کی سادگی اور بے تکلفی قصائد میں مذموم سمجھی جاتی تھی۔ مسائل علمیہ اور مقدمات حکمیہ اور سلوک و تصوف کے دقائق اور علوم مختلفہ کی اصطلاحیں اظہار علم و فضل کے لئے اُن میں بالقصد داخل کیجاتی تھیں۔ صنائع لفظی خصوصاً تجنیس و ترصیع وغیرہ کو اُن کا زیور

تحسین تھے۔ شیخ کی آزادی اور حق گوئی خصوصاً مادہ پرستی پر اُسکی
طبیعت میں ودیعت کی گئی تھی اور ان تکلفات لایعنی سے الگ تھی۔
اُسکے کلام سے جا بجا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مبالغہ اور خوشامد کو نہایت
ناپسند کرتا تھا۔ ظہیر فاریابی نے جو قزل ارسلان کی تعریف میں ایک
جگہ یہ شعر لکھا ہے۔

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیر پای ۔۔۔ تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلان دہد

شیخ بوستان میں جہاں اتابک ابوبکر سعد کی تعریف کرتا ہے وہاں
اس شعر پر اس طرح تعریض کرتا ہے۔

براہ تکلف مرو سعدیا ۔۔۔ اگر صدق داری بیار و بیا
تو منزل شناسی و شہ راہ رو ۔۔۔ تو حق گوی و خسرو حقایق شنو
چہ حاجت کہ نہ کرسی آسمان ۔۔۔ نہی زیر پای قزل ارسلان
مگو پای عزت بر افلاک نہ ۔۔۔ بگو روی اخلاص بر خاک نہ

اِسکے سوا اور اکثر جگہ اُسنے مداح پیشگی سے نفرت اور اعراض ظاہر کیا ہے۔ اُس کے ایک قطعہ کا یہ مضمون ہے کہ لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ اے سعدی تو کیوں سختیاں اٹھاتا ہے اور کیوں اپنے کمال شاعری سے متمتع نہیں ہوتا ؟ اگر تو مدح گوئی اختیار کرے تو نہال ہو جای۔ مگر مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی رئیس یا امیر کے دروازہ پر اپنا مطلب دریوزہ گروں کی طرح لے جاؤں۔ اگر ایک جو بھر ہنر کے عوض میں کوئی مجھ کو سو خزانے بخشدے تو وہ مستحق شکر

ہے اور میں قابلِ نفرین ہے"

شیخ کو قطع نظر اِسکے کہ مبالغہ اور خوشامد سے نفرت تھی کوئی ضرورت بھی ایسی داعی نہ تھی کہ وہ آنکھیں بند کرکے اگلی بھیڑوں کے پیچھے قدم بقدم چلنے پر مجبور ہو جاتا اور قصیدہ گوئی کا جو اُسوقت کمال سمجھا جاتا تھا اُسکے حاصل کرنے میں مقتضا سے طبیعت کے خلاف کوشش کرتا۔ وہ سلطانی خدمات سے ہمیشہ متنفر رہتا تھا اور اپنے دوستوں کو اُس سے باز رکھنے میں کوشش کرتا تھا۔ پس اُسکو اسبات کی کچھ پروا نہ تھی کہ قصیدہ کو مقبول خاص و عام بنائے اور اِس ذریعہ سے دربار میں تقرب حاصل کرے۔ جتنے نامی قصیدہ گو ایران میں گزرے ہیں سب بادشاہوں کے ہاں اِسی خدمت پر مامور رہے ہیں خوشی کی تقریبوں میں طوفان کے تودے بناکر لائیں اور اُن میں جسقدر زیادہ مبالغہ اور جھوٹ کو کام فرمائیں اُسیقدر گراں بہا صلے اور انعام پائیں۔ چنانچہ ظہیر قزل ارسلان کے ہاں انوری سلطان سنجر کے ہاں رشید وطواط خوارزم شاہ آتسز کے ہاں اور خاقانی شروانشاہ کے ہاں ملک الشعرا تھے۔ اِن لوگوں کی تمام طاقت اور لیاقت قصیدہ گوئی میں صرف ہوتی تھی اور اُن کی ترقی اور تقرب کا مدار صرف اُن باتوں پر تھا جو اُس زمانہ میں قصیدہ گوئی کے لئے ضروری تھیں یہی سبب ہے کہ قصیدہ کے سوا کوئی بڑی یادگار انہوں نے نہیں چھوڑی *

پس اگرچہ شیخ جیسے شہیر اور نامور شاعر کو اُس زمانے کے دستور

کے موافق کچھ نہ تھے قصیدہ کے نام سے لکھنا ضرور تھا لیکن اُسکو دیسے جھوٹے اور نمایشی طلسم باندھنے کچھ ضرور نہ تھے جیسے کہ انوری اور ظہیر وغیرہ نے باندھے ہیں - اسی لئے غلطی سے یہ خیال کیا گیا ہے کہ شیخ کو قصیدہ لکھنا نہ آتا تھا - میں ہرگز اس امر کو تسلیم نہیں کرتا کہ اسکو معمولی چمک دمک کے ساتھ قصیدہ لکھنے پر قدرت نہ تھی بلکہ میرے نزدیک جس طرح زور آور ہاتھ ٹیڑھا خط کھینچنے سے مانع ہوتا ہے اسی طرح طبیعت کی استقامت کبھی بے راہ نہیں چلنے دیتی - اسمیں شک نہیں کہ فارسی میں جسقدر قصیدہ حدِ شاعری سے متجاوز ہو گیا ہے ایسی اور کوئی صنف نہیں ہوئی - مدحیہ قصائد سے ہمیشہ یہ مقصود ہونا چاہیے کہ ممدوح کی صفات سنکر خاص و عام کے دل میں اُسکی محبت اور اُسکے ساتھ حسنِ ظن پیدا ہو اور خود ممدوح پر یہ اثر ہونا چاہیے کہ اگر وہ صفتیں اسمیں موجود ہوں تو اُن میں اور زیادہ ترقی کرے یا کم سے کم اُنکو اُسی حال پر قائم رکھے اور اگر نہوں تو اُن کے حاصل کرنے میں کوشش کرے - یہ مطلب جیسا کہ ظاہر ہے جب ہی حاصل ہو سکتا ہے کہ جو صفات مدح میں ذکر کی جائیں وہ ممدوح کی ذات میں یا تو فی الواقع موجود ہوں یا اُن کے موجود ہونے کا احتمال ہو - ورنہ ممدوح کے دل میں اُس مدح کی وقعت ایک ہجو ملیح سے زیادہ نہ ہوگی - مثلاً ظہیر فاریابی نے جو قزل ارسلان کی مدح میں یہ لکھا ہے کہ وہ تصور جب ساتوں آسمانوں اور عرش و کرسی کو طے کر لیتا ہے تب جا کر قزل ارسلان

کی بابت یہ پیغام دیتا ہے - اِس سے قزل ارسلان کے دل پر سودا
نہ کر کے اسکو ایسا عجیب شیخ سمجھا ہوا اور کیا اثر ہوا ہوگا - یا مثلاً الذی جو
سیف الدین ابوالحسن کی ثنا میں لکھتا ہے کہ " اگر وہ نہ مانگ گذشتہ تو دو چند تھا
عالم سے تیر پیر کیز تا آئندہ کی جگہ آ جاسکتا " ۔ بھلا اس سے ممدوح کے
دل میں سوا اسکے کہ تمام مجمل بنا تا ہے یا میرا نفع کیا ہوتا ہے اور کیا
خیال گذرا ہوگا - یہی حال اُن تمام قصیدہ گویوں کی ہے جنکا ہے تسلیم
ایران اور ہندوستان وغیرہ میں سب نے تسلیم کیا ہے شیخ نے
عدم قدرت کے سبب یا کفر ناک بات کے سبب مدح و ستایش کے اس
ناپسندیدہ طریقہ کو اختیار نہیں کیا - اُسنے قصائد بھی اپنی اُسی شیریں
زبانی اور سادہ بیانی اور بے تکلفی کے ساتھ جو کہ اسکے کلام کی عام خاصیت
ہے لکھے ہیں - اُسکے قصائد سے کمال آزادی اور حق گوئی ثابت ہوتی
ہے اُسنے اکثر قصیدے اور ترجیع بند وغیرہ محض محبت اور خیر خواہی
دلی جوش سے لکھے ہیں نہ خوشامد کی راہ سے اور نہ صلہ و انعام کی
امید پر - باقی جس قدر قصیدے بضرورت سلاطین عہد اور حکام وقت
کی شان میں لکھے ہیں اُن کے اسلوب بیان سے صاف ظاہر ہے کہ
اُسنے اہل دنیا کی تنبیہ اور نصیحت دینے کے لئے قصیدہ کو ان سے
خطاب کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا تھا - کیونکہ وہ بالکل مواعظ و
نصائح سے بھرے ہوئے ہیں - بعض قصیدوں میں پند و اندرز
کے سوا مدحیہ اشعار دو چار سے زیادہ نہیں - یہ وہ قصیدے ہیں جو اُسنے

اپنے دوستوں اور معتقد امیروں اور بادشاہوں کے ساتھ نامزد کئے ہیں۔ ان کے سوا اور قصیدوں میں اوّل مدح و ستایش کی چاٹ دیکر پھر نصیحت کرنی شروع کی ہے ۔

شیخ کی قصیدہ گوئی کا ڈھنگ اور اسکی علت غائی جو اسمیں قرار دی تھی ذیل کے اشعار سے معلوم ہو سکتی ہے ۔

اتابک ابوبکر بن سعد زنگی جو فارس کا بادشاہ تھا اور شیخ اُس کی رعایا میں سے تھا اُسکی طرف خطاب کرکے کہتا ہے ۔

بنوبتند ملوک اندرین سپنج سرای ۔۔۔ کنون که نوبت تست ای ملک بعدل گرای

چه دوره بر سر این ملک سروران بودند ۔۔۔ چو دور عمر بسر شد در آمدند از پای

[illegible] ۔۔۔ [illegible]

بتیغ و نیزه گرفتند جنگجویان ملک ۔۔۔ تو بر دو چیز گرفتی بعدل و همت و رای

چو همت است چه حاجت بگرز مغفر کوب ۔۔۔ چو دولت است چه حاجت بتیر جوشن خای

عمل بیار که رخت سرای آخرت است ۔۔۔ نه عود سوز بکار آیدت نه عنبر سای

هر آنکت که آزار خلق فرماید ۔۔۔ عدوی مملکت است آن بکشتنش فرمای

بکام دل دشمن نشنید آن مغرور ۔۔۔ کر بشنود سخن دشمنان دوست نمای

بیار مشرق و مغرب بگیر جنگ مجوی ۔۔۔ دلی بدست کن و زنگ خاطری بزدای

نگویمت چو زبان آوران رنگ آمیز ۔۔۔ که ابر مشک فشانی و بحر گوهر زای

نکاهد آنچه نوشته است عمر و نفزاید ۔۔۔ پس این چه فایده گفتن که تا ابد بپای

دوسرے قصیدہ میں چند منتخب شعر لکھکر اتابک ابوبکر کیطرف

اِس طرح خطاب کرتا ہے *

ہیچ شیوۂ درویش نیست تا گویم | کہ ہمچو بحر محیطی و ابر آذاری
نگویمت کہ بفضل از کرام ممتازی | نگویمت کہ بعدل از ملوک مختاری
وگرچہ اینہمہ ہستی نصیحت اولیتر | کہ پند راہ خلاص است و دوستی یاری
بسعی کوش کہ ناگہ فراغتت نبود | کہ سر نخاری۔ اگر روی شیر برخاری
خدای یوسف صدیق را عزیز نکرد | بخوبروی۔ ولیکن بخوب کرداری
شکوہ لشکر و جاہ و جلال و آلت ہست | ولے بکار نیاید بجز نکوکاری
بقای مملکت اندر وجود یک نفست | کہ دست ہیچ قوی بر ضعیف نگماری
پس از گرفتن عالم چو کوچ خواہد بود | رواست گر ہمہ عالم گرفتہ انگاری
بہ نیک و بد چو بباید گذشت آن بہتر | کہ نام نیک بہمت آوری و بگذاری
ہزار سال نگویم بقاے عمر تو باد | کہ این مبالغہ دانم ز عقل نشماری
ہمین سعادت و توفیق بر مزیدت باد | کہ حق گزاری و ناحق کسے نیازاری

اتابک سلجوق شاہ بن سلغر شاہ جو اتابکوں کے خاندان میں بڑا ظالم بادشاہ گزرا ہے اور جو آخر کو اپنے ظلم کے سبب قتل کیا گیا اُسکی مدح میں چند شعر لکھکر کہتا ہے *

مراد سعدی از انشاء مدحت خدمت | نصیحت است بسمع قبول شاہنشاہ
دوام دولت و آرام مملکت خواہی | ثبات راحت و امن و مزید و رفعت جاہ
کمر بطاعت و انصاف و عدل و عفو ببند | چو دست رحمت حق بر سرت نہادہ کلاہ
تو روشن آئینہ ز آہ دردمند بترس | عزیز من کہ اثر میکند در آئینہ آہ

معلمانِ بد آموز را سخن مشنو | کہ وزیر سال بجانی بکام نیکی خواہ

ایل خان یعنی ہولاکو خاں یا اُس کے بیٹے اباقا خان کی شان میں جنکی ہیبت سے روم و روس و چین کے بادشاہ لرزتے تھے مدحیہ اشعار لکھکر کہتا ہے +

ہر نوبتے نظر بیکے میکند سپہر | ہر مدتے زمین بیکے میدہد اماں
نیکے نشاں کہ دولت باقیست بردہد | کایں باغ عمر گاہ بہارست و گہ خزاں
اے بادشاہ روے زمین دور از ان تست | اندیشہ تقلب دوراں کن و زماں
چوں بکام جاوداں تصور نمی شود | خرم کسیکہ زندہ کند نام جاوداں
ناداں کہ بخل میکند و گنج می نہد | مزدور دشمن است تو بر دوستاں فشاں
یارب تو ہر چہ رای صوابست و فعل خیر | اندر دلِ وے افگن و بر دستِ وے براں
آہوے طبع بندہ چنیں مشک میدہد | کز پارس می برند بتا تارش ارمغاں

سردار انکیانو جو خاندان اتابک کے زوال کے بعد سلطان اباقا خان پسر ہولاکو خان کے حکم سے فارس کا فرمان روا مقرر ہوا تھا اور اپنے قدیم تاتاری مذہب پر نہایت پختگی سے ثابت قدم تھا اُسکی شان میں جتنے قصیدے شیخ نے لکھے ہیں اُن میں متعدد اشعار کے سوا باقی تمام نصیحت و پند مندرج ہے از انجملہ ایک قصیدہ مدح سے مواعظ و نصائح کے بعد لکھتا ہے +

حراستش باد مُلک و پادشاہی | کو پیشش مدح گویند از قفا ذم
عروسِ زشت زیبا کے تواں کرد | وگر بر خود کند دیباے مُعلم

اگر مردم ہمیں بالا و ریش اند ؛ نہ نیزہ میزند بر بستہ بر چم

چنیں پند از پدر نشنیدہ باشی ؛ الا گر ہوشیاری بشنو از عم

چو یزدانت مکرم کرد و مخصوص ؛ چنان رزی در میانِ خلقِ عالم

کہ گر وقتے مکانِ بادشاہیست ؛ نباشد۔ ہمچنان باشی مکرم

نہ ہر کس حق تواند گفت گستاخ ؛ سخن ملکیست سعدی را مسلم

مقامات از دو بیرون نیست فردا ؛ بہشت جاودانی یا جہنم

سلجوق شاہ جسکا ذکر اوپر ہو چکا ہے اسکی مدح کو ایک اور قصیدہ میں اس طرح ختم کیا ہے *

جہاں نماند و آثارِ معدلت ماند * ؛ بخیر کوش و صلاح و بعدل کوش و کرم

کہ ملک و دولتِ ضحاکِ بیگنہ آزار ؛ نماند و تا بہ قیامت برو بماند رقم

خطا ببندہ نگیری کہ مہتران و ملوک ؛ شنیدہ اند نصیحت ز کہترانِ خدم

خنک کسیکہ پس از وی حدیثِ خیر کنند ؛ کہ جز حدیث نمی ماند از بنی آدم

انکے سوا جو قصیدے خواجہ شمس الدین جوینی صاحب دیوان اور اُسکے بھائی خواجہ علاء الدین جوینی اور مجد الدین رومی اور فخر الدین ابو بکر وغیرہم کی مدح میں لکھے ہیں اُن میں بھی مدح اکثر براے نام ہے زیادہ تر نصیحت و پند ہے اور بہت سے قصیدے ایسے بھی ہیں جو کسی کی مدح میں نہیں ہیں اُن میں صرف نصائح و مواعظ یا فصلِ بہار کا سماں یا معشوق کی تعریف یا حمد الٰہی وغیرہ مندرج ہے *

ایک مختصر قصیدہ اوّل سے آخر تک بھی اس مقام پر نقل کیا جاتا ہی
تا کہ ناظرین کو مدح اور نصیحت دونو کا ڈھنگ معلوم ہو ؛

مدح و موعظہ مجد الدّین رومی

جہاں برآب نہادہ ست و زندگی برباد ‌ ‌ ‌ غلامِ ہمّت آنم کہ دل برو ننہاد
جہاں نماند و خرّم روان آدمئے ‌ ‌ ‌ کہ باز ماند ازو در جہاں بہ نیکی یاد
سرائے دولت باقی نعیم آخرت ست ‌ ‌ ‌ بزمین سخت نگہ کن چو می نہی بنیاد
کدام عیش درین بوستاں کہ باد اجل ‌ ‌ ‌ ہمی برآورد از بیخ قامتِ شمشاد
حیاتِ عاریتی خانہ ایست در رہِ سیل ‌ ‌ ‌ چراغ عمر نہادہ ست بر دریچۂ باد
بسے برآید و بے ما فرو شود خورشید ‌ ‌ ‌ بہار گاہ خزاں باشد و گہے مرداد
برآنچہ میگذرد دل منہ کہ دجلہ بسے ‌ ‌ ‌ پس از خلیفہ بخواہد گذشت در بغداد
گرت ز دست برآید چو نخل باش کریم ‌ ‌ ‌ ورت بدست نباشد چو سرو باش آزاد
بسے بدیدۂ حسرت ز پس نگاہ کند ‌ ‌ ‌ کسیکہ برگ قیامت ز پیش نفرستاد
وجودِ خلق تبدل میکنند ورنہ زمیں ‌ ‌ ‌ ہماں ولایت کیخسروست و ملکِ قباد
چو طفل بر ہمہ بازید و بر ہمہ خندید ‌ ‌ ‌ عجب تر آنکہ گذشتند دیگراں مستاد
عروسِ ملک نکو روی دختریست ولے ‌ ‌ ‌ وفا نمیکند این سست مہر با داماد
نہ خود سریرِ سلیماں بباد رفتی و بس ‌ ‌ ‌ کہ ہر کجا کہ سریست میرود بر باد
ہمیں نصیحت من گوش دار و نیکی کن ‌ ‌ ‌ کہ دائم از پس مرگم کنی بہ نیکی یاد
نداشت چشمِ بصیرت کہ گرد کرد و نخورد ‌ ‌ ‌ ببرد گوئے سعادت کہ صرف کرد و بداد

چنانکہ صاحب فرخندہ رای مجد الدین | کہ بیخ اجر فشاند و بناے خیر نہاد
نگویمت بہ تکلف فلان دولت و دین | سپہر مجد و معالی جہانِ دانش و داد
توآن برادرِ صاحبدلی کہ مادرِ دہر | بسالہا چو تو فرزند نیکبخت نزاد
بروزگارِ تو ایام دست فتنہ ببست | بیمنِ تو درِ اقبال بر جہان بکشاد
دلیلِ آنکہ ترا از خداے نیک آید | بس ست خلقِ جہان را کہ از تو نیک اُفتاد
یکے دعا کنمت بی رعونت از سرِ صدق | خدات در نفسِ آخرین بیامرزاد
تو ہم زبان نہ کنی گر بصدقِ دل گوئی | کہ آفرین خدا بر روان سعدی باد

ایک ترجیع بند کے کچھ اشعار بھی جو کہ شیخ نے سعد[ل] بن ابوبکر کے مرثیہ میں لکھے ہیں اور جو کلیات میں غلطی سے امیر فخر الدین ابو بکر کے نام پر

[ل] امیر فخر الدین ابوبکر اتابک ابو بکر کے اُمرائے نامدار میں سے تھا جو ادنیٰ درجہ سے منصب امارت بلکہ مشارکت ملک تک پہنچا تھا اور سعد بوبکر اتابک کا بیٹا تھا جس زمانہ میں ہولاکو خان نے بغداد کو فتح کیا تھا ابوبکر نے اپنے بیٹے سعد بوبکر کو اظہار دوستی و خیر خواہی کے لئے بغداد میں بھیجا تھا جب وہاں سے باعزاز تمام رخصت ہوا تو راہ میں باپ کے مرنے کی خبر سُنی جس سے اور ولی عہدوں کی طرح اُس کو خوش ہونا چاہئے تھا مگر اُس کو اس خبر سے ایسا صدمہ ہوا کہ راہ ہی میں سخت بیمار ہو گیا اور رستے ہی میں باپ کی وفات سے بارہ روز بعد مر گیا۔ اُسکی نعش دفنی جب شیراز میں آئی ہے۔ تو شیخ نے یہ مرثیہ لکھا ہے جیسا کہ ترجیع کے شعر سے ظاہر ہے۔ سعد کے بعد اُس کا بیٹا اتابک محمد مظفر اُس کا جانشین ہوا +

لکھا گیا ہے بطور نمونہ کے یہاں نقل کئے جاتے ہیں ٭

غریبان را دل از بہر تو خون ست — دل خویشان نمیدانم کہ چون ست
عنان گریہ چون شاید گرفتن — کہ از دست شکیبائی برون ست
مگر شاہنشہ اندر قلب لشکر — نمی آید کہ رایت سرنگون ست
شکیبائی بجو از جان مہجور — کہ بار از طاقت مسکین فزون ست
سکون در آتش سوزندہ گفتم — نشاید کرد و ہمدان ہم سکون ست
کہ دنیا صاحبی بدعہد و خونخوار — زمانہ مادرے بی مہر و دون ست
نہ اکنون ست بر ما جور ایام — کہ از دوران آدم تاکنون ست

نمی دانم حدیث نامہ چون ست
ہم بینم کہ عنوانش بخون ست

بزرگان چشم و دل در انتظار اند — عزیزان وقت و ساعت می شمارند
غلامان در و گوہر می فشانند — کنیزان دست و ساعد می نگارند
ملک خان و میثاق و بدر و ترخان — بر ہواران تازی بر سوارند
کہ شاہنشاہ عادل سعد بوبکر — بہ ایوان شہنشاہی در آیند
حرم شادی کنان بر طاق ایوان — کہ مروارید بر تاجش ببارند
زمین می گفت عیشی خوش گذاریم — از ان پس آسمان گفت از گزارند
امید تاج و تخت خسروی بود — ازین غافل کہ تابوتش در آرند
چہ شد پاکیزہ رویان حرم را — کہ بر سرکاہ و بر زیور غبارند
نشاید پارہ کردن زیور و رخت — کہ مردم تحت امر کردگار اند

ولیکن با چنین داغ جگرسوز   نشاید کہ فریادے ندارند
بلے شاید کہ مهجوران بگریند   روا باشد کہ مظلومان بزارند

نمی دانم حدیث نامہ چون ست
ہمی بینم کہ عنوانش بخون ست

پس از مرگ جوانان گل مماناد   پس از گل در چمن بلبل مخواناد
کس اندر زندگانی قیمت دوست   نداند ـ کس چنین قیمت مداناد
سر آمد روزگار سعد بوبکر   خداوندش برحمت در رساناد
بتلخی رفت از دنیاے شیرین   زلال کام در حلقش چکاناد
جزاے مردہ رفتن در غریبی   شراب از دست پیغمبر ستاناد
درین گیتی مظفر شاہ عادل   محمد نام بردارش بماناد
سعادت پرتو نیکان و بادش   بخوے صالحانش پروراناد
روان سعد را با جان بوبکر   باوج روح و راحت گستراناد
بکام دوستان و بخت فیروز   بسے دوران دیگر بگذراناد

نمیدانم حدیث نامہ چون ست
ہمے بینم کہ عنوانش بخون ست

صاحبیہ

یہ مجموعہ شیخ کے متفرق اشعار کا سو صفحہ کے قریب ہے جسمیں قطعہ۔ رباعی۔ فرد۔ ملمع۔ مثنوی وغیرہ جمع کی گئی ہیں۔ چونکہ شیخ کے ساتھ خواجہ شمس الدین حسین صاحب دیوان کو کمال خلوص اور عقیدت تھی اسلئے شیخ نے اِس مجموعہ کا نام صاحبیہ رکھا ہے +

اِن اشعار میں کوئی نئی خصوصیت ایسی نہیں ہے جسکا ذکر کیا جای بیشتر اشعار نصیحت و پند پر اور کسیقدر حسن و عشق کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ چند قطعے اور رباعیاں جو سرسری نظر میں اچھی معلوم ہوئیں نقل کی جاتی ہیں +

قطعات

ناکساں را فراستے ست عظیم — گرچہ تاریک طبع و بد خوئید
چوں دو کس مشورت کنند بہم — گوید ایں عیب من ہمی گوئید

سگے شکایت ایّام پیش یکے مے گفت — نبینیم کہ چہ برگشتہ حال و مسکینم
نہ آشیانہ چو مرغاں نہ غلّہ چوں موراں — قناعتم صفت و بردباری آئینم
اگر دہند خورم ورنہ میبرم آزاد — نہ ہمچو آدمیاں خشمناک بنشینم
دریغ برگ زمستاں نہ عیش تابستان — کفایت ست ہمیں پوستین بارنیم

ز ورد ریاضت و خلوت مقام میسازم | که جایگاه کلخ نیست و سنگ بالینم
بطعمه که تناول کنم ز دست کسی | رواست گر بزند بعد انسان به بد و بینم
چو گربه در ندربایم ز دست مردم چیز | در او فتاده بود ریزه ریزه برچینم
بجای من که نشیند که در مقام رضا | برابرست گلستان و تل سرگینم
مرا که سیرت ازین جنس و خو بدین صفت است | چه کردهام که سزاوار ننگ و نفرینم
جواب داد که زین بیش نعت خویش مگو | که خیره گشت ز وصفت زبان تحسینم
همین دو خصلت ملعون کفایتت که ترا | غریب دشمن و مردار خوار می بینم

نظر کردم بچشم رای و تدبیر | ندیدم به ز خاموشی خصالی
نگویم لب ببند و دیده بر دوز | ولیکن هر مقامی را مقالی
زمانی بحث علم و درس تنزیل | که باشد نفس انسان را کمالی
زمانی شعر و شطرنج و حکایات | که خاطر را بود دفع ملالی
خدایست آنکه ذات بی مثالش | نگردد هرگز از حالی بحالی

رَحِمَ الله مَعشَرَ الماضین | که بمردی قدم سپردندی
راحت نفس بندگان خدای | راحت جان خود شمردندی
آن عزیزان چو زنده می نشوند | کاش این ناکسان بمردندی

بس دست دعا بر آسمان بود | تا پای برآمدت بسنگی

اگر گرگ نگفتت که رمہ ۔۔۔ | ناگہ بر افتدت پلنگے

اے طفل که وقع مگس از خود نتوانی | هرچند که بالغ شدی آخر نه همانی
شکرانهٔ زور آوری روز جوانی | آن مست که قدر پدر پیر بدانی

صانع نقشبند بے مانند | که بهر نقش او نکو آید
رزق طائر نهاد در پر و بال | که بهر طعمه فرود آید
روزی عنکبوت را بمگس | پرده تا بر فرود او آید

الحق اُمنای مال اَیتام | همچون تو حلال زاده باید
هرگز زن و مرد کفر و اسلام | نفس از تو پلید تر نزاید
طفلان ترا پدر بمیراد | تا جوز وصی بیاز ماید
اطفال عزیز ناز پرورد | از دست تو دست بر خایند

اسیر ما عسل از دست خلق می نخورد | که زهر در قدح انگبین تواند بود
عجب که در عسل از زهر سکینه می بینم | حذر نمیکند از تیر آه زهر آلود

شنیدم که بیوه زنے درد مند | همیگفت و میغ بر زمیں سے نهاد
بر آن کدخدا که بر بیوه زن | ترحم نباشد زنش بیوه باد

هر بد که بخود نه پسندی — با کس مکن اے برادر من
گر با دگر خویش دوست داری — دشنام مده به بادر من

مقابلت نکند با حجر به پیشانی — مگر کسے که تهوّر کند بنادانی
کس ایں خطا نه پسند و که دفع دشمن خود — توانی و نکنی یا کنی و نتوانی

شنیده ام که فقیهے بدوستانی گفت — که هیچ خربزه داری رسیده گفت آرے
ازیں طرف دو بدانگے. گر اختیار کنی — وزآں. چهار بدانگے قیاس کن بارے
سوال کرد که چندیں تفاوت از پے چیست — که فرق نیست میانِ دو نوع بسیارے
بگفت از انچه تو بینی حلال پاک بهشت — نیامده ست بدستم بوجه آزارے
وزان دگر پسرانم بغارت آوردند — حرام را بنود نیز در شرع مقدارے
فقیه گفت. حکایت دراز خواهی کرد — ازیں حرامترت هست صد بدینارے

تا سگاں را دو جو پیدا نیست — مشفق و مهربان یک دگراند
لقمهٔ درمیانِ شاں انداز — که تهی نگاهِ یک دگر بدرند

رباعیات

شب نیست که چشمم آرزومند تو نیست — ویں جاں بلب رسیده دربندِ تو نیست
گر تو دگرے بجاے من بگزینی — من عهدِ تو نشکنم کمانندِ تو نیست

ماهی امید عمرم از شست برفت / بی فائده روزم چو شب مست برفت
عمری که از او دمی بجای ارزد / افسوس که رایگانم از دست برفت

از بس که بیازرد دل دشمن و دوست / گویی گنهان مسخ گردندش پوست
وقتی غم او بر دلها بود دمی / اکنون همه غمهای جهان بر دل اوست

گویند هوای فصل آذر خوش ست / بوی گل و بانگ مرغ گلزار خوش است
ابریشم زیر و نای زار خوش ست / ای بیخبران این همه با یار خوش است

گویند مرو در پی آن سرو بلند / انگشت نمای خلق بودن تا چند
بی فائده پندم مده ای دانشمند / من چون نروم که می برندم بکمند

آهو بره را که شیر در پی باشد / بیچاره چه اعتماد بروی باشد
این ملح در آب چند بتو اند بود / وین برف در آفتاب تا کی باشد

آثار که نظر بروی هر کس باشد / در دیدهٔ صاحب نظران خس باشد
قاضی به دو شاهد بدهد فتوی شرع / در مذهب عشق شاهدی بس باشد

مردان همه عمر پاره بر دوخته اند / قوتی به هزار حیله اندوخته اند

فردای قیامت بگناه ایشان را   باشد که نسوزند که خود سوخته اند

با دوست بگرمابه ... هم خلوت بود   وان روی گلینش گل حمام آلود
گفتا دگر این روی کسی دیده بود ؟   گفتم بگل آفتاب نتوان اندود

چون صورت خویشتن در آئینه بدید   وان کام و دهان و لب و دندان بگزید
میگفت چنانکه میتوان شنید   بس جان بلب آمد که بدین لب نرسید

امشب ز ریاض عنبر بوی آید   زنالهٔ مرغان سحر می آید
بیدار نشسته ام نظر بر سر کوه   تا صبح کی از سنگ بدر می آید

وقتست که چشم فتنه خوابش ببرد   باد از رخ گل حسن شبابش ببرد
گل وقت رسیدن آب عطار ببرد   عطار بوقت رفتن آبش ببرد

وقت گل و روز شادمانی آمد   هنگام نشاط و کامرانی آمد
آن شد که بسر بناتوانی آمد   سرما شد و وقت مهربانی آمد

ما چاره ندانیم که دل برباید   یا دل بکسی دهد که جان آساید
آنکس که نه عاشق و نه معشوق کسست   در ملک خدا اگر نباشد شاید

آن گل که هنوز نو بدشت آمده بود — نشگفته تمام، باد مهرش بربود
بیچاره بسے امید در خاطر داشت — امید دراز و عمر کوتاه چه سود

من دوش قضا یار و قدر شستم بود — نارنج زنخدان تو در مشتم بود
دیدم که همی گزم لب شیرینت — بیدار چو گشتم سر انگشتم بود

چون خیل تو صد باشد و خصم تو هزار — خود را بهلاک می سپاری زنهار
تا بتوانی برآور از خصم دمار — چون جنگ ندانی آشتی عیب مدار

نامردم اگر زنم سر از مهر تو باز — خواهی بکشم بجور و خواهی بنواز
در بگریزم ز دستت اے مایهٔ ناز — هر جا که روم پیش تو می آیم باز

تا سر نکنم در سرت اے مایهٔ ناز — کوته نکنم ز دامنت دست نیاز
هر چند که راه هم تو دور است و دراز — در راه بمیرم و نگردم ز تو باز

گر بخیران و عیب گویان از پس — منسوب کنندم بهوا و بهوس
آخر نه گناه ست که من کردم و بس — منظور ملیح دوست دارد همه کس

چون زهرهٔ شیران بدرد نعرهٔ کوس — بر باد دهد جان گرامی افسوس

با آنکه خصومت نتوان کرد بساز ——— دستے کہ بقوت نتوان برد ببوس

یا همچو همائے بر من افگن پر خویش ——— تا بندگیت کنم بجان و سر خویش
ور لایق خدمتم ندانی بر خویش ——— گو من سر خویش گیرم و کشور خویش

همسایه که میل طبع باشد سویش ——— فردوس بهین بود سرا در کویش
وانراکه نخواهی که ببینی رویش ——— دوزخ باشد بهشت در پهلویش

هر سرو قدی که بگذرد در نظرم ——— در هیأت او خیره بماند بصرم
چون من نتوانم که جوان گردم باز ——— آخر کم از آنکه در جوانان نگرم

خود را بمقام شیر میدانستم ——— چون خصم آمد بروبهی مانستم
گفتم من و صبر اگر بود روز فراق ——— چون واقعه او فتاد نتوانستم

شبها ز همه خلق نهان می گریم ——— چشم از غم دل بر آسمان می گریم
طفل از غم مرغ رفته چون گریه کند ——— بر عمر گذشته همچنان می گریم

چون ما و شما اقارب یکدگریم ——— به زان نبود که پرده هم ندریم
اے خواجه تو عیب من مکن تا من نیز ——— عیب تو نگویم که یک از یک بتریم

گر برگِ جان ز شست آید تیرم　　چه خوشتر از آنکه پیش دستت میرم
دل با تو خصومت آرزو میکندم　　تا صلح کنی و در کنارت گیرم

می آئی و لطف و کرمت می بینم　　و آسایش جان در قدمت می بینم
و آنوقت که غائبی ہمت می بینم　　ہر جا که نگه می کنمت ہمی بینم

گفتم که دگر چشم به دلبر نه کنم　　صوفی شوم و گوش به منکر نه کنم
دیدم که خلافِ طبع موزون منست　　توبت کردم که توبه دیگر نه کنم

مه را ز فلک بطرفِ بام آوردن　　وز روم کلیسیا بشام آوردن
در وقتِ سحر نمازِ شام آوردن　　بتوان نتوان ترا بدام آوردن

نه سرو توان گفت نه خورشید و نه ماه　　آه از تو که در وصف نمی آئی آه
هر کس بهوسے میرود اندر طلبت　　گر ره بتو بودے نه بدے اینهمه راه

اے راهبران راگذر از کوی تو نه　　با بیخبر از عشق و گذر سوے تو نه
هر تشنه کز او دستِ تو بستاند آب　　اندر دستِ تو سیر گردد از روے تو نه

اے یار کجائی که در آغوشش نه　　وا شب بریا نشسته چهل و دوش نه

اے سرو بلند و راحتِ جسم و رواں | ہر چند کہ غایبی فراموشش نہ

اے کاج نکردمے نگاہ از دیدہ | بر دل نہ زدے عشق تو راہ از دیدہ
تقصیر ز دل بود و گناہ از دیدہ | آہ از دل و صد ہزار آہ از دیدہ

روزے دو سہ شد کہ بندہ ننواختۂ | و اندیشہ بذکر ما نپرداختۂ
زاں میترسم کہ دشمناں اندیشند | کز چشم عنایتم بینداختۂ

گفتم کہ کنم توبہ ز صاحب نظری | باشد کہ بلاے عشق گردد سپری
چندانکہ نگہ می کنم اے رشکِ پری | بار دومیں ز اوّلیں خوبتری

گویند کہ دوش شحنگانِ تتری | دزدے بگرفتند بصد حیلہ گری
امروز بہ آویختنش مے بردند | میگفت رہا کن کہ گریباں بدری

گیرم کہ بگفتہ اے خردمند بجاے | از دایرۂ شرع بروں ننہم پاے
یا میل کہ طبع میکند چہ تواں کرد | عیبیست کہ در من آفریدہ ست خداے

مفردات

دانی چہ گفتہ اند بنی عوف و عرب | نسل بریدہ بہ کہ مولود بے ادب

تو آتش بہ سبزے درزن و درگذر | کہ نہ خشک در بیشہ ماند نہ تر

مروت نباشد بر افتادہ زور | برد مرغ دوں دانہ از پیش مور

خواہی کہ بطبعت ہمہ کس دارد دوست | با ہر کہ در اوفتی چناں باش کہ اوست

گر راہ نمائی ہمہ عالم راہ ست | ور دست نگیری ہمہ عالم چاہ ست

نہالے کہ سی سال گردد درخت | ببخشش برآرد یکے باد سخت

اگر توا بسر سنگاں ہم از درگہ براندت | ازاں بہتر کہ در پہلوی مجہولی نشاندت

سلطان چو بمنزل گدایاں آید | گر بر سر بوریا نشیند شاید

گر زہفت آسمان گزند آید | ہمہ بر عضو دردمند آید

اگر دنداں نباشد ناں تواں خورد | مصیبت آں بود کت ناں نباشد

منعم کہ نظر بحال درویش کند | چندانکہ کرم کند طمع بیش کند

تواضع گرچہ محمود است و فضل بیکراں دارد | نشاید کرد بیش از حد کہ ہیبت را زیاں دارد

گفتم کہ برآید آبے از چاہ امید | افسوس کہ دلو نیز در چاہ افتاد

شکر آنکہ تو در خانۂ و اہلت پیش | نظر دریغ مدار از من فقیر درویش

کوتہ نظراں را نبود جز غم خویش | صاحب نظراں را غم بیگانہ و خویش

گر بلندت کسے دہد دشنام | بہ کہ ساکن دہی جواب سلام

بشنو که من نصیحت پیران شنوده ام بیش از تو خلق دیده و پیش از تو بوده ام

از بهر دل کسے بدست آوردن مطبوع نباشد وگرسے آزردن

چو بد گفتی مباش ایمن ز بد گو که بد را کس نخواهد گفت نیکو

صاحبدل و نیک سیرت و علامہ گو کفش دریده باش و خلقان جامہ

کرم بجاے فرو ماندگاں چو بتوانی مروتست نه چندانکه خود فرو مانی

مردی نه بقوتست و شمشیر زنی آنست که ظلمے که توانی نکنی

تو با یار روز و شب در باغ آنسی خلاف ست اینکه طول العهد ینسی

پاے ملخے نزد سلیماں بردن عیب ست ولیکن هنر ست از مورے

من سخن راست نوشتم تو اگر رست نخوانی جرم تحلاج نباشد چو تو شطرنج ندانی

کتبت لیبقی الذکر فی امم بعدی

فیاذا الجلال اغفر لکاتبه السعدی

مطائبات و ہزلیات و مضحکات

شیخ کے کلیات کا سب سے اخیر حصہ مجموعۂ ہزلیات ہے جو تیس بتیس صفحہ سے زیادہ نہوگا - یہ مجموعہ فی الحقیقت شیخ کے عارضِ کمال پر ایک نہایت بدنماسا ہے جو شیخ کی شان سے نہایت بعید اور اُس کے فضل و کمال و بزرگی کے بالکل منافی ہے - اسمیں زیادہ تر نظم اور کسیقدر نثر ہے اور کہیں کہیں عربی عبارت بھی ہے - حضرت نے اس حصہ میں اپنی شیخوخت اور تقدس کو بالاے طاق رکھکر خوب آزادی اور بیباکی سے دِل کھولکر فحش اور ہزل کی داد دی ہے جسپر ہرگز یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ یہ پوچ اور لغو اور بیہودہ کلام اُسی شخص کا ہے جس کے نتایجِ افکار سے گلستان اور بوستان جیسی بے بہا کتابیں نتیجہ ہیں - آدمی کا خطا وار اور ناقص ہونا ہی اُسکے انسان ہونے کی علامت ہے - اور اُس کے اقوال و افعال کا تفاوت اور اختلاف اور اُن کا ہمیشہ ایک ضابطہ اور ایک قانون کے موافق سرزد نہونا ہی وہ چیز ہے جو اُسکو دیگر حیوانات سے تمیز دیتی ہے انسان کے خیالات کو ایک نادان بچہ کی حرکتوں سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جسکی ایک حرکت پر بے اختیار پیار کرنے کو جی چاہتا ہے اور دوسری حرکت پر ہدسی؟ یا دو غصہ آتا ہے - اسمیں شک نہیں کہ شیخ کی طبیعت پر ظرافت

اور مزاج غالب تھا اور جب یہ صفت حد سے گزر جاتی ہے تو اُس سے فحش اور ہزل پیدا ہوتا ہے۔ مگر شیخ نے اس مجموعہ کے شروع میں چند سطریں معذرت آمیز عربی عبارت میں لکھی ہیں جو قابل لحاظ ہیں وہ لکھتا ہے کہ "اَلزَمَنِی بَعضُ اَبنَاءِ المُلُوکِ اَن اُصَنِّفَ لَهُ کِتَاباً فِی الهَزلِ عَلیٰ طَرِیقِ السُّوزَنِی فَلَم اُجِبهُ فَهَدَّدَنِی بِالقَتلِ فَلِاَجلِ ذٰلِکَ اَجَبتُ اَمرَهُ وَاَنشَدتُ هٰذِهِ الاَبیَاتَ وَاَنَا اَستَغفِرُ اللّٰهَ العَظِیمَ" یعنی ایک بادشاہزادہ نے مجھکو اس بات پر مجبور کیا کہ میں اس کے لئے ایک کتاب حکیم سوزنی کی روش پر ہزل میں لکھوں۔ میں نے نہ مانا۔ اسپر اُسنے مجھکو قتل کی دھمکی دی۔ اِسلئے ماننا پڑا اور یہ اشعار لکھے اور میں خدای بزرگ سے توبہ و استغفار کرتا ہوں ✽

شیخ کا عذر جہانتک کہ ہماری رائے ناقص میں آتا ہے بہت قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ شیخ جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے ہمیشہ سیر و سفر میں رہتا تھا۔ تاتار سے لیکر روم و مصر و حبش تک اُسکی جولان گاہ تھی اُسکی شاعری اور نکتہ سنجی کا شہرہ اُسکی زندگی ہی میں دُور دُور پہنچ گیا تھا۔ سلاطین امیرزادوں اور بادشاہزادوں کی صحبتوں میں لہو و لعب اور تمسخر و استہزا کی بنیاد پڑ چکی تھی۔ پس اگر کسی نالائق بادشاہزادہ نے شیخ کی ظرافت اور بذلہ سنجی کا شہرہ سُنکر اس خیال سے کہ ہمیشہ گرمی صحبت کے لئے ایک مجموعۂ ہزل و فحش موجود رہے شیخ کو ان ہفوات کے لکھنے پر مجبور کیا ہو تو کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ اور چونکہ اس

مجموعہ میں صریح فحش اور علانیہ پھکڑ کے سوا بامزہ اور لطیف خیالات جیسے کہ شیخ کے کلام کی عام خاصیت ہے بہت کم پائے جاتے ہیں - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً یہ تمام ہزلیات دل کی اُپج اور طبیعت کی اُمنگ سے نہیں بلکہ محض نفرت و کراہت کے ساتھ لکھی گئی ہیں ٭

ایران میں ہزل و فحش کی شاعری دورۂ غزنویہ کے شعرا سے برابر چلی آتی تھی اور یہ طریقہ اسقدر عام اور بے عیب ہو گیا تھا کہ افاضل شعرا کی عظمت اور بزرگی میں اس سے کچھ فرق نہ آتا تھا - اکثر ہاجی اور ہزال حکیم کے لقب سے ملقب ہوتے تھے اور اب تک ہوتے ہیں جیسے حکیم انوری - حکیم خاقانی - حکیم شفائی - حکیم قاآنی وغیرہ وغیرہ - سوزنی بھی جو چھٹی صدی کا شاعر ہے اور جس کا ذکر شیخ کی مذکورۂ بالا عبارت میں ہے حکیم سوزنی کہلاتا تھا - اس کا ہزل اور فحش انتہا درجہ کو پہنچ گیا تھا - اسنے حکیم سنائی کی بہت سی ہجویں لکھی ہیں اور حکیم صاحب نے بھی باینہمہ مشیخت و تقدس تاب اگر اُسکے جواب میں ایک ایسی جامع و مانع گالی تصنیف فرمائی ہے جو سوزنی کی عمر بھر کی گالیوں اور پھکڑ کا جواب ہو سکتی ہے - حکیم ابو العلای گنجوی جو منوچہر شروان شاہ کے عہد میں پایۂ تخت کا ملک الشعرا تھا - باوجودیکہ وہ حکیم خاقانی کا مربی اور خسر تھا اُسکے اور خاقانی کے باہم ایسی رکیک اور نالایق ہجو بازی ہوئی تھی جسکی تصریح کرنے سے شرم آتی

ہے۔ ظاہر ہے کہ جو بُرائی سوسائٹی میں اِسقدر عام اور بے عیب ہو جائے
اُس سے بالکل پاک اور مُبرا رہنا بشر کی معمولی طاقت سے باہر ہے اور
اُسکے ارتکاب پر ایسا سخت مواخذہ نہیں کیا جا سکتا۔ جس کا کہ وُہ
عیب فی نفسہٖ مُستحق ہے +

ظاہرا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے عنفوانِ شباب میں جو کہ
شوخی اور بیباکی کا زمانہ ہے کسی موقع پر یہ خرافات بھی لکھدی ہو گی۔
اور ایسا کم و بیش ہر شخص سے ظہور میں آتا ہے۔ مگر کوئی شخص ایسے
بیہودہ اور لغو کلام کو اپنی تصنیفات میں شامل کرکے اپنی طرف منسوب
اور اپنے نام سے شائع کرنا نہیں چاہتا + شیخ نے بھی یقیناً ایسا
ہرگز نہ چاہا ہوگا مگر چونکہ وہ زمرہ مشائخ و عرفا میں سے گنا جاتا تھا اور
معتقدین کے نزدیک اُسکا ہزل بھی انوار و برکات سے خالی نہ تھا
اسلئے کسی بزرگوار نے اُسکی وفات کے بعد اس ناشدنی مجموعہ کو بھی تبرّکاً
و تیمناً کُلّیات میں داخل کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حصہ گلستاں کے
مُرتب ہونے سے پہلے لکھا جا چُکا تھا کیونکہ اِس کے چند اشعار جن
میں زیادہ ہزل نہیں ہے شیخ نے گلستان میں اپنے اپنے موقع پر
نقل کئے ہیں +

ہمکو بہت تجسُّس سے چند رباعیاں اور قطعے اِس مجموعہ
میں ایسے ملے ہیں جو فحش سے پاک ہیں سو وُہ یہاں نقل کئے
جاتے ہیں +

رباعیات

آں عہد بیاد داری و دولت و داد — کز عاشق بیچارہ نبی کردی یاد
آنکہ بگر یختی کہ کس چوں تو نبود — و امروز بیامدی کہ کس چوں تو مباد

آں ماہ کہ گفتی ملکِ رحمانست — ایں بار اگرش نگہ کنی شیطانست
روئے کہ چو آتش بزمستاں خوش بود — امروز چو پوستین بتابستانست

قطعات

چو خویشتن نتواند کہ مے خورد قاضی — ضرورتست کہ بر دیگراں بگیرد سخت
کہ گفت پیر زن از میوہ میکند پرہیز — دروغ گفت کہ دستش نمیرسد بہ درخت

مردکے عزقہ بود در جیحوں — کز سمرقند بود پندارم
بانگ می کرد و زارمے نالید — کاے دریغا کلاہ و دستارم

حریف عمر بسر بردہ در فسوق و فجور — بوقتِ مرگ پشیماں ہمی خورد سوگند
کہ توبہ کردم و دیگر گنہ نخواہم کرد — تو خود دگر نتوانی بریشِ خویش مخند

عربی قصائد اور مقطعات

کلیاتِ شیخ میں بیس صفحہ کے قریب قصیدے اور قطعے بھی شامل ہیں اور ان کے سوا اسکے ملمعات میں عربی اشعار اور مصرعے کثرت سے موجود ہیں۔ گلستان میں بھی جیسا کہ اسنے خاتمہ میں تصریح کی ہے تقریباً تمام عربی اشعار اسی کے ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ اس کی عمر کا ایک بڑا حصہ دیارِ عرب میں بسر ہوا تھا اور عربی زبان بمنزلہ مادری زبان کے ہو گئی تھی اسکے تمام فارسی اور عربی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ تحصیلِ علم کے بعد اسنے زیادہ تر اپنی توجہ دینیات اور تصوف اور علمِ ادب میں مصروف کی تھی۔ گو اس کا عربی کلام بہت تھوڑا ہے مگر جسقدر ہے وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مشاق اور ماہر ادیب کا ہونا چاہیے۔ با اینہمہ وہ عربی شعر میں شاعری کا ادعا نہیں کرتا چنانچہ بغداد کے مرثیہ میں لکھتا ہے۔

وبالشعر ایمُ اللہِ لستُ بمُدَّعٍ
ولو کان عندی ما ببابلَ من سحرٍ

بخدا کہ میں شاعری کا دعوی نہیں کرتا۔ اگرچہ میرے کلام میں وہ جادو موجود ہے جو بابل میں موجود تھا۔

هنالك نقّادون علماً وخبرةً
ومُنتخبوا القولِ الجمیلِ من الهجرِ

یہاں علم اور واقفیت کی رو سے پرکھنے والے اور عمدہ کلام کو بُرے کلام میں سے

جرت عبراتی فوق خدی کآبۃ فانشأت ہذا فی قضیۃ ما یجری	چھاننے والے موجود ہیں + سوز دل کے سبب میرے آنسو چہرہ پر ٹپک پڑے۔ سو میں نے یہ قصیدہ اس گزشت کے بیان میں لکھ لیا +
ولو سبقتنی سادۃ جل قدرہم لما حسنت منی مجاوزۃ القدر	اگر ذی رتبہ لوگ اس مضمون میں مجھ سے سبقت کرتے تو البتہ مجھکو اپنے رتبہ سے تجاوز کرنا زیبا نہ تھا +

بہرحال اُسکا عربی کلام جسقدر ہے اور جیسا ہے غنیمت ہے اور اُس سے شیخ کی شاعری کا رتبہ سوایا بلکہ ڈیوڑھا ہوگیا ہے اب ہم اُس کے ایک طولانی قصیدہ میں سے جوکہ اُسنے خرابیِ بغداد پر لکھا ہے کچھ اشعار بطور نمونہ کے اِس مقام پر نقل کرتے ہیں +

حبست بجفنی المدامع لا تجری فلما طغی الماء استطال علی السکر	میں نے اپنی پلکوں میں آنسوؤں کو روکا تھا کہ بہنے نہ پائیں پر جب پانی نے طغیانی کی تو اُس بند کو توڑ ڈالا +
نسیم صبا بغداد بعد خرابہا تمنیت لو کانت تمر علی قبری	کاش ایسا ہوتا کہ بغداد کی تباہی کے بعد اُسکی ہوا کا جھوکا میری قبر پر گزرتا +
لان ہلاک النفس عند اولی النہی احب لہم من عیش منقبض الصدر	کیونکہ عقلمندوں کے نزدیک مرجانا تنگدل جینے سے بہتر ہے +

زجرتُ طبیباً جسّ نبضی مُداویاً
الیک فما شکوای من مرضٍ یُبری

میں نے طبیب کو جبکہ اُسنے علاج کے لئے میری نبض کو چھوا جھڑک دیا کہ جا اپنا کام کر مجھکو ایسے مرض کی شکایت نہیں جو اچھا ہو سکے ٭

لزمتُ اصطباراً حیث کنتُ مفارقاً
وھذا فراقٌ لا یُعالَجُ بالصبرِ

میں نے ہمیشہ احباب کی جدائی میں صبر اختیار کیا ہے مگر یہ ایسی جدائی ہے جسکا علاج صبر سے ممکن نہیں ٭

ولا تسألن عمّا جری یوم حصرہم
وذلک ما لیس یدخل فی الحصر

نپوچھو جو حال بنی عباس کی قید کے دن گزرا یہ وہ حال ہے جو قید بیان میں نہیں آسکتا ٭

أُدِیرت کؤوسُ الموت حتّی کأنّہ
رؤوسُ الأُساری تحرکُنّ من السکرِ

شراب مرگ کے جام گردش میں لائے گئے یہانتک کہ قیدی کُشتوں کے سر (تڑپتے ہوے) ایسے معلوم ہوتے تھے گویا نشے میں جنبش کر رہے ہیں ٭

بکت جُدُرُ المستنصریّۃ نُدبۃً
علی العلماء الراسخین ذوی الحجر

علماے راسخین پر جو کہ اصحاب عقل و دانش تھے مدرسہ مستنصریہ کی دیواریں زار زار رو رہی ہیں ٭

محابرُ تبکی بعدھم بسوادھا
وبعض قلوب الناس أقسیٰ من حجرِ

اُن کے بعد دواتیں اپنی سیاہی کے آنسوؤں سے روتی ہیں مگر بعض لوگوں کے

دل دوات سے زیادہ سیاہ ہیں +

نوائبُ دهرٍ لیتنی متُّ قبلها
ولم أرَ عُدوانَ السفیهِ علی الحبرِ

یہ زمانہ کے سخت حادثے ہیں کاش میں اُن سے پہلے مرجاتا اور جاہلوں کا ظلم دانشمندوں پر نہ دیکھتا +

وقفتُ بِبغدادَ أرقبُ دِجلةً
کمثلِ دمٍ قانٍ تَسیلُ إلی البحرِ

میں نے شہر بغداد میں ٹھیر کر دجلہ کے پانی کو دیکھا کہ مثل خون کی مانند سمندر کیطرف بہتا تھا +

وفائضُ دمعی فی مصیبةِ واسطٍ
یزیدُ علی مدِّ البحیرةِ والجزرِ

میرے آنسو جو شہر واسط کی مصیبت میں جاری ہیں خلیج فارس کے مدّ و جزر کو اور بڑھا دیتے ہیں +

وهبْ أنّ دارَ المُلکِ ترجع عامرًا
ونُغسِلُ وُجوهَ العارفینَ عن العفرِ

فرض کرو کہ دار الخلافہ پھر آباد ہوا اور علماء کے چہرے غبارِ ذلت سے پاک کئے جائیں +

فأین بنو العباس مُفتخرُ الوری
ذوو الخُلقِ المرضیِّ والغُررِ الزُّهرِ

لیکن بنی عباس جنسے عالم کو فخر تھا جن کے اخلاق برگزیدہ اور پیشانیاں نورانی تھیں کہاں سے آئیں گے +

غدا سمرًا بین الأنام حدیثُهم
وذا السمرُ یُدمی المسامعَ کالسُّمرِ

اُن کا ذکر اب دُنیا میں ایک افسانہ ہوگیا اور یہ وہ افسانہ ہے جو کانوں کو برچھیوں کی نوک کیطرح خون آلودہ کرتا ہے +

وفی الخبر المروی دین محمد
یعود غریبا مثل مبتدء الامر

حدیث میں آیا ہے کہ دین محمدی پھر غریب ہونے والا ہے جیساکہ ابتدائی حال میں وہ غریب تھا ۔

أأغرب من هذا یعود کما بدا
وقد بات دار السلام فی بلد الکفر

کیا وہ اس حالت سے بھی زیادہ غریب ہونیوالا ہے کہ تمام دار اسلام کفر کے آتے ہی غریب ہو گیا ۔

أتذکر فی أعلی المنابر خطبة
ومستعصم بالله لم یک فی الذکر

کیا منبروں پر خطبہ پڑھا جائیگا اور مستعصم باللہ کا اسمیں ذکر نہوگا ۔

ضفادع حول الماء تلعب فرحة
أصبر علی هذا ویونس فی القعر

کیا اسپر صبر ہو سکتا ہے کہ مینڈک پانی کے ادھر ادھر خوشی سے کھیلتے پھریں اور یونس پانی کی تہ میں ہو ۔

تحیة مشتاق وألف ترحم
علی الشهداء الطاهرین من الوزر

مشتاق کا سلام اور ہزاروں رحمتیں ان شہیدوں پر جو گناہوں سے پاک تھے ۔

هنیئا لهم کأس المنیة مترعا
وما فیه عند الله من عظم الاجر

موت کا لبالب پیالہ اور جو کچھ کہ اس میں خدا کی طرف سے اجر عظیم ہے انکو گوارا ہو جیو ۔

علیهم سلام الله فی کل لیلة
بمقتل زوراء الی مطلع الفجر

ہمیشہ ان پر شام سے صبح تک زوراء کی قتلگاہ میں خدا کی رحمت نازل ہوے ۔

وليت صماخي صُمّ قبل استماعه
بهتك اساتير المحادر في الاسر

کاش ایسا ہوتا کہ قید میں محلوں کے بے پردہ ہونے کی خبر سُننے سے پہلے میرے کان بہرے ہو جاتے ٭

كانّ صباحَ الاسر يومُ قيامةٍ
على امم شُعْثٍ تُساق الى الحشر

قید کی صُبح گویا قیامت کا دن تھا کہ اُمّتیں سر میں خاک ڈالے ہوئے میدان حشر کی طرف ہنکائی جاتی تھیں ٭

ومستصرخٍ يا للمروّة فانصروا
ومن يصرخ العصفور بين يدي صقرِ

بہت لوگ فریاد کرتے تھے کہ دُہائی ہے مروت کی کوئی مدد کرو۔ مگر باز کے پنجے میں چڑیا کی فریاد کو کون پہنچتا ہے ٭

يُساقون سوقَ المعز في كبد الفلا
عزائز قومٍ لا يعوذون بالزجرِ

جو لوگ زجر اور دھمکی سُننے کے عادی نہ تھے اُن کے حرم محترم صحرا میں بکریوں کی طرح ہنکائے جاتے تھے ٭

جُلين سبايا سافراتٍ وجوهُها
كواعبُ لا تبرزن من خلل الخدرِ

جو لڑکیاں پردہ میں چادروں سے باہر نہ نکلتی تھیں اُنکو کھلے مُنہ اسیر کرکے لے گئے ٭

تقوّمُ و تخفو في المحاجر والِلوى
وهل تختفي مشيُ النواعم في الوعرِ

وہ کھڑی ہوتی ہیں اور بیٹھ رہتی اور ٹیلوں کی ڈھالوں میں مُنہ چھپاتی

ہیں مگر اُن کٹھن رستوں میں نازنینوں کی چال کب چھپ سکتی ہے ۔

لقد کان فکری قبل ذلک ماتری
فاحدث امرٌ لا یحیط بہ فکری

اِس سے پہلے میری فکر جیسی تھی تو جانتا ہے مگر ایک ایسا امرِ عظیم حادث ہوا جو میرے فکر کے احاطہ سے باہر ہے ۔

وبین یدی سیف الزمان وحائہ
مغلّلۃ ایدی القیاصر والحبر

زمانہ کی گردش اور حکومت کے سامنے شہنشاہوں اور داناؤں کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ۔

نعوذ بعفو اللہ من نار فتنۃ
تأجج من قطر البلاد الی القطر

خدا کی پناہ ہے فتنہ کی اُس آگ سے جو دُنیا کی ایک جانب سے دوسری جانب تک بھڑکتی پائی گئی ۔

بدا وتعالی من خراسان قسطل
فغادر کاما لا یزول عن البدر

خُراسان سے ایک غبار متوادہ ہوا بلند ہوا اور ایک گھنگھور گھٹا بنگئی جو چاند پر سے ہٹنے والی نہ تھی ۔

رعی اللہ انسانا تیقظ بعد ھم
لان مصاب الزید مزجرۃ العمرو

خدا حمایت کرے اُس شخص کی جو دولتِ بنی عباس کے بعد خوابِ غفلت سے بیدار ہو گیا کیونکہ زید کی مصیبت عمرو کے لئے تازیانہ ہے ۔

وسائر ملك يقتفيه زواله
سوى ملكوت القائم الصمد الوتر

خدا بے نیاز و یگانہ کے ملک کے سوا ہر ملک اور سلطنت کے پیچھے اسکا زوال لگا ہوا ہے +

إذا كان بعد الموت لا فرق بيننا
فلا تنظرن الناس بالنظر الشزر

جبکہ مرنے کے بعد ہم سب میں کچھ فرق نہ رہے گا تو لوگوں کو تکبر کی نگاہ سے مت دیکھ +

وجارية الدنيا نعومة كفها
محسنة لكنها الكلب ذو الظفر

کتے کی طرح مت ہو دنیا کی ہتھیلیاں تو نرم نرم اچھی معلوم ہوتی ہیں لیکن اس کے ناخن تیز ہیں +

ولو أن ذا مال من الموت خاليا
لكان جديرا بالتعاظم والكبر

اگر مال والا بھی موت سے خالی ہوتا البتہ بڑائی اور تکبر کرنیکا مستحق تھا +

ربحت الهدى إن كنت عاملا صالحا
وإن لم تكن والعصر إنك لفي خسر

اگر تو نے نیک عمل کئے تو ہدایت کا نفع اٹھایا اور بیشک نہیں کرتو تو نقصان میں ہے +

على المرء عار كثرة المال بعده
وإنك يا مغرور تجمع للفخر +

مرنے کے بعد بہت مال چھوڑ جانا آدمی کے لئے ننگ کی بات ہو مگر اے غافل تو اسی فخر کے لئے مال جمع کرتا ہے +

عَفَا اللّٰهُ عَنَّا مَا مَضٰی مِنْ خَطِیْئَتِنَا وَمَنَّ عَلَیْنَا بِالْجَمِیْلِ مِنَ السَّتْرِ	خدا تعالیٰ ہماری گزشتہ خطائیں معاف فرمائے اور ہمارے عیب بالکل چھپا کر ہم پر احسان کرے ۔

خاتمہ

شیخ کے عام حالات اور اسکی عام شاعری پر اجمالی نظر

شیخ ایک نہایت صحیح المزاج قوی اور جفاکش آدمی تھا۔ اسکے قویٰ کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اسنے وس[12] بارہ حج پیادہ پا کئے تھے اور اپنی عمر کا بہت بڑا حصہ صحرا نوردی اور بادیہ پیمائی میں بسر کیا اور ایکسو بیس[120] برس کے قریب عمر پائی ۔

اسنے صرف پیادہ پا ہی سفر نہیں کئے بلکہ بعض اوقات ننگے پاؤں چلنے کا بھی اتفاق ہوتا تھا۔ جس طرح اکثر اہلِ سلوک نفس شکنی کرنے کے لئے اپنے مشائخ کے اشارہ سے سالہا سال ادنیٰ درجہ کے کام اور خدمتیں کیا کرتے ہیں اسنے بھی بیت المقدس اور اسکے گرد و نواح میں ایک مدت تک سقائی کی تھی ۔

اُسکا مذہب جیسا کہ خود اُسکے کلام سے ظاہر ہے تسنّن معلوم ہوتا ہے لیکن جس طرح اکثر صوفیہ کی نسبت تشیّع کا گمان کیا گیا ہے اُسکو بھی قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں شیعی لکھا ہے - ہم اُسکے کسی خاص مذہب کا ثبوت دیکر ایک ایسے شخص کو جو مقبولِ فریقین ہے ایک گروہ کا مقبول اور دوسرے گروہ کا مردود بنانا نہیں چاہتے بڑی بات یہ ہے کہ وہ بے تعصّب تھا اور یہی اُس کے ناجی ہونیکی دلیل ہے +

اُسکو تذکرہ نویسوں نے اہلِ باطن اور صوفیہ میں سے شمار کیا ہے اُسکے کلام سے بھی جابجا تصوّف ٹپکتا ہے - وہ اس رنگ میں ڈوبا ہوا تھا - بیشک وہ صوفی بھی تھا اور واعظ بھی تھا مگر آج کل کے مشائخ اور واعظوں کے برخلاف ایک نہایت بے تکلّف - کھلا ڈلا یار باش - خوش مزاج - ظریف - ریا اور نمائش سے دور سیدھا سادہ مسلمان تھا - اُسکو آج کل کے حضرات کی طرح اپنے تئیں لوازم بشریت سے بالکل پاک ظاہر کرنا اور بہ تکلّف مقدس فرشتوں کی صورت میں جلوہ گر ہونا ہرگز نہ آتا تھا - وہ شاعری میں اپنا جواب نہ رکھتا تھا مگر مشرق کے عام شعرا کی طرح حریص اور لالچی نہ تھا - اُسنے مثل ظہیر - رشید - خاقانی - اور انوری وغیرہم کے بادشاہوں کی مداحی اور امیروں کی بھٹئی کرنیکو اپنی وجہ معاش نہیں بنایا تھا - باایں ہمہ وہ اُمرا اور سلاطین سے ملتا بھی تھا اور اُن کی مدح میں قصیدے بھی لکھتا تھا اور جو کوئی عقیدت یا محبت

سے اُسلی کچھ نذر کرتا تھا وُہ سے بھی لیتا تھا۔ اُسکے عام مدحیۂ قصائد دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وُہ یہ قصیدے کس غرض سے لکھتا تھا زیادہ تر اُسکے قصیدے ایسے ہیں جنکو قصیدہ گوئی کے مشرقی اصُول کی موافق بہت مُشکل سے قصیدہ کہا جا سکتا ہے امیروں سے وہ اِسلئے بھی زیادہ تر میل جول رکھتا تھا کہ اکثر اُسکی سفارش سے جیسا کہ گلستان کی بعض حکایتوں سے پایا جاتا ہے غریب آدمیوں کے کام نکل جاتے تھے۔ خود داری اور غیرت اُس میں ایسی تھی کہ نہایت ضرورت اور احتیاج کے وقت بھی وہ وضع کو ہاتھ سے نہ دیتا تھا جیسا کہ اسکندریہ کے قحط میں اُس سے ظہور میں آیا۔ خلقت کی خیرخواہی اور ہمدردی خداتعالےٰ نے اُسکی سرشت میں ودیعت کی تھی۔ اُسکے نصائح اور مواعظ ہرگز اِسقدر مقبول نہوتے اگر انسانی ہمدردی کا جوش اُسکے دل میں نہوتا۔ اُسنے اپنی زبان اور قلم کو پند و نصیحت کے لئے وقف کر دیا تھا اور حق بات کہنے سے خطرناک موقعوں پر بھی نہ چوکتا تھا۔ کوئی شخص کسی چیز میں کامل نہیں ہوسکتا۔ جب تک دو باتیں جمع نہوں ایک جوہر فطری۔ دوسرے زمانہ کے ایسے اتفاقات جو اُسکی جلا کے باعث ہوں۔ شیخ کی ذات میں جس قسم کی قابلیت تھی اُسی کے موافق اُسکو اتفاقات پیش آئے تھے۔ جس شہر میں وہ پیدا ہوا تھا وُہ خود ایک مردم خیز خطہ تھا جہاں ہونہار بچونکو خود بخود کسب کمال کی ترغیب ہونی چاہئے۔ یتیمی اور بے پدری اگرچہ اکثر صورتوں میں آوارگی اور ابتری کا سبب ہوتی ہے لیکن بسا اوقات

ایسی مجبوری اور بیکسی کی حالتیں غیرت مند اور جفاکش لڑکوں کے حق میں ترقی اور رشد کا باعث ہوئی ہیں۔ جس مدرسہ میں وہ حسن اتفاق سے تحصیل کے لئے پہنچا وہ تمام مدارس اسلامیہ میں ممتاز اور سرآورد تھا اور جس دار الخلافہ میں وہ مدرسہ واقع تھا وہاں کی سوسائٹی اسوقت تقریباً تمام دنیا کی سوسائٹیوں کی نسبت زیادہ شائستہ اور مہذب تھی اُسنے صرف درس کتاب ہی سے استفادہ حاصل نہیں کیا تھا بلکہ زمانہ نے بھی اُسکی تادیب خاطرخواہ کی تھی۔ اُسکی عمر کا ایک بہت بڑا اور مفید حصہ نہایت کٹھن اور دور دراز سفر کرنے اور دُنیا کے عجائبات اور قدرت کی نیرنگیاں دیکھنے میں بسر ہوا تھا۔ سلطنتوں کے پے در پے انقلابات اور ملکوں کے متواتر تغیرات۔ ظالم بادشاہون اور بے رحم عاملوں کے ظلم و ستم دیکھتے دیکھتے بنی نوع کی دلسوزی اور ہمدردی اُس کی طبیعت میں راسخ ہوگئی تھی بیسیوں خاندان اُسکی آنکھوں کے سامنے بنے اور بیسیوں بگڑ گئے ایکبار جیسا کہ گلستان میں مذکور ہے شام میں اُسکے روبرو ایسا انقلاب ہوا کہ وزیروں کی اولاد بھیک مانگنے لگی اور روستائی زادے وزارت کے درجہ کو پہنچ گئے۔ ساتوین صدی میں جسمیں کامل عقل و ہوش کے ساتھ اُسنے اکیانوےبرس بسر کئے تھے عجیب و غریب تماشے اُسکی نظر سے گزر گئے سلاطین کُردیہ کا خاندان جن کی سطوت و جلالت۔ ایشیا۔ افریقہ اور یورپ میں یکساں مانی جاتی تھی اسی صدی میں تمام ہوا۔ سلاجقہ قونیہ اور خوارزم شاہیون کی نہایت سخت لڑائی جسنے دونو سلسلوں کو

مضمحل کر دیا اسی صدی میں ہوئی - پھر خوارزمیوں کی سلطنت جو بحیرۂ خزر اور جھیل یورال سے دریائے سندھ اور خلیج فارس تک پھیلی ہوئی تھی اسی صدی میں تاتاریوں[ف] کے ہاتھ سے برباد ہوئی بنی عباس کی خلافت سوا پانسو برس بعد اسی صدی میں ہمیشہ کے لئے نیست و نابود ہوئی اور بقول بعض مؤرخین کے آٹھ لاکھ مسلمانوں کا خون مغلوں کی تلوار سے دجلہ کی ریتی میں بہ گیا - دمشق اور اسکندریہ کا قحط جسکا ذکر گلستان اور بوستان میں ہے اور مصر کا قحط جس میں حسب تصریح صاحب وصاف ایک ایک روٹی ہزار ہزار دینار کو بک گئی اور فارس کا قحط جس میں ایک لاکھ آدمی بھوکا مر گیا اسی صدی میں واقع ہوئی - اتابکان فارس کے خاندان پر اسی صدی میں زوال آیا - دار الملک شیراز جو شیخ کا مولد و مسکن تھا اسی صدی میں کئی بار قتل و غارت کیا گیا - فرقۂ اسمٰعیلیہ جو پونے دو سو برس مشرق میں نہایت زور شور کے ساتھ حکمران رہا ان کا خاتمہ تاتاریوں نے ایران میں اور

[ف] اس معرکہ میں جیسا کہ شیخ نجم الدین دایہ نے مرصاد العباد کے دیباچہ میں لکھا ہے تاتاریوں نے صرف رے اور اسکے نواح میں تقریباً سات لاکھ مسلمان قتل اور اسیر کئے تھے اور خراسان کے چار شہر بلخ - مرو - ہرات اور نیشاپور بالکل تاراج اور نابود ہو گئے اور ان کے دائیں بائیں اکثر بستیاں قتل و غارت کا نشانہ ہوئیں +

کردوں نے شام میں ہمیشہ کے لئے اِسی صدی میں کیا - یہ تمام حوادث اور وقائع شیخ کے سامنے ظہور میں آئے تھے جنسے ایک صاحبِ بصیرت آدمی بے انتہا عبرت اور نصیحت حاصل کرسکتا ہے چنانچہ بغداد کا مرثیہ جو اُسنے عربی میں لکھا ہے اُسمیں کہتا ہے *

رَعَی اللّٰہُ اِنْسَاناً تَیَقَّظَ بَعْدَ ھُمْ + لِاَنَّ مُصَابَ الزَّیْدِ مُزْدَجَرَۃُ الْعَمْرِ

یعنی خدا حمایت کرے اُس شخص کی جو خلافت عباسیہ کے زوال کے بعد متنبہ ہو گیا کیونکہ زید کی مصیبت عمرو کے لئے تازیانہ ہے - یوروپ کے مشہور مصنّف ہکسلے صاحب کا قول ہے کہ میں نے عمدہ تعلیم صرف ایک اسکول یعنی مدرسۂ روزگار میں پائی ہے جسمیں محنت اور مصیبت دو بڑے گرمجوش اور دلسوز اُستاد تھے *

اِس کے سوا جیسی عمدہ صحبتیں شیخ کو میسّر آئی تھیں ویسی بہت کم آدمیوں کو میسّر آتی ہیں - شیخ کی عادت جیسا کہ ایک رسالہ[1] میں اُس کے فحواے بیان سے معلوم ہوتا ہے یہ تھی کہ عالمِ سفر میں وہ جہاں جاتا تھا وہاں کے علما - صلحا - مشائخ اور کاملیں سے ضرور ملتا تھا - صاحبِ نفحات الانس نے لکھا ہے کہ شیخ نے کثرت سے دانشمندوں اور عالموں کو دیکھا تھا - وہ خود بھی بوستان میں کہتا ہے *

تمتّع بہر گوشۂ یافتم * زہر خرمنے خوشۂ یافتم

اگرچہ ساتویں صدی ہجری میں جسمیں کہ شیخ کی جوانی اور بڑھاپا گزرا

[1] یہ رسالہ شیخ کے کلیات میں شامل ہے ۱۲ +

تھا مسلمانوں کی علمی ترقیات اور فضائل و کمالات سابق کی نسبت بہت محدود ہو گئے تھے لیکن پھر بھی بلادِ اسلام میں ایک جمّ غفیر اعلیٰ درجہ کے مشائخ اور علما و حکما کا نظر آتا تھا۔ خصوصاً جن ملکوں میں شیخ کی زیادہ آمد و رفت رہی ہے جیسے ایران۔ روم۔ شام۔ عراق۔ عرب اور مصر وغیرہ وہ اب بھی دینی اور دنیوی علوم کے مرکز تھے ہماری تذکروں سے ثابت ہوتا ہے کہ اِن ملکوں میں جن لوگوں نے ساتویں صدی ہجری کے آغاز سے آٹھویں صدی کے شروع تک وفات پائی ہے اور جنسے شیخ کا ملنا ممکن تھا اُن میں کم سے کم چار سو جلیل القدر عالم اور محقق ایسے موجود تھے جو تمام بلادِ اسلام میں مانے گئے ہیں اور جنکی تصنیفات ابتک مسلمانوں میں نہایت عظمت کے ساتھ تسلیم کیجاتی ہیں۔ جیسے شیخ محی الدین ابن العربی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی۔ شیخ صدر الدین قونوی مولانا جلال الدین رومی۔ ابن تیمیہ حرانی۔ امام یافعی۔ شیخ ابو الحسن شاذلی شیخ تاج الدین قسطلانی۔ شیخ شہاب الدین سہروردی۔ شیخ ابن فارض شیخ اوحد الدین کرمانی۔ قاضی ابن خلکان۔ شیخ الاسلام تقی الدین ابن الصلاح۔ خواجہ علاء الدولہ سمنانی۔ علامہ قطب الدین شیرازی امام محی الدین نووی۔ قاضی ناصر الدین بیضاوی۔ ابن عساکر فقیہ شافعی وغیرہ وغیرہ ایسے ایسے سیکڑوں جلیل القدر علما و مشائخ شیخ کی نظر سے گزرے تھے اور اُن کے علاوہ جیسا کہ گلستان اور بوستان سے ثابت ہوتا ہے وہ ہر فرقہ اور ہر گروہ کے آدمیوں سے ملتا اور اُنکی

صحبت سے فائدہ حاصل کرتا تھا جسطرح وہ فقرا اور مشائخ کے حلقوں میں
بیٹھتا تھا۔ اُسی طرح اُمرا کی مجلسوں اور بادشاہوں کے دربار میں شریک
ہوتا تھا۔ کبھی وہ ابرار اور احرار کی صحبت سے مستفیض ہوتا تھا اور کبھی
اوباش و الواط کے جلسوں کا تماشائی تھا۔ نہ اُسکو شراب خانے میں جانیسے
عار تھا نہ بُت خانہ میں رہنے سے ننگ تھا۔ اُسی نے جامع بعلبک میں
مُدتوں وعظ کہا تھا اور وُہی بُت خانۂ سومنات میں ایک مُدت تک پوجاری
رہا۔ کبھی وہ بصرہ کے نخلستان میں یاروں کے ساتھ کھجوریں توڑتا نظر آتا تھا
اور کبھی فلسطین کی بستیوں میں پیاسوں کو پانی پلاتا پھرتا تھا۔ غرضکہ اُسکی
تمام عمر خصائلِ انسانی اور نیرنگیٔ روزگار کے مطالعہ میں بسر ہوئی تھی۔ اسی
سبب سے یوروپ کے بعض مُصنّفوں نے اُسکو گریٹ مورلسٹ کہا ہے
اور اِسی وجہ سے اخلاقِ بشری کی تصویر جس عمدگی کے ساتھ اُسنے اپنے
کلام میں کھینچی ہے ویسی آجتک ایران کے کسی شاعر سے نہیں کھنچ سکی
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شعرائے ایران میں جسقدر عمر شیخ نے
پائی ہے شاید اور کسی کو نصیب نہیں ہوئی۔ جہانتک ہماری تحقیق
سے ثابت ہوتا ہے اُسنے ایکسو بیس ۱۲۰ برس اس قفس عنصری میں بسر
کئے ہیں۔ اگرچہ ہر علم و فن میں کمال کا درجہ حاصل کرنے کے لئے
زیادہ عمر پانی ضرور ہے مگر شاعر کے لئے سب سے زیادہ اس بات کی
ضرورت ہے۔ شاعر جسقدر بڈھا ہوتا جاتا ہے شاعری جوان ہوتی
جاتی ہے اگر وہ شیخوخت کے مرتبہ کو پہنچکر شاعر کی فکر میں بلند پروازی

نہیں رہتی لیکن بلاغت جو شاعری کا رکنِ اعظم ہے کمال کو پہنچتی جاتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جن شاعروں نے تھوڑی عمر پائی ہے گو کہ اُن کی قابلیت و استعداد اعلیٰ درجہ کی تھی مگر اُن کی شاعری میں ضرور کچھ کچھ نقصان رہ گیا۔ جیسا کہ عرفیِ شیرازی کی نسبت شیخ ابوالفضل نے لکھا ہے کہ "غنچۂ استعدادش ناشگفتہ ماند" ایک نوجوان شاعر جسکی طبیعت میں کمال جودت اور بلند پروازی ہو بالکل ایسا ہی ہے جیسے ایک شوخ چالاک اور الھڑ بچھیرا جسکی بھاگ دوڑ اور جست و خیز اکثر بے اصول اور خلافِ قاعدہ ہوتی ہے اور ایک مُعمّر سن رسیدہ شاعر گو اسکی تک کیسی ہی پست اور محدود ہو اُس شائستہ اور سدھے ہوئے گھوڑے کے مانند ہے جو کبھی بے اصول قدم نہیں اُٹھاتا۔ الغرض شاعری کے لئے جتنی ضروری شرائط درکار ہیں وہ سب خدا تعالیٰ نے شیخ کی ذات میں جمع کر دی تھیں۔

شاعری کی بنیاد زیادہ تر چار چیزوں پر ہے ایک یہ کہ شاعر کے خیالات کم و بیش کسی حقیقت واقعیہ پر نہ کہ محض اختراعِ ذہن پر مبنی ہونے چاہئیں ورنہ شعر میں کچھ تاثیر نہ ہوگی۔ دوسرے وہ ایسے خیالات ہوں جنمیں عام خیالات کی نسبت ایک قسم کی ندرت اور نرالا پن اور تعجب پایا جائے ورنہ معمولی بات چیت میں اور شعر میں کچھ فرق نہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ خیالات عمدہ لباس میں ظاہر کئے جائیں کیونکہ خیال کیسا ہی عمدہ ہو اگر مناسب لفظوں میں ادا نہ کیا جائے تو دائرۂ شاعری سے خارج

ہوگا۔ چوتھے شاعر کے دل میں جبکہ وہ کسی مضمون پر شعر لکھ رہا ہے کم و
بیش اُس مضمون کا جوش اور ولولہ موجود ہونا چاہیے ورنہ شعر نہایت کمزور
ہوگا۔ یہ چاروں باتیں جیسی شیخ کی شاعری میں پوری پوری پائی جاتی
ہیں ویسی ایران کے کسی اور شاعر میں مشکل سے پائی جائینگی۔ اگرچہ
بعض کے کلام میں یہ تمام خاصیتیں موجود ہیں لیکن اُن کا کلام چونکہ
نہایت محدود دائرہ یا ایک خاص صنف میں منحصر ہے جیسے خواجہ حافظ
شیراز کی غزل۔ اسلئے ہم اُن کو شیخ کا ہم پلہ نہیں سمجھتے +

شیخ کو اور شعرا ایران پر سب سے بھی بہت بڑی فوقیت ہے کہ
اُسکی نظم و نثر دونو مسلم الثبوت ہیں۔ یہ بات بظاہر عجیب معلوم ہوگی
کہ ایران میں جتنے مسلم الثبوت شعرا گزرے ہیں اُن میں شیخ کے
سوا ایک بھی ایسا نہیں ہے جسکی نثر کو مثل نظم کے جمہور نے تسلیم کیا ہو
اگرچہ ہندوستان میں نورالدین ظہوری کو بھی نثر و نظم کا جامع مانتے
ہیں لیکن اہل ایران اُسکی نظم و نثر دونو کو ناپسند کرتے ہیں۔ بیشک
اُسکی نثر کے اکثر فقرے بادی النظر میں نہایت دلفریب ہیں جیسے
"سنبل حرفش از آہ ناشکیباں + بنفشۂ نقطہ اش از خال لعقباں
از رشح طراوت کلمات نہر سطر مالامال آب حیات خضر تشنہ لب سیرابی
او آسیحا مردہ جاں بخشی ہو انکتہ ہاسے برجستہ غنچہ ہاسے سربستہ۔
نثرش نثر و رفعت شعرس شعری مرتبت ہر صفحہ چمنے و ہر سطرے نخلے
برگش لفظ دلکش و بارش معنی بے غش ہر حرفش فصلے و ہر فرعش اصلے"

اسی طرح سہ نثر کے اور بہت سے فقرے الفاظ پرستوں کو نہایت
خوشنما معلوم ہوتے ہیں لیکن ان میں الفاظ کے سوا اور کچھ بھی
نہیں ۵

خوب اند و خوش اند و بو ندارند

بخلاف اسکے شیخ نے گلستان میں اس سے بہت زیادہ دلاویز و
دلکش الفاظ میں حقائق واقعیہ کو بیان کیا ہے۔ یہ بات گلستان کے
سوا کسی فارسی نثر میں آجتک نہیں دیکھی گئی مثلاً

"در ایام جوانی چنانکہ افتد و دانی۔ نظرے داشتم بروئے و گزرے داشتم
بکوئے ۲ اے برادر حرم درپیش ست و حرامیان از پس اگر رفتی بردی و اگر
خفتی مردی ۳ آزردن دل دوستان جہل ست و کفارۂ یمین سہل ۴ تو کہ
چراغ نہ بینی بہ چراغ چہ بینی ۵ طریق درویشاں ذکر ست و شکر و خدمت و طاعت
و ایثار و قناعت و توحید و توکل و تسلیم و تحمل۔ ہر کہ بدیں صفتہا موصوف ست
بحقیقت درویش ست۔ اگرچہ در قباست۔ اما ہرزہ گردے بے نمازے ہوا
پرستے ہوس بازے کہ روزہا بشب آرد در بند شہوت و شبہا روز کند در
خواب غفلت و بخورد ہرچہ در میان آید و بگوید ہرچہ بر زبان آید زندیق ست
اگرچہ در عباست ۶ پدر را عسل بسیارست اما پسر گرمی دارست ۷ صیادِ بے
روزی در دجلہ ماہی نگیرد و ماہی بے اجل بر خشکی نمیرد ۸ گوئی خردۂ مینا بر خاکش
ریختہ و عقد ثریا از تاکش در آویختہ ۹ عصارۂ تاکی بقدرتش شہد فائق شدہ و
تخم خرما بتربیتش نخل باسق گشتہ"

نظم ونثر کے جامع فارسی زبان ہی میں نادرالوجود نہیں ہیں بلکہ ہر زبان میں یہی حال ہے انگریزی میں باوجودیکہ لٹریچر کی ترقی انتہا کے درجہ کو پہنچ گئی ہے صرف گنتی کے آدمی ایسے ہیں جنکو نظم اور نثر دونو میں تمام اہل فن کے نزدیک قبولیت حاصل ہوئی ہے - بعضے ملٹن کو اور بعضے سکاٹ کو اور بعضے اور ایک آدھ آدمی کو نظم ونثر کا جامع خیال کرتے ہیں - پس شیخ کے لئے یہ کچھ کم فخر کی بات نہیں ہے کہ ایران میں صرف اُسی کی نظم ونثر دونو ایسی ہیں جنکو تمام اہل زبان نے تسلیم کیا ہے *

شیخ نے بھی تغزل یعنی عاشقانہ اشعار کی بنیاد تمام شعرائے ایران کی طرح امردوں اور سادہ رخوں کے عشق ہی پر رکھی ہے - لیکن یہ بات جیسی کہ بادی النظر میں مذموم اور قبیح معلوم ہوتی ہے حقیقت میں ایسی نہیں ہے اور صرف اس بنا پر شیخ یا ایران کے اور شعرا پر امرد پرستی کا الزام لگانا بیجا ہے - فارسی زبان میں اور اُسکی پیروی کر اردو زبان میں بھی ہمیشہ سے شاعری کا یہ طریقہ رہا ہے کہ شاعر مرد ہو یا عورت - رند ہو یا صوفی - خدا کا عاشق ہو یا مخلوق کا مرد کا عاشق ہو یا عورت کا بلکہ سرے سے عاشق ہو یا نہو ہمیشہ غزل ایسے عنوان سے لکھتا ہے جس سے معلوم ہو کہ شاعر کسی پر عاشق ہے اور وہ اور اُسکا معشوق دونو مرد ہیں اسی طرح ہندی میں شاعر مرد ہو یا عورت دُنیادار ہو یا تارک دُنیا عشق حقیقی لکھتا ہو یا عشق مجازی - مرد کا عاشق ہو یا عورت کا ہمیشہ عاشقانہ

نظم ایسے طور پر لکھتا ہے جس سے ثابت ہو کہ شاعر عورت ہے اور اُسکا معشوق مرد ہے ۔ اسی طرح عربی میں شاعر اپنے تئیں مرد اور معشوق کو عورت فرض کرلیتا ہے ۔ اگر بالفرض کوئی شخص تینوں زبانوں میں شعر کہنے پر قادر ہو تو اُس غریب کو ہر زبان کے دستور کے موافق کہیں آپ کو مرد اور معشوق کو عورت اور کہیں آپکو عورت اور معشوق کو مرد اور کہیں آپ اور معشوق دونوں کو مرد قرار دینا پڑے گا ۔ حضرت امیر خسرو دہلوی کی فارسی غزلوں سے صاف یہ پایا جاتا ہے کہ وہ کسی سادہ رُخ لڑکے پر فریفتہ ہیں اور اُن کے ہندی دوہروں سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی عورت اپنے پیارے خاوند یا دوست کے عشق یا جدائی میں بیتاب ہے اور عربی قصائد کی تشبیبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مرد اپنی زوجہ یا محبوبہ کی یاد میں مضطر و بیقرار ہے ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تمام فرضی اور اصطلاحی عنوان بیان ہیں جنکو حقیقت واقعی سے کچھ علاقہ نہیں ہے ۔ جس طرح ہزاروں پارسا اور پرہیزگار شاعر جنہوں نے نہ کبھی شراب کا مزا چکھا نہ اُسکی صورت دیکھی نہ اُسکی بُو سونگھی صدہا شعر شراب و کباب کے مضمون کے لکھتے ہیں ۔ اسیطرح ہزاروں پاکباز اور صاحب عزت شعر لکھتے وقت تھوڑی دیر کو امرد پرست اور شاہد باز بنجاتے ہیں ۔ البتہ اس سے مشرقی شاعری کی حد سے زیادہ بے اعتباری پائی جاتی ہے جس کے اصول اور فروع سب تصنع اور بناوٹ اور ادعا محض پر مبنی ہیں لیکن

شیخ سعدی اور مولانا روم اور امیر خسرو اور خواجہ حافظ اور تمام شعرائے متصوفین اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ یہ لوگ اکثر عشق مجازی کے پیرایہ میں اپنے واردات اور حالات اور حقایق واقعیہ بیان کرتے ہیں۔ بعض اشخاص یہ خیال کرتے ہیں کہ ان لوگوں کے کلام کو جس میں بظاہر تمام خال وخط اور شراب وشاہد کے مضامین درج ہیں حقیقی معنوں پر محمول کرنا اور اُس سے شاہد حقیقی کی شیون وصفات مراد لینی صرف ایک مُنایانہ گھڑت ہے جس میں سراسر تکلّف اور بناوٹ پائی جاتی ہے۔ مگر ایسا خیال وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کوچۂ شاعری سے نابلد ہیں۔ کنایہ ہمیشہ صراحت سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے اور دوست کا ذکر ہمیشہ اغیار سے چھپایا جاتا ہے چنانچہ مولانا رُوم مثنوی میں صاف صاف فرماتے ہیں ؎

خوشتر آں باشد کہ سِرّ دلبراں ‌ ‌ ‌ گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

شعرائے متصوفین کے اشعار اگر حقیقی معنوں پر محمول نہ کئے جائیں تو اُن میں وُہ کرشمہ جسنے ایک عالم کے دلکو تسخیر کیا ہے باقی نہیں رہتا۔ نفحات الانس میں لکھا ہے کہ مولانا محمد شیریں جو کہ مولانا مغربی کے نام سے مشہور ہیں اور جن کا دیوان غزلیات متصوفانہ اشعار میں مشہور ہے اُن کے سامنے کسی نے اُن کے معاصر شیخ کمال اسمٰعیل خجندی کا یہ مطلع پڑھا ؎

چشم اگر اینست و ابرو این و ناز و عشوہ این + الوداع اے زہد و تقویٰ الفراق اے عقل و دین

مولانا نے سُنکر کہا ایسا شعر کہنا کیا ضرور ہے جو معنی مجازی کے سوا کوئی اور محمل نرکھتا ہو۔ شیخ نے بھی یہ بات سُنی اور ایک موقع پر مولانا کے سامنے ذکر چھیڑ کر کہا کہ چشم اور عین مترادف لفظ ہیں پس عین سے ذات الٰہی مراد لیجاسکتی ہے اور ابرو حاجب کا مرادف ہے پس مُمکن ہے کہ حاجب سے صفاتِ الٰہی جو کہ حاجبِ ذات ہیں مُراد لیجائیں۔ مولانا نے اِس توجیہ کو تسلیم کیا اور شیخ کے بیان کی داد دی" خواجہ حافظ کی نسبت اُسی کتاب میں لکھا ہے کہ" یہ شخص لسان الغیب اور ترجمان الاسرار ہے۔ اُسنے اکثر اسرارِ غیبی اور معانیٔ حقیقی مجاز کے لباس میں ایسی خوبی سے بیان کئے ہیں کہ کسی اور سے ایسا بیان نہیں ہوسکا" پھر اکابرِ صوفیہ میں سے ایک بزرگ کا قول نقل کیا ہے جو کہ صوفیہ کے حق میں دیوان حافظ کو تمام دیوانوں سے بہتر بتاتے تھے۔ لیکن حق یہ ہے کہ تغزل کا یہ طریقہ خواجہ حافظ وغیرہ نے شیخ سعدی شیرازی کے تتبّع سے حاصل کیا ہے +

البتہ ایران کی شاعری میں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اُنھوں نے تغزل کی بُنیاد امرد پرستی پر کیوں رکھی ہے۔ عرب کی شاعری میں شاعر اپنے تئیں مرد اور معشوق کو عورت اور ہندی میں اپنے کو عورت اور معشوق کو مرد باندھتے ہیں اور یہ دونو طریقے نیچر کے مطابق ہیں مگر مرد کا مرد پر عاشق و فریفتہ ہونا اور اُس سے وصل کا طالب اور کامجو ہونا اگرچہ محض زبانی جمع خرچ کیوں نہو ایک ایسا طریقہ ہے جس سے فطرتِ انسانی

بالکل آیا کرتی ہے۔ ہمارے نزدیک اسکا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ
فارسی زبان میں عربی اور ہندی زبان کی طرح تذکیر و تانیث کا تفرقہ نہیں
ہے۔ اسمیں ضمیریں اور افعال اور صفات مرد اور عورت دونو کو لئے
یکساں لائی جاتی ہیں۔ پس ممکن ہے کہ شعرائے فارسی ہیں بھی ہندی
کی طرح تا شعرا اپنے تئیں عورت اور معشوق کو مرد یا فرض کرتے ہوں لیکن اس
سبب سے کہ شاعر عموماً مرد ہوتے تھے اور ضمائر یا افعال وغیرہ سے یہ
ثابت نہ ہوتا تھا کہ شاعر نے اپنے تئیں مرد فرض کیا ہے یا عورت رفتہ
رفتہ یہ خیال پیدا ہو گیا ہو کہ فارسی میں عاشق او معشوق دونو مرد فرض
کئے جاتے ہیں۔ میں یہ خیال کرتا ہوں کہ گر کامل غور اور توجہ سے دیکھا
جائے تو یہ ایک ایسی توجیہ ہے جسکے صحیح ہونے میں کچھ تھوڑا ہی سا
شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ اسکے سوا دوسری وجہ یہ بھی خیال میں آتی ہے
کہ جب مسلمان عرب سے نکل کر دوسرے ملکوں میں پھیلے تو یہ سبب اسکے
کہ اُن کے ہاں عورتوں کا مردوں سے چھپنا مذہبی فرائض میں سے تھا
غیر قوموں کے میل جول سے عورتوں کے باب میں انکی غیرت حد سے
زیادہ بڑھ گئی تھی۔ خصوصاً مسلمان بادشاہوں میں اس غیرت کا ظہور
سب طبقوں سے زیادہ تھا۔ ڈاکٹر برنیر فرانسیسی جو ہندوستان میں
پندرہ سولہ برس عالمگیر کے ساتھ رہا ہے اپنے وقائع سفر میں لکھتا ہے ہندوستان
میں جب بادشاہ سفر کرتا تھا تو بیگمات کی سواری کے نزدیک کوئی متنفس اگرچہ کیسا
ہی ذی مرتبہ اور صاحب اعتبار ہو نہیں جانے پاتا تھا ورنہ بالضرور خواجہ سراؤں اور

اور خواصوں کے ہاتھ سے نہایت بیرحمی کے ساتھ پٹتا تھا۔ اور ایران میں سُنا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص بیگمات کی سواری سے آدہے فرسنگ کے فاصلہ پر نظر پڑجاتا تھا تو اُسکی سزا موت کے سوا کچھ نہ تھی اور جس شہر یا گانو میں سے بیگمات کی سواری نکلنی تھی وہاں کے تمام مرد اور عورت اپنے اپنے مقام اور مسکن چھوڑکر چلے جاتے تھے،، شاید اِس بیان میں کچھ مبالغہ ہو مگر اِس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عورتوں کے باب میں مسلمان بادشاہوں کی غیرت حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی۔ چونکہ شعرا اکثر بادشاہوں کے مدّاح اور مُصاحب ہوتے تھے اسلئے وہ کوئی بات سلاطین کے مقتضائے مزاج کے خلاف شعر میں درج نہ کرسکتے تھے پس نہایت قوی گمان ہے کہ شعرا نے غزل اور تشبیب میں عورتوں کے حُسن و جمال کا ذکر اور جو جو معاملات عشق کے زمانہ میں عاشق و معشوق کے درمیان واقع ہوتے ہیں اُنکو صاف صاف بیان کرنا سلاطین کی حمیّت اور غیرت کے برخلاف سمجھا ہو اور اسلئے تمام عشقیہ مضامین امردوں اور سادہ رخوں پر ڈھالے گئے ہوں۔ سلاطین مُغلیہ میں سے جہانگیر کے عہد میں جو ایک واقعہ گزرا ہے وُہ اِس خیال کی تائید کرتا ہے۔ ایک موقع پر جہانگیر کے روبرو قوّال امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی غزل گا رہا تھا اور بادشاہ اُس کو سُنکر بہت محظوظ ہو رہا تھا۔ جب قوّال نے یہ شعر گایا ؎

تُو شبانہ می نمائی بہ برِ کہ بُودی امشب ۔۔۔ کہ ہنوز چشمِ مستت اثرِ خمار دارد،،

بادشاہ دفعۃً بگڑ گیا اور قوّال کو فوراً اُٹھوا کر نکلوا دیا اور اِسقدر برہم ہوا کہ تمام ندیم اور خواص خوف سے لرزنے لگے اور فوراً مُلا نقشی مُہرکن کو جنکا بادشاہ بہت لحاظ کرتا تھا بُلا کر لائے تاکہ وُہ کسی تدبیر سے بادشاہ کے مزاج کو دھیما کریں۔ جب وُہ سامنے آئے تو بادشاہ کو نہایت غیظ و غضب میں بھرا پایا۔ عرض کیا حضور خیر باشد۔ بادشاہ نے کہا دیکھو امیر خسرو نے کیسی بے غیرتی کا مضمون شعر میں باندھا ہے۔ بھلا کوئی غیرت مند آدمی اپنی محبوبہ یا منکوحہ سے ایسی بے غیرتی کی بات کہہ سکتا ہے؟ مُلا نقشی نے ایک نہایت عُمدہ توجیہ سے اُسی وقت بادشاہ کا غُصّہ فرو کر دیا۔ اُنہوں نے کہا کہ امیر خسرو نے چونکہ ہندوستان میں نشو و نما پائی تھی اسلئے وہ اکثر ہندوستان کے اصول کے موافق شعر کہتے تھے۔ یہ شعر بھی اُنہوں نے اُسی طریقہ پر کہا ہے۔ گویا عورت اپنے شوہر سے کہتی ہے کہ تو رات کو کسی غیر عورت کے ہاں رہا ہے کیونکہ ابتک تیری آنکھوں میں نشہ کا یا نیند کا خمار پایا جاتا ہے۔ یہ سُنکر بادشاہ کا غیظ و غضب فوراً جاتا رہا اور پھر گانا بجانا ہونے لگا۔

اگرچہ شیخ یا اور شعرائے ایران کے عاشقانہ اشعار سے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں انکی بادہ پرستی اور شاہد بازی پر استدلال نہیں ہوسکتا۔ لیکن اسمیں بھی شک نہیں کہ گلستان کے پانچویں باب کی بعض حکایتوں اور نیز شیخ کے اکثر اشعار سے صاف پایا جاتا ہے کہ عشق و محبت اُسکی سرشت میں تھا اور کسی نہ کسی وقت میں

سادہ رُخوں اور امردوں کی طرف اُسکو میلانِ خاطر رہا ہے۔ مگر
اِس بات کو میں کسی بری معنی پر محمول نہیں کرتا۔ صوفیہ کے حالات
جو نفحات وغیرہ میں لکھے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کے
نزدیک عشقِ مجازی بشرطیکہ پاک اور بے عیب ہو سالک کے لئے
ایک بہت بڑا ذریعہ ترقی باطنی کا ہے اور اکثر بڑے بڑے مشائخ
اور شعرا میں یہ خصلت پاکدامنی اور عفت کے ساتھ دیکھی گئی ہے۔
شیخ نے بےتکلف اپنے عاشق مزاج ہونے کا جابجا اقرار کیا ہے
اسی طرح ناپاک عشقبازی اور بوالہوسی سے بیزاری بھی ظاہر
بھی کی ہے چنانچہ ایک جگہ غزل میں کہتا ہے:

گر نظرِ صدق را نام گنہ می نہند — ما حل است ہیچ نیست بر آنکہ اندکی

تمام شد